علم الاقتصاد: مقدمہ، ترتیب وتحشیہ

عابدہ مبشر

اقبال اکادمی پاکستان، لاہور

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

فہرست

۱۔ پیش لفظ

۲۔ مقدمہ

۳۔ حوالہ جات مقدمہ

۴۔ پیش کش

۵۔ دیباچہ مصنف

۶۔ حوالہ جات پیش کش و دیباچہ مصنف

حصہ اوّل

۷۔ علم الاقتصاد کی ماہیت اور اس کا طریق تحقیق

۸۔ حوالہ جات حصہ اوّل

حصہ دوم ۔ پیدائش دولت

۹۔ زمین

۱۰۔ محنت

۱۱۔ سرمایہ

۱۲۔ کسی قوم کی قابلیت پیدائش دولت کے لحاظ سے

۱۳۔ حوالہ جات حصہ دوم

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

حصہ سوم۔ تبادلہ دولت

۱۴۔ مسئلہ قدر

۱۵۔ تجارت بین الاقوام

۱۶۔ زر نقد کی ماہیت اور اس کی قدر

۱۷۔ حق الضرب

۱۸۔ زر کاغذی

۱۹۔ اعتبار کی ماہیت و مقاصد اور اس کا اثر اشیاء کی قیمتوں پر

۲۰۔ حوالہ جات حصہ سوم

حصہ چہارم۔ پیدوارِ دولت کے حصہ دار

۲۱۔ لگان

۲۲۔ ساہوکار کا حصہ یا سود

۲۳۔ مالک یا کارخانہ دار کا حصہ یا منافع

۲۴۔ محنتی کا حصہ یا اجرت

۲۵۔ مقابلہ ناکامل دستکاروں کی حالت پر کیا اثر کرتا ہے

۲۶۔ سرکار کا حصہ یا مالگذاری

۲۷۔ حوالہ جات حصہ چہارم

حصہ پنجم

۲۸۔ آبادی۔ وجہ معیشت

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

۲۹۔ جدید ضروریات کا پیدا ہونا

۳۰۔ صرف دولت

۳۱۔ حوالہ جات حصہ پنجم

۳۲۔ کتابیات (اردو)

۳۳۔ کتابیات (انگریزی)

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

پیش لفظ

ایم فل پروگرام کی تکمیل کے سلسلے میں آخری قدم مقالہ کی تکمیل ہے جو اچھی خاصی وادی پرخار ثابت ہوتی ہے۔ ایم فل پروگرام مجموعی طور پر بھی سخت محنت طلب کام ہے اگرچہ Assisnments کی تیاری بھی شبانہ روز محنت کی متقاضی تھی۔تحریری امتحان اور ورکشاپ کے دوران بھی ایم فل پروگرام کی انفرادیت کا احساس ہوا لیکن سب سے بڑھ کر جاں فشانی کی ضرورت تکمیل مقالہ کے سلسلے میں پیش آئی۔سب سے پہلے تو موضوع مقالہ کا انتخاب ''کارے دارد'' والی بات ہے۔ خدا خدا کر کے یہ مرحلہ طے ہوا اور اوپن یونیورسٹی کی طرف سے ''علم الاقتصاد: تدوین ومقدمہ،ترتیب وتحشیہ'' کا موضوع منظور کرلیا گیا۔اس کے بعد اس موضوع پر کام کا آغاز کیا گیا۔ مذکورہ موضوع ابتدا میں مجھے بالکل بے معنی اور غیر دلچسپ نظر آ رہا تھا۔کافی عرصہ یہی سوچتی رہی کہ کیا اس موضوع پر کام کر کے میرے جذبۂ تحقیق کی تسکین ہو سکے گی؟ کتاب نہ صرف مصنف کی زندگی میں ہی چھپ چکی تھی بلکہ اس کے بعد بھی اقبال اکادمی: بالترتیب ۱۹۶۱ء، ۱۹۷۷ء،اور ۱۹۹۱ء میں تین مزید ایڈیشن بھی شائع کر چکی تھی۔جس میں ترتیب وتحشیہ کا کام انور اقبال قریشی کے ہاتھوں اور پیش لفظ ممتاز حسن کے ماہرانہ قلم سے رقم کیا جا چکا تھا اور مجھے اس موضوع پر تحقیق کر کے کوئی نیا انکشاف کرنے کی کوئی صورت نظر نہ آ رہی تھی۔ بہر حال ڈاکٹر وحید عشرت صاحب کی مشفقانہ رہنمائی میں کام کا آغاز کیا تو آہستہ آہستہ دھند چھٹنی شروع ہوئی اور وہ کام جو ابتدا میں انتہائی بے دلی سے شروع کیا گیا تھا آگے چل کر خاصا دلچسپ ثابت ہوا۔

اگرچہ کام کا آغاز میں ہی خاصے صبر آزما مراحل سے گزرنا پڑا تاہم' کمر ہمت باندھ لیں تو مشکلیں آسان' ہو جایا کرتی ہیں۔علم الاقتصاد کی اوّلین اشاعت کا حصول بجائے خود اہم ترین مرحلہ تھا اور یہ ایک امر مسلمہ ہے کہ تحقیق کی راہ میں ایسی رکاوٹوں سے سابقہ پڑنا ہمارے ملک میں ایک عام سی بات ہے۔اس مقالہ کی تکمیل کے سلسلے میں سینکڑوں کتابوں کو کھنگالنا پڑتا۔رسائل کا تو شمار ہی ناممکن ہے لیکن ان کتب کے حصول میں مجھے کوئی قابلِ ذکر دشواری پیش نہیں آئی۔ بہت سی مہربان شخصیات کی بدولت یہ کار دشوار سہل تر ہوتا چلا گیا لیکن علم الاقتصاد ۱۹۰۴ء کا ایڈیشن تلاش کرتے ہوئے جن دشواریوں سے دوچار ہونا پڑا ان کی تفصیل بیان کرنا بجائے خود ایک تکلیف دہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

امر ہے۔ جناب رفیع الدین ہاشمی صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ مذکورہ کتاب پنجاب یونیورسٹی کی مین لائبریری میں موجود ہے اور اس کی فوٹو کاپی بھی دستیاب ہوسکتی ہے حالانکہ میں وہاں سے قبل ازیں دوبارہ مایوس لوٹ چکی تھی۔ جناب الیاس برنی کی 'علم المعیشت' تو وہاں سے دستیاب ہوگئی لیکن علم الاقتصاد کے تمام دستیاب ایڈیشن، اقبال اکیڈمی کے شائع کردہ تھے۔

بہرحال دوبارہ وہاں رابطہ کرنے اور جناب لائبریرین صاحب کی پرزور سفارش پر وہاں ڈیوٹی پر موجود دو اصحاب نے از راہ نوازش اٹھ کر کیٹلاگ کا تفصیلی جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ کیٹلاگ میں کتاب کا اندراج موجود ہے لیکن مذکورہ نمبر کے تحت الماری میں تلاش کیا تو کتاب ندارد۔ وہاں سے مایوس لوٹے تو پنجاب پبلک لائبریری کا رُخ کیا کیونکہ لاہور کی قدیم ترین لائبریری ہونے کے ناطے امید تھی کہ علم الاقتصاد کا پہلا ایڈیشن ادھر ضرور موجود ہوگا ویسے بھی ممتاز حسن نے اپنے پیش لفظ میں پنجاب پبلک لائبریری میں مذکورہ نسخے کی موجودگی کا ذکر کیا تھا اور اسی کی عکسی نقل حاصل کر کے ۶۴ سال کے بعد دوبارہ کتاب کی اشاعت ممکن ہوسکتی تھی۔ وہاں جا کر ڈائریکٹر صاحب سے اپنا تعارف کروایا اور عرض مدعا بیان کیا تو انھوں نے بڑے حوصلہ افزا انداز میں لائبریرین سے رجوع کرنے کا حکم دیا جس نے بڑی خندہ پیشانی سے پوری بات سنی ہر طرح کے تعاون کا یقین دلایا اور پندرہ بیس منٹ کی تلاش کے بعد ایک الماری سے کتاب نکال کر حوالے کر دی اس وقت جہاں کتاب ملنے کی خوشی ہوئی وہاں اس بات کا افسوس بھی ہوا کہ اتنے دنوں سے ادھر اُدھر مارے مارے پھرنے کی بجائے پہلے ہی پنجاب پبلک لائبریری کا رخ کیا نہ کیا؟

لائبریرین سے کتاب سے استفادہ کی اجازت اور فوٹو کاپی فراہم کرنے کی استدعا کی۔ تو وہ بڑی رضامندی سے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کتاب لے کر لائبریری روم سے باہر چلی گئیں لیکن ۵ منٹ کے بعد واپس آ کر سرگوشی میں جنبش دیتے ہوئے کہا اس کے لیے ڈائریکٹر صاحب سے تحریری اجازت نامہ لے آیئے تاکہ آپ کو فوٹو کاپی کروا کر دی جا سکے۔ ناچار دوبارہ ڈائریکٹر صاحب کے آستانے پر حاضری دیے کر صورت حال بیان کی تو انھوں نے میری تحریر کردہ درخواست لائبریرین کے نام نوٹ لکھ دیا۔۔۔'' کیا کتاب اس قابل ہے کہ اس کی فوٹو کاپی کروائی جا سکے؟۔۔۔ جواباً لائبریرین نے منہ بناتے ہوئے "Not at all" کی تحریر ہمارے ہاتھ میں پکڑا دی۔ ناچار ایک بار پھر ڈائریکٹر صاحب کے پاس حاضر ہو کر پوری کتاب کی بجائے چند ایک صفحات کی فوٹو کاپی کی اجازت چاہی تو انھوں نے کمال مہربانی سے پہلے دس بارہ صفحات کی فوٹو

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کاپی کی اجازت دے دی چونکہ تحقیق کا بنیادی اصول ہی یہ ہے کہ کسی تصنیف پر کام کرتے ہوئے ہمیشہ اوّلین نسخہ کو بنیاد بنایا جائے۔اس مجبوری کے تحت کام کا آغاز کرنے سے پہلے بہرطور ۱۹۰۴ء کے ایڈیشن کا حصول ضروری تھا۔اب ذہن میں اقبال میوزیم کا خیال آیا کہ وہاں پر اوّلین ایڈیشن ضرور موجود ہونا چاہیے اور واقعی وہاں جناب مسعود حسن کھوکھر صاحب سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے وہ کتاب ملازم کو کہہ کر نکلوادی لیکن ساتھ ہی یہ پابندی بھی لگادی کہ میوزیم میں بیٹھ کر اس سے جو استفادہ کرنا چاہیں کرلیں۔کتاب ساتھ لے جانے یا فوٹو کاپی کروانے کی ہرگز اجازت نہیں کیونکہ یہ پبلک پراپرٹی ہے۔سو یہاں ایک بار پھر ناکامی کا سامنا کرنا پڑا اس کے بعد دوبارہ جدوجہد کا ایک طویل دور شروع ہوا گو ہر مقصود کیونکر حاصل ہوا یہ ایک طویل اور صبر آزما داستان ہے۔مختصراً اتنا عرض ہے کہ یہ کامیابی پنجاب یونیورسٹی اور پنجاب پبلک لائبریری دونوں ہی کی مرہون منت ہے۔دیگر کتب سے استفاد کے سلسلے میں اخوان پبلک لائبریری اور قائداعظم لائبریری کے علاوہ ایوانِ اقبال لائبریری بھی قابل ذکر ہے۔

اس موضوع پر کام کے آغاز میں ہی بہت سی گتھیاں سلجھانا پڑیں۔علم الاقتصاد کا پہلا ایڈیشن کس سن میں شائع ہوا؟علم الاقتصاد معاشیات کے موضوع پر اردو زبان میں لکھی جانے والی سب سے اوّلین تصنیف ہے؟ شاعرانہ ذہن رکھنے کے باوجود اقبال معاشیات کی طرف کیونکر متوجہ ہوئے اور علم الاقتصاد کے محرکات تصنیف کیا تھے؟ ان سب امور پر تحقیق کے دوران بہت سے دلچسپ پہلو بے نقاب ہوئے۔کچھ ماہرین کی ایسی غلطیاں بے نقاب ہوئیں جن کی توقع ان کی ذات سے ناممکن نظر آئی۔بہرحال تحقیق کی راہ دشوار پر قدم رکھنے کے بعد جہاں یہ احساس فزوں تر ہوگیا کہ یہ کوئی ہنسی،دل لگی نہیں بلکہ بہت ذمہ دارانہ فریضہ ہے وہاں یہ بھی تسلیم کرنا پڑا کہ انتخاب موضوع تحقیق کی منزل بھی خاصی کٹھن ہے اور اس کے لیے میں اپنے استادِ محترم جناب ڈاکٹر رحیم بخش شاہین صاحب کو خراجِ تحسین پیش کرتی ہوں جنھوں نے انتخاب موضوع مقالہ کے سلسلہ میں میری رہنمائی فرماتے ہوئے میری سوچ کو ایک نئی سمت عطا کی۔

میں جناب ڈاکٹر محمد ریاض صاحب مرحوم کو خراج عقیدت پیش کرنا بھی ضروری سمجھتی ہوں جنھوں نے ہمیشہ کی طرح اس سلسلے میں بھی میرا حوصلہ بڑھایا۔جناب ڈاکٹر وحید عشرت صاحب کی بھی ممنونِ احسان ہوں جنھوں نے میری خامیوں کو انتہائی شفقت سے دور فرما کر مقالہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا حوصلہ بخشا۔میری عین خوش نصیبی ہے کہ اس سلسلے میں جناب ڈاکٹر رفیع

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

الدین ہاشمی صاحب کی ماہرانہ رہنمائی بھی میسر رہی۔

حصول کتب کے سلسلے میں پنجاب یونیورسٹی کے محترم بھائی اکرم صاحب اور جناب حسن ناصر صاحب خصوصیت سے لائق صد تحسین ہیں جن کی مدد کے بغیر اس مقالہ کی تکمیل ناممکن نظر آ رہی تھی۔ اقبال اکیڈمی کے لائبریرین بھی میرے شکریے کے مستحق ہیں کیونکہ ہر موقع پر انھوں نے میری مدد فرمائی اور کبھی مایوس نہ کیا۔

عابدہ مبشر

اپریل ۱۹۹۶ء

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

مقدمہ

کسی مصنف کی تصنیف کو تدوین و ترتیب دینا، کسی کتاب کے پرانے ایڈیشن کو حواشی کے ساتھ نئی شکل دینا، کسی اہم مخطوطے کو مرتب کر کے عام استفادے کے لیے پیش کرنا بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ متن کی ترتیب و تدوین کوئی آسان کام نہیں۔ اس مقصد کے لیے پہلے اصل متن کو تلاش کرنا پڑتا ہے کیونکہ اس کے مختلف ایڈیشنوں میں متن کے بہت سے اختلافات ہو سکتے ہیں۔ ان تمام نسخوں کا تقابلی موازنہ کر کے دیکھنا پڑتا ہے کہ متن میں کہاں کوئی تبدیلی کی گئی ہے۔ نیز متن میں موجود ظاہری اور مکانی اغلاط اور طباعت کی غلطیوں کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ مصنف کی اصطلاحات تلمیحات و اشارات کی توضیح حواشی میں کی جاتی ہے حتیٰ کہ بعض اوقات تدوین متن کے ساتھ ترجمہ بھی کرنا پڑتا ہے تب جا کر تدوین و ترتیب کا حق ادا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس مقالہ کا موضوع پہلے پہل بہت مشکل محسوس ہوا لیکن چونکہ ہر مشکل کام کو چیلنج سمجھ کر قبول کرنا ہی ایک محقق کی شان ہے سو کمر ہمت باندھ کر آغاز کر دیا اور جوں جوں آگے بڑھنے کا موقع ملا موضوع سے دلچسپی سوا ہوتی گئی اور پہلے ولا تاثر عنقا ہو گیا۔

اہمیت موضوع:

تحقیق کسی فکر اور نظریہ کو از سر نو زندہ کرنے اور اسے نئے علمی تناظر میں جدید تحقیق و تدوین کے اصولوں پر یسیر الفہم بنانا ہے۔ پر محقق مسائل کو اپنے زاویہ نظر سے دیکھتا ہے۔ کچھ کے لیے مسئلے کی ایک جہت اور دوسرے کے لیے دوسری جہت دلچسپی کا باعث ہوتی ہے۔ زیر نظر مقالہ استاد محترم جناب ڈاکٹر رحیم بخش شاہین کی رہنمائی کا نتیجہ ہے لیکن ''علم الاقتصاد'' کے بارے میں محترم مشفق خواجہ کے چند الفاظ نے اس موضوع پر کام کرنے کے جذبے کو مزید تقویت بخشی اور اہمیت موضوع کا اندازہ ہو جانے کے بعد جذبہ شوق فزوں تر ہو گیا۔ مشفق خواجہ کہتے ہیں۔۔۔ ''حیرت ہے کہ اقبال کے نام پر اتنی اکیڈمیاں اور ادارے قائم ہیں لیکن کسی کو اس کتاب کی طرف توجہ کرنے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کی توفیق نہیں ہوئی اور یہ آج بھی پردۂ گمنامی میں ہے۔مشرق کے ایک عظیم شاعر کے اوّلین علمی کارنامے کی طرف سے یہ تغافل ایک سمجھ میں نہ آنے والی ات ہے[1]''۔مذکورہ تحریر نے جہاں موضوع کی اہمیت کا احساس دلایا وہاں سائنٹیفک انداز میں اصول تحقیق کی روشنی میں یہ بھی پرکھنے کا موقع ملا کہ مقالہ زیرنظر پر تحقیق کی گنجائش موجود ہے۔

انتخاب موضوع:

''علم الاقتصاد'' پر تحقیقی کام کا آغاز کرنے کی وجہ حقائق کی منظّم جمد آوری اور ازالہ اشتباھات کی ضرورت کا احساس ہے۔اقبال کی اس نثری تصنیف کی تدوین نو اور ایسے جدید ایڈیشن کی اشاعت کی اشد ضرورت ہے جو تدوین،طباعت اور صحت واستناد کے لحاظ سے بہترین اور معیاری ہو کیونکہ علم الاقتصاد میں اغلاط کی تعداد بہت زیادہ ہے اگرچہ بعد کے ایڈیشنوں میں تصحیح متن پر کام کیا گیا ہے لیکن اس کے باوجود اغلاط کی تعداد بہت کافی ہے طبع چہارم ۱۹۹۱ء صفحہ ۸۵ پر۔ ''اس کی نسل کا بقا ہی محال ہو جاتا'' صفحہ نمبر ۱۱۸ پر۔''ان کی از سر نو تیار کرنے میں عائید ہوں''۔ صفحہ نمبر ۱۳۴ پر۔''تجارت بین المما لک کو بین الما لک لکھا گیا ہے۔صفحہ نمبر ۲۵۶ پر نوع انسان کی بجائے نوحِ انسان لکھا گیا ہے۔وغیرہ وغیرہ۔۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ پوری تحقیق کے بعد متن میں قواعد زبان کے مطابق ضروری تبدیلی کی صراحت حاشیے میں کر دی جائے۔

اقبال نے جن مصنفین اور کتابوں سے استفادہ کیا ہے مکمل تحقیق کے بعد ان کی نشاندہی کی جائے مثلاً مارشل کی کتاب *Principls of Economics* واکر کی *Political Economy* اور مالتھس کی *An Essay on Principles of Population*، میں سے لیے گئے اقتباسات کا اصل متن بھی حاشیے میں درج کر دیا جائے۔

علم الاقتصاد کا املا قدیم ہونے کی بنا پر متروک ہو چکا ہے اس لیے جدید ایڈیشن میں متروک الفاظ اور دور حاضر میں مستعمل الفاظ کا ایک تقابلی گوشوارہ مرتب کر دیا جائے۔

اصطلاحات معاشیات کی توضیح کے لیے جامع مگر مختصر تعلیمات کا اضافہ کیا جائے۔اس امر کی تصریح بھی ضروری ہے کہ علم الاقتصاد کب، کیوں اور کن حالات میں لکھی گئی اور اس کی اوّلین اشاعت کب عمل میں آئی تا کہ اس کتاب کے بارے میں مستند بنیادی معلومات اور اس کا مکمل پس

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

منظر سامنے آ جائے۔انہی حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے اس موضوع کا انتخاب کیا گیا اور علم الاقتصاد کے بارے یہ سب تحقیق مقالہ کے آغاز میں بطور مقدمہ شامل کر دی گئی ہے البتہ تعلیقات متن کے ساتھ ہر صفحے پر درج ہیں۔ جہاں حاشیہ جات زیادہ طویل ہو گئے ہیں وہاں مزید صفحات کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔

تعارف مقالہ:

تعارف مقالہ کے سلسلے میں چند مذید باتیں قابلِ ذکر ہیں۔مثلاً ۔۔صحت متن کے سلسلے میں۔

۱۔ بہترین نسخے کو مقالہ کی بنیاد قرار دیا گیا ہے یعنی ۱۹۰۴ء کی اشاعت۔

۲۔ متن کے مختلف نسخوں کے تقابلی مطالعہ کا گراف مقالہ ھذا میں شامل ہے۔

۳۔ متن میں ظاہری اغلاط اور طباعت کی غلطیوں کی نشاندہی صفحہ وار کرنے کی بجائے صفحہ نمبر دیکر ایک ہی جگہ کر دی گئی ہے

۴۔ مصنف کے حوالہ جاتی مصادر کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔

۵۔ اقبال نے علم الاقتصاد میں جن مصنفین سے استفادہ کیا ہے کی تحقیق کر کے ایک صفحے پر ان کی وضاحت کر دی گئی ہے۔

حاشیہ نگاری کے سلسلے میں

حاشیہ نگاری کے اصولوں کو مدنظر رکھ کر قابلِ تصریح مقامات کی تشریح و توضیح کے لیے حاشیہ نگاری کی گئی ہے۔

۱۔ ترجمہ شدہ پیراگراف کا اصل متن درج کرنے کے لیے

۲۔ قابل توضیح اصطلاحات کی وضاحت کے لیے

۳۔ اقبال کی وضع کردہ معاشی اصطلاحات اور ان کے جدید مترادفات کے موازانہ کے لیے۔

۴۔ تاریخی شخصیات کو متعارف کرانے کے لیے

۵۔ کلامِ اقبال سے وضاحت کے لیے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ماخذ کی نشاندہی کے سلسلے میں

۱۔ ہر باب کے لیے علیحدہ نمبروں کے ساتھ حوالہ جات کی فہرست۔
۲۔ آخر میں کتابیات مرتب کی گئی ہے۔

اقبال کی اردو نثر:

اقبال عام طور پر ایک اچھے شاعر کے طور پر ہی جانے جاتے ہیں۔ بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ اقبال صرف اچھے شاعر ہی نہیں بہت اچھے نثر نگار بھی تھے اور ان کی نثر بھی اتنی ہی متاثر کن ہے جتنی کہ شاعری۔ اقبال کی نثر نگاری کا سلسلہ ۱۹۰۲ء سے شروع ہوتا ہے جب وہ گورنمنٹ کالج لاہور میں معلّمی کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ کچھ نثر پارے مخزن میں بھی شائع ہوتے رہے کچھ علیحدہ کتابی شکل میں شائع ہوئے۔ علم الاقتصاد کا شمار بھی انہی نثر پاروں میں ہوتا ہے۔ ''اردو شعرا کی عام روش کے برعکس اقبال نے نثر میں بھی کئی بلند پایہ تصانیف چھوڑی ہیں یہی وجہ ہے کہ اقبال کی نثر ان کے کلام سے کم اہم نہیں ۲''۔ ''اقبال اگر شاعری نہ کرتے اور نثر ہی لکھتے تو بھی وہ اردو نثر میں مرزا غالب کی مانند ایک دل بستان یادگار چھوڑ جاتے ۳''۔

علم الاقتصاد اقبال کی اوّلین نثری کاوش:

اگرچہ علمی و ادبی دنیا میں اقبال کی شہرت کو بقائے دوام تو ان کے اشعار اور فلسفیانہ موضوعات پر بعض نثری کتب کی اشاعت کے بعد میسر آیا لیکن اس شہرت کی راہ ہموار کرنے میں ''علم الاقتصاد'' نے بنیادی کردار ادا کیا۔ ''خود ماہرین معاشیات نے بھی اس کتاب کی اہمیت کو واضح کیا ہے اور اس کو معاشیات کی اہم کتاب قرار دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ اردو زبان میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے جس کو بیسویں صدی کی علمی نثر کا اعلیٰ نمونہ کہا جا سکتا ہے''۔ یہی وہ تصنیف ہے جس کی بدولت اقبال پہلی بار مصنفین کی صف میں شامل ہوئے۔

علم الاقتصاد کا علمی پس منظر

ایم اے کرنے کے بعد ۱۳ مئی ۱۸۹۹ء کو اقبال اورینٹل کالج لاہور میں میکلوڈ عربک ریڈر مقرر ہوئے۔ ''ریڈر شپ کے فرائض منصبی میں تاریخ اور پولیٹیکل اکانومی کی تدریس کے علاوہ انگریزی یا ادبی تصانیف کا اردو ترجمہ بھی شامل تھا۔ اس طرح ایک طرف تو وہ اقتصادیات پر درس

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

دیتے رہے دوسری طرف انھوں نے فرانسس واکر کی کتاب *Political Economy* کا ملخص اردو ترجمہ بھی کیا۔ ''علم الاقتصاد'' انہی مشاغل کے پس منظر میں لکھی گئی ۵''۔

علم الاقتصاد کا علمی وفنی تعارف

اقبال کے فکری رجحانات کی عکاسی کرنے والے نثر پاروں میں ''علم الاقتصاد'' وہ تصنیف ہے جو شاعر مشرق کی تخلیقات ذہنی کا اوّلین نقش ہے۔ یہ کتاب اقبال کی بالغ نظری اور معاشی معاملات کی ماہرانہ سوجھ بوجھ کا مظہر ہے۔ یہ کتاب اقبال کے استاد فلسفہ ڈبلیو بیل ڈائریکٹر محکمہ تعلیم پنجاب کے نام منسوب ہے۔ اقبال کی یہ تصنیف اقبال کی زندگی میں ہی چھپ گئی تھی۔ اس کی طباعت پیسہ اخبار کے خادم التعلیم پریس لاہور سے ہوئی۔ متن کی کتابت درمیانہ قلم سے ہے البتہ حواشی نسبتاً باریک قلم سے رقم کئے گئے ہیں۔ صفحات کی کل تعداد ۲۱۶ ہے۔ کتاب کا سائز ساڑھے آٹھ/ساڑھے پانچ انچ ہے۔ سرورق پر تاریخ اشاعت درج نہیں ہے۔ پیش کش ص ا پر ہے۔ فہرست مضامین ص ۲ پر جبکہ دیباچہ ص ۴ پر درج ہے۔ کتاب کا متن ص ۸ سے شروع ہوتا ہے اور ص ۲۱۶ پر ختم ہو جاتا ہے۔ متن میں کئی مقامات پر عبارت کو نمایاں کرنے کے لیے ان کے نیچے خط کھینچ دیا گیا ہے۔ مثلاً ص ۶۷، ۶۸، ۸۱، ۸۲، ۸۷، ۸۸، ۹۵، ۱۰۲، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۸ وغیرہ۔

عہد شباب کی تصنیف اور علمی کاوش کا پہلا ثمر ہونے کے باوجود یہ تصنیف ایسا گہرا تفکر لیے ہوئے ہے۔ ایسا مدلل اسلوبِ بیان اور جدتِ فکر کی حامل ہے کہ اس تصنیف کے مطالعے سے مستقبل کے اقبال کی جھلک بخوبی دیکھی جا سکتی ہے۔

علم الاقتصاد کی وجہ تصنیف اور محرک:

اقبال جیسے مایۂ ناز شاعر کی علمی کاوشوں کا اولین ثمر ایک نثری کتاب ہے۔ اور وہ بھی معاشیات جیسے خشک موضوع پر۔۔ اقبال کا شاعرانہ ذہن اس تصنیف کی طرف کیونکر مائل ہوا؟ علم الاقتصاد کی وجہ تصنیف اور محرکات کے بارے میں مختلف مصنفین نے مختلف آراء کا اظہار کیا ہے۔

غلام حسین ذوالفقار نے اسے افرائضِ منصبی کا حصہ قرار دیا ہے،۔۔۔ نذیر نیازی نے اس کے آرنلڈ کی تحریک اور ٹیکسٹ بک کمیٹی کے ایما پر لکھے جانے کا ذکر کیا ہے ۷۔۔۔ مشفق خواجہ نے اسے اقبال کی معاشیات سے گہری دلچسپی کا نتیجہ گردانا ہے ۸۔ رفیع الدین ہاشمی نے اسے آرنلڈ کی تحریک، اقتصادیات کا تازہ مطالعہ اور منصبی کارکردگی میں شمار ہونے کا شاخسانہ بتایا ہے ۹۔۔۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ڈاکٹر عبادت بریلوی نے معاشیات کی اہمیت کو روشناس کرانے کے جذبے کو وجہ تصنیف قرار دیا ہے[۱۰]۔ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی کے خیال میں اہل وطن کے افلاس وغربت کا شدید احساس اس تصنیف کا محرک بنا[۱۱]۔۔۔

اگر چہ تمام مذکورہ بیانات مبنی برحقائق ہیں لیکن کسی ایک وجہ کی بجائے مذکورہ تمام وجوہات علم الاقتصاد کی تصنیف کا محرک ثابت ہوئیں۔۔۔میکوڈ ریڈر کی حیثیت سے بہتر کارکردگی کا اظہار ۔۔۔تخلیقی صلاحیتوں کا اظہار۔۔۔معاشیات کے مضمون سے قدرتی دلچسپی اور تدریس معاشیات کا اثر۔۔۔مسلمانوں کی معاشی پسماندگی کو دور کرنے کی خواہش اور مسلمانوں کو معاشیات سے روشناس کرانے کا جذبہ۔۔۔آرنلڈ کی تحریک اور اصرار۔۔۔ٹیکسٹ بک کمیٹی کی تحریک۔۔۔ غرض مذکورہ تمام وجوہات علم الاقتصاد کی تصنیف کے لیے محرک ثابت ہوئیں۔ دیباچہ علم الاقتصاد کا بغور مطالعہ اس حقیقت کا مظہر ہے کہ اہل وطن کے افلاس وغربت کو دور کرنے اور ہندوستانیوں خصوصاً مسلمانانِ ہند کو معاشیات کے علم سے روشناس کرانے کا جذبہ اس تصنیف کا محرکِ خاص تھا اور اسے اردو میں تصنیف کرنے کی بنیادی وجہ بھی یہی تھی[۱۲]۔

علم الاقتصاد کا اصل مسودہ:

اگر چہ عام تاثر یہ ہے اقبال نے علم الاقتصاد کا اصل مسودہ عطیہ بیگم کو دے دیا تھا اور ان سے وہ مسودہ آرنلڈ نے مانگ کر محفوظ کر لیا اس تاثر کی وجہ عطیہ بیگم کا اپنا بیان ہے۔۔۔''دوسرے دن اقبال نے مجھے اپنی پولیٹیکل اکانومی کا اصل مسودہ تحفہ کے طور پر دیا اور ساتھ ہی وہ مقالہ بھی جس پر انہیں ڈگری ملی تھی[۱۳]۔۔۔یہ واقعہ ۱۶/جولائی ۱۹۰۷ء کا ہے لیکن اقبال کے خط محررہ ۲۴/اپریل ۱۹۰۷ء کے مطابق۔۔۔''خیال تھا کہ اپنی اردو کتاب علم الاقتصاد بھی پیش کرتا افسوس ہے میرے پاس یہاں کوئی نسخہ موجود نہیں۔ ہندوستان سے اس کا حاصل کرنا چنداں مشکل نہیں۔اس ہفتے اس کے لیے لکھوں گا[۱۴]۔۔۔''یعنی اقبال اصل مسودہ بجائے علم الاقتصاد کا مطبوعہ نسخہ پیش کرنا چاہتے تھے۔عروجِ اقبال کے مصنف نے بھی اسی امکان کے پیشِ نظر اصل مسودہ کی پیش کش کو عطیہ بیگم کا اندازِ بیان قرار دیا ہے[۱۵]۔ ویسے بھی یہ بات قرین قیاس نہیں کہ اقبال مطبوعہ کتاب کے نسخے ساتھ پہنچانے کی بجائے صرف مسودہ ساتھ گئے اور وہ عطیہ بیگم کو بطور تحفہ دے دیا۔اگر عطیہ کے بیان کے مطابق آرنلڈ نے وہ مسودہ ان سے مانگ کر رکھ لیا تو وہ مسودہ کہاں گیا؟ سعید اختر درانی سے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ایوانِ اقبال میں ۲۴ر دسمبر ۱۹۹۵ء کو ملاقات کے دوران یہی موضوع زیر بحث آیا تو انہیں بھی اس سلسلے میں مشکوک پایا۔ آرنلڈ کے ورثا مسودہ کی عدم دستیابی ظاہر کرتی ہے کہ یہ محض عطیہ بیگم کی داستان طرازی تھی۔

علم الاقتصاد کا سن اشاعت:

علم الاقتصاد دسمبر ۱۹۰۴ء میں شائع ہوئی۔ اورینٹل کالج کی سالانہ رپورٹ ۱۹۱۶ء، ۱۹۰۲ء۔ ۱۹۰۱ء کے مندرجات کے مطابق ۔۔ ''شیخ محمد اقبال پولیٹیکل اکانومی پر ایک نئی کتاب تیار کر رہے ہیں[۱۶]۔ سے ظاہر ہوتا ہے کہ کتاب کی تکمیل میں دو سے تین سال تک صرف ہوئے کیونکہ دسمبر ۱۹۰۴ء میں کتاب چھپ کر مارکیٹ میں آ چکی تھی۔ چونکہ علم الاقتصاد کے تین ایڈیشن پر سن اشاعت درج نہیں اس لیے اس سلسلے میں ابہام پیدا ہونا فطری امر تھا یہی وجہ ہے کہ اقبال کی اس تصنیف کے سن اشاعت کے سلسلے میں متضاد بیانات دیکھنے میں آتے ہیں اسے ۱۹۰۰ء سے لیکر ۱۹۰۵ء تک کے سالوں کی تصنیف قرار دیا جاتا ہے۔ ذیل میں علیحدہ علیحدہ فرق ظاہر کرتے ہیں کہ ممتاز اہلِ قلم اس تصنیف کو کس سال کی اشاعت قرار دیتے ہیں۔

۱۹۰۰ء کو سال اشاعت قرار دینے والے مصنفین:

۱۔ عطااللہ شیخ، اقبالنامہ مجموعہ مکاتیب اقبال، لاہور، شیخ اشرف، ج دوم، ص ۳۳۔

۱۹۰۱ء کو سالِ اشاعت قرار دینے والے مصنفین:

۱۔ احمد میاں اختر قاضی جوناگڑھی، اقبالیات کا تنقیدی جائزہ، کراچی، اقبال اکادمی، ۱۹۵۵ء، ص ۱۴۔

۲۔ افتخار حسین شاہ سید، اقبال اور پیروی شبلی، ص ۱۳۹۔

۳۔ محمد حامد، افکارِ اقبال، ص ۲۳۴۔

۱۹۰۳ء کو سالِ اشاعت قرار دینے والے مصنفین:

۱۔ افتخار احمد صدیقی، عروجِ اقبال، ص ۱۷۸۔

۲۔ رفیع الدین ہاشمی، کتابیاتِ اقبال، ص ۱۶۔

۳۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر، اقبال کی اردو نثر، ص ۷۳۔

۴۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، اقبال سب کے لیے، ص ۳۸۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

۵۔ محی الدین زور قادری، ڈاکٹر، شاداقبال، ص ۴۱۔
۶۔ مرزا امجد علی بیگ، ڈاکٹر، مقالہ، اقبال اور اقتصادیات مشمولہ نقوش اقبال نمبر، ص ۳۶۲۔

۱۹۰۴ء کو سالِ اشاعت قرار دینے والے مصنفین:

۱۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، زندہ رود، ص ۸۷۔
۲۔ رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ، ص ۲۹۰۔
۳۔ صدیق جاوید، ڈاکٹر، (علم الاقتصاد، ایک عمرانی مطالعہ)، انتخاب مقالات۔ اقبالیات، ص ۸۱
۴۔ غلام حسین ذوالفقار، مطالعہ اقبال، ص ۲۷۔
۵۔ محمد ریاض، ڈاکٹر، جاوید نامہ تحقیق و توضیح، ص ۱۰۔

۱۹۰۵ء کو سالِ اشاعت قرار دینے والے مصنفین:

۱۔ الیاس برنی، علم المعشیت، ص ۱۱۔
۲۔ محمد احمد سبزواری، رسالہ معاشیات اکتوبر ۱۹۵۳ء، کراچی، ص ۴۴۶۔

یہ تفصیلی معلومات فراہم کرنے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ چونکہ اقبال نے خود اس تصنیف کو کوئی بہت اہمیت نہ دی اس لیے زیادہ تر معاصرین نے ابھی اس کتاب کو دیکھے بغیر اس پر تبصرہ کر دیا جس نے سرسری اندازہ سے دیکھا سرورق پر سال اشاعت درج نہ ہونے کی بنا پر اسے بھی قیافہ شناسی سے کام لینا پڑا شاید یہی وجہ ہے کہ اکثر مصنفین نے کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے تاریخ اشاعت کا ذکر ہی نہیں کیا۔

سال اشاعت درج نہ کرنے والے مصنفین:

۱۔ بشیر احمد ڈار، انوارِ اقبال، ص ۸۱۔
۲۔ عبدالسلام خورشید، ڈاکٹر، سرگذشتِ اقبال، ص ۴۴، ۴۳۔
۳۔ عبدالسلام ندوی، سید، اقبال کامل، ص ۹۴۔
۴۔ عبدالمجید سالک، ذکر اقبال، ص ۴۲۔
۵۔ محمد الدین فوق، منشی، تذکار اقبال، ص ۸۵۔
۶۔ نذیر نیازی، سید، دانائے راز، ص ۱۱۵۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

حالانکہ اگر علم الاقتصاد کی تاریخ اشاعت کا پتہ لگانے میں دلچسپی لی جاتی تو یہ ایسا کوئی مشکل امر نہ تھا جس دور میں اقبال گورنمنٹ کالج، لاہور میں درس وتدریس کے مشاغل میں مصروف تھے اسی دور (۱۹۰۱ء) میں شیخ عبدالقادر کا مائیہ ناز رسالہ ''مخزن'' جاری ہوا جو اپنے وقت کی مائیہ ناز ہستیوں کے شاہکار نظم ونثر کا متلاشی رہتا، خصوصاً اقبال کے افکارِ نظم ونثر تو اس رسالے کے لیے فرمائش کر کے حاصل کیے جاتے تھے۔ اس دور کی کوئی نظم۔ غزل یا نثر پارہ ایسا نہیں جس کو مخزن میں جگہ نہ دی گئی ہو۔

اپریل ۱۹۰۴ء کے مخزن صفحہ نمبر ۵ پر علم الاقتصاد میں شامل آخری باب 'آبادی' ایک مضمون کی حیثیت سے شامل کیا گیا اور خود شیخ عبدالقادر کے قلم سے علم الاقتصاد کے بارے میں تعارفی نوٹ بھی موجود ہے جس کے آخر میں صریح الفاظ میں 'کتاب زیرِ طبع ہے' کے الفاظ درج ہیں۔ اس کے بعد مئی سے اکتوبر تک کے مخزن میں اقبال کا کوئی نہ کوئی فن پارہ شامل رہا لیکن علم الاقتصاد کے بارے میں کچھ رقم نہیں کیا گیا۔ نومبر اور دسمبر کے شماروں میں اقبال کی کوئی تحریر شامل نہیں البتہ دسمبر ۱۹۰۴ء کے شمارے کے آخری صفحہ پر ایک اشتہار چھاپا گیا ہے جو 'علم الاقتصاد' کے چھپ کر تیار ہو جانے کا مژدہ دیتا ہے۔ اس تصریح کے بعد کوئی ابہام باقی نہیں رہتا۔

علم الاقتصاد کا اسلوبِ بیان:

علامہ کی پہلی تصنیف علم الاقتصاد ایک فنی کتاب ہونے کی وجہ سے ادبی چٹخاروں اور شوخیوں سے خالی ہے مگر اس فن پر اردو زبان میں پہلی کتاب ہونے کی وجہ سے ایک منفرد حیثیت کی حامل ہے۔ یہ اپنے اندر نہ صرف معلومات کے اعتبار سے وسعت و ہمہ گیری رکھتی ہے بلکہ زبان و بیان اور اسلوب کے اعتبار سے بھی منفرد نظر آتی ہے کیونکہ جس زمانے میں یہ کتاب تصنیف کی گئی اس قسم کی نثر لکھنے کا رواج عام نہ تھا لیکن اس کتاب میں اقبال نے عام فہم، آسان اور سادہ لیکن عملی زبان میں اقتصادیات کے تمام پہلوؤں کو بڑی روانی سے پیش کیا ہے۔۔۔ ''اگرچہ ایسے موضوعات میں ادبیت تو پیدا نہیں ہوسکتی لیکن آسان اور عام فہم زبان میں اس قسم کے علمی موضوعات کو پیش کر دینا ہی ایک بہت بڑا علمی کارنامہ ہے اور اقبال نے یہ کارنامہ بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا ہے[۱۷]۔ ڈاکٹر خواجہ امجد سعید علم الاقتصاد کے اسلوبِ بیان کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔۔۔

> Credit goes to Iqbal that he introduced the subjict in as simple language as possible.18

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اس میں کوئی شک نہیں کہ زبان و بیان کے اعتبار سے یہ کتاب بہت صاف ستھری ہے، معاشی مسائل بہت خوش اسلوبی سے اور بہت آسان زبان میں بیان کیے گئے ہیں کہیں کہیں جملوں کی تراش خراش میں ناپختگی نظر آتی ہے اس کی وجہ غالباً یہی ہے کہ ان دنوں اردو زبان میں معاشیات کے مسائل بیان کرنا آسان کام نہ تھا۔ بعض جگہوں پر ایسا اسلوبِ بیان اختیار کیا گیا ہے جو نامانوس معلوم ہوتا ہے مثلاً۔۔۔تم جانتے ہو ص ۹۶۔۔۔تم کو معلوم ہے کہ ص ۱۳۲۔۔۔اس کی عدم اجراء، ص ۱۳۹۔۔۔اپنی بنک جاری کرتی ہے۔ ص ۱۴۰۔۔۔بی بی کی خواہش فطری تقاضا ہے۔ ص ۲۱۳۔۔۔آرام و آسائش کی مخل، ص ۲۱۰۔۔۔وغیرہ، چند ایک معمولی خامیوں کے علاوہ۔ ''علم الاقتصاد کا بیان بڑا سلجھا ہوا، صاف اور سلیس ہے اور زبان سرتاسر علمی [۱۹]۔۔۔'' حقائق علمی کی وضاحت کے لیے نہایت موزوں، متین اور سنجیدہ اسلوبِ تحریر اختیار کیا گیا ہے لیکن علمی استدلال اور عقل اندازِ بحث کی شعوری کوشش کے باوجود کہیں کہیں ان کے دردمند دل کے جذبات ظاہر ہو جاتے ہیں''[۲۰]۔۔۔کتاب کا دیباچہ اس حقیقت کا واضع عکاس ہے۔۔۔'' آیا مفلسی بھی نظم عالم میں ایک ضروری جزو ہے؟ کیا ممکن نہیں کہ ہر فرد مفلسی کے دُکھ سے آزاد ہو؟'' جیسے فقرات اقبال کے جذباتِ قلبی کے عکاس ہیں۔ علم الاقتصاد کی کتابت و انداز تحریر اگرچہ خوبصورت ہے لیکن بہت سے الفاظ قدیم انداز میں لکھے گئے ہیں۔ اب یہ طرز املا متروک ہو چکا ہے مثلاً سے، پہونچ، فلان، تبادلی، ابہی، تھون وغیرہ۔

دیباچہ علم الاقتصاد کی اہمیت:

جہاں علم الاقتصاد ایک خاص علمی مرتبے کی حامل ہے وہاں دیباچہ علم الاقتصاد بھی کئی وجوہ سے بہت اہم ہے یہ دیباچہ اقبال کے جذباتِ قلبی، غربت و افلاس کو دور کرنے کے لیے ان کی دلی خواہش اور داخلی محرکات کی عکاسی بہت خوبصورتی سے کرتا ہے۔ درج ذیل حقائق اس دیباچہ کی اہمیت کو ظاہر کرتے ہیں:

۱۔ اس میں معاشیات کی تعریف بیان کی گئی ہے۔
۲۔ برصغیر کے لوگوں کے لیے اس کے مطالعے کی ضرورت کا احساس دلایا گیا ہے۔
۳۔ انگریزی کتب کا براہِ راست ترجمہ یا چربہ نہ ہونے کی وضاحت کی گئی ہے۔
۴۔ متین اندازِ تحریر جو انگریزی علمی کتابوں کا خاصا ہے کہ اختیار کرنے کا ذکر کیا ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

۵۔اصطلاحات کے ماخذ بیان کیے ہیں۔
۶۔تصنیف کے محرک کا تذکرہ کیا ہے۔
۷۔شبلی کی اصلاح کا شکریہ ادا کیا ہے۔
۸۔فضل حسین اور لالہ جیارام کی کتب سے استفادہ کا اعتراف کیا ہے۔

عہدِ اقبال میں علم الاقتصاد کی علمی اہمیت:

علم الاقتصاد کی علمی اہمیت میں سب سے پہلا نکتہ یہ ہے کہ یہ اقبال کی اوّلین کاوشِ علمی ہے اور دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ یہ اردو میں پہلی مستند اور جامع کتابِ معاشیات ہے۔علم الاقتصاد کے اوّلین علمی کاوش ہونے میں تو کس کو کلام ہے نہ شک لیکن اردو زبان میں پہلی کتابِ معاشیات ہونے پر متضاد آرا پائی جاتی ہیں۔بے شمار کتب کے مطالعے سے ظاہر ہوا ہے کہ الیاس برنی، مشفق خواجہ اور رفیع الدین ہاشمی کے علاوہ تقریباً ہر ایک نے اقبال کی علم الاقتصاد کو ''معاشیات'' پر اردو میں پہلی کتاب، قرار دیا ہے۔'علم الاقتصاد' اردو میں معاشیات پر پہلی کتاب ہے۔سطورِ ذیل اس بیان کی تصدیق کرنے کے لیے کافی ہیں۔

اقبال نے ۱۹۰۰ء میں علم الاقتصاد کے نام سے اردو میں اکنامکس پر سب سے پہلے کتاب تیار کی[۲۱]۔

اقبال کے فکری رجحانات کا جائزہ ان کی بعض نثری تحریروں بالخصوص ان کی اوّلین تصنیف علم الاقتصاد کے حوالے کے بغیر نامکمل رہے گا[۲۲]۔

علم الاقتصاد اقبال کی پہلی نثری تالیف ہے۔حقیقت یہ ہے کہ اردو زبان میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے[۲۳]۔

ان کی سب سے پہلی کتاب جو شائع ہوئی وہ نثر میں علم الاقتصاد پر ہے اور اس موضوع پر اردو میں یہ سب سے پہلی کتاب ہے[۲۴]۔

علامہ نے یہ کتاب ۱۹۰۱ء میں تحریر کی اس وقت تک اس میدان میں کسی مسلمان معیشت دان نے کام نہیں کیا تھا اس کے بعد لکھی جانے والی کتب الیاس برنی کی علم المعیشت تھی جو انجمن ترقی اردو کی جانب سے ۱۹۱۶ء میں چھپی اس طرح علامہ کو اردو زبان میں معاشیات پر سب سے پہلا مصنف قرار دیا جاسکتا ہے[۲۵]۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

علامہ ممدوح نے سب سے پہلے اردو زبان میں علم الاقتصاد کے نام سے ایک کتاب لکھی جو آج کل نایاب ہے[۲۶]

ڈاکٹر خواجہ امجد سعید نے بھی اردو لٹریچر کی ہسٹری میں پہلی بار معاشی اصطلاحات کو اردو میں پیش کرنے کا سہرا اقبال کے سر باندھا ہے[۲۷]۔

علم الاقتصاد معاشیات کے موضوع پر اقبال کی پہلی تصنیف ہے اور اتفاق سے اردو میں اس مضمون کی پہلی کتاب بھی ہے[۲۸]۔ یہ اور اس قسم کے بے شمار بیانات نظر سے گزرتے ہیں جن میں علم الاقتصاد کو اردو زبان میں اکنامکس پر پہلی کتاب قرار دیا جاتا ہے لیکن جدید ترین تحقیق کے مطابق یہ بیان درست نہیں۔ ترجمے کی شکل میں معاشیات کو سب سے پہلے اردو زبان میں پیش کرنے کا سہرا پنڈت دھرم نارائن کے سر بندھتا ہے جنھوں نے دہلی کالج کے سینئر سکالر کی حیثیت سے فرانس وے لینڈ کی کتاب *Elements of Political Economy* کا اردو ترجمہ ''اصول علم انتظام مدن''[۲۹] کے نام سے کیا۔ یہ کتاب ۱۸۴۵ء میں دہلی کالج کی زیر سرپرستی چھپی۔ جبکہ طبفراد کتاب کی شکل میں علم معاشیات پر پہلی تصنیف بنام ''رسالہ علم انتظام مدن'' محمد منصور شاہ خاں اور محمد سعود شاہ خاں نے لکھی[۳۰]۔

اگلے صفحہ پر ایک گراف دیا جا رہا ہے جو علم الاقتصاد سے قبل شائع شدہ تراجم و کتب کے بارے میں تفصیلات مہیا کرتا ہے۔ اس گوشوارے کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ مذکورہ تمام کتب کم و بیش تراجم ہی شمار ہوتے ہیں بنظر غائر دیکھا جائے تو علم الاقتصاد ہی پہلی مستند اور جامع کتب کی حیثیت سے منظر عام پر آئی اور اس کے ۱۲ سال بعد علم المعیشت شائع ہوئی۔ اس کی تصدیق خود اقبال کے بیان سے ہوتی ہے۔ کشن پرشاد کو ایک خط میں لکھتے ہیں۔۔۔ ''تصنیف و تالیف کا سلسلہ ایک عرصے سے جاری ہے۔ علم الاقتصاد پر سب سے پہلی مستند ☆ کتاب میں نے لکھی ہے''[۳۱]۔ مشفق خواجہ نے بھی جہاں علم الاقتصاد کے اردو میں پہلی کتاب ہونے کی تردید کی ہے وہاں یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ۔۔۔ '' یہ درست ہے کہ یہ پہلی معیاری اور جامع کتاب ہے''[۳۲]۔ اس لحاظ سے علم الاقتصاد اس زمانے کی بے حد اہمیت کی حامل کتب شمار ہوتی ہے جو اس حقیقت کی واضح طور پر عکاس ہے کہ اقبال کے ذہن میں شروع ہی سے اہل وطن خصوصاً مسلمانوں کی معاشی خوشحالی کی آرزو موجزن تھی۔ علم الاقتصاد ۱۹۰۷ء تک مارکیٹ میں دستیاب تھی[۳۳]۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

علم الاقتصاد سے پہلے اردو میں علم معاشیات پر چھپنے والے تراجم و کتب:

نام کتاب	نام مصنف	نام مترجم	ترجمہ شدہ کتاب کا نام	ناشر	سن اشاعت
Element of Political Economy	فرانسس وے لینڈ	پنڈت دھرم نارائن	اصول علم انتظامِ مدن	انجمن اشاعت علوم بذریعہ السنۂ ملکی	۱۸۴۵ء
تین چار کتب سے استفادہ کیا ہے					
Political Economy	جمیس سٹوارٹ مل	۱☆محمد منصور شاہ خاں محمد مسعود شاہ خاں	رسالہ علم انتظامِ مدن	مطبع مرتضوی دہلی	ماقبل ۱۸۵۷ء
Political Economy	این ولیم سینیئر	بابو رام کلی چوہدری رائے شنکر داس	رسالہ علم انتظامِ مدن	سائنٹفک سوسائٹی علی گڑھ	۱۸۶۵ء
Political Economy	جمیس سٹوارٹ مل	پنڈت دھرم نارائن	اصول سیاست مدن	سائنٹفک سوسائٹی علی گڑھ	۱۸۶۹ء
کتاب کا نام نہیں دیا	۲☆جان پارک لیڈلی	مترجم کا نام نامعلوم	دستور المعاش	گورنمنٹ پریس الہ آباد	۱۸۷۳ء
Primer of Political Economy	پروفیسر جیونس	شمس العلما مولوی ذکا اللہ صاحب	کیمیائے دولت	مطبع مجتبائی دہلی	۱۹۰۰ء

یہ گوشوارہ ظاہر کرتا ہے کہ سوائے نمبر۲ کتاب ''رسالہ علم انتظام مدن'' کے باقی تمام کتب انگریزی کتابوں کا براہ راست ترجمہ ہیں۔صرف نمبر۲ کتاب ہی کسی حد تک آزادانہ غور و فکر کا نتیجہ ہے۔ یعنی علم الاقتصاد سے پہلے ترجمہ کے علاوہ کوئی خاص قابلِ ذکر کام نہیں ہوا کیونکہ ''رسالہ علم انتظام مدن'' کو بھی زیادہ تر جمے ایس مل کی کتاب کا بلا واسطہ ترجمہ کہہ سکتے ہیں[۳۴]۔

علم الاقتصاد کی اہمیت خود اقبال کی نظر میں:

اقبال نے اپنی اس تصنیف کو بہت زیادہ اہمیت نہیں دی حتیٰ کہ باقی کتب کی اشاعت ان کی زندگی میں ہی ایک سے زیادہ مرتبہ ہوئی لیکن اقبال نے علم الاقتصاد کو ۱۹۰۴ء کے بعد دوبارہ شائع کرانے کی زحمت نہ کی۔خود اقبال نے بھی صرف دو ہی جگہ اس کا تذکرہ کیا ہے۔۔۔ایک بار سر کشن پرشاد کے نام خط میں۔۔۔(جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اقبال اپنی اس تصنیف کے مستند ہونے پر فخر محسوس کرتے تھے[۳۵]) اور دوسری بار عطیہ بیگم کے نام خط[۳۶] میں اس کا ایک نسخہ بھیجنے کے خیال کا ذکر کیا ہے۔۔۔''بعد میں اقبال نے خود بھی اس کتاب کو لائق اعتنا نہ سمجھا، بلکہ بحیثیت علم وہ علم اقتصادیات پر بھی کوئی خاص توجہ نہ دے سکے''[۳۷]۔

اقبال کی تشکیل میں علم الاقتصاد کا کردار:

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اس تصنیف سے جہاں اقبال کے ذہن وفکر کے حقیقت پسندانہ رجحان کا ثبوت ملتا ہے وہاں یہ سراغ بھی ملتا ہے کہ ''خضر راہ'' کا انقلابی پیغام روس کے اشتراکی انقلاب کی صدائے بازگشت نہیں بلکہ اقبال کے قلب وذہن میں اس انقلابی پیغام کے محرکات ابتدا ہی سے کارفرما تھے[۳۸] اور علم الاقتصاد ان محرکات کا منہ بولتا ثبوت ہے فکر اقبال کے ارتقائی عمل کے بنظر غائر مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ابتدائی کتاب میں اقبال نے جو خیالات پیش کیے وہی افکار پختہ تر ہو کر فکر اقبال میں ڈھلے اور فلسفہ اقبال کے مہتم بالشان موضوع قرار پائے۔

جس کھیت سے دہقان کو میسر نہ ہو روزی
اس کھیت کے ہر خوشہ گندم کو جلا دو[۳۹]

پیغام اسی دردمند دل کی پکار ہے جس کی دلی تمنا رہی ہے کہ۔۔۔''ایک دردمند دل کو ہلا دینے والے افلاس کا دردناک نظارہ ہمیشہ کے لیے مصحۂ عالم سے حرفِ غلط کی طرح مٹ جائے''[۴۰]۔۔۔اس کتاب میں اقبال نے جو نظریات پیش کیے ہیں وہ ان کے فکر وفن کو سمجھنے کے لیے بہت اہم ہیں۔معاشی مسائل سے اقبال کی یہ دلچسپی ذہن میں رکھتے ہوئے ان کے فکر وفن کو زیادہ بہتر سے سمجھا جا سکتا ہے۔

بال جبریل ''خدا کے حضور میں''

کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ
دنیا ہے تیری منتظر روز مکافات[۴۱]

ضرب کلیم میں

تری کتابوں میں اے کلیم معاش رکھا ہی کیا ہے آخر
خطوط خم دار کی نمائش، مریز دکج دار کی نمائش[۴۲]

مثنوی پس چہ باید کرد میں

شیوہ تہذیب نو آدم دری است
پردہ آدم دری سوداگری است[۴۳]

پیام مشرق میں

بدوشِ زمیں بار سرمایہ دار
ندارد گزشت از خور وخواب کار[۴۴]

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کیاان تمام اشعار میں علم الاقتصاد کے نظریات کی جھلک نظر نہیں آتی ؟۱۹۰۴ء میں علم الاقتصاد میں اقبال نے کہا ''کمی اجرت کا بہترین نسخہ قومی تعلیم ہے'' اور آگے چل کر زبانِ شعر میں کہا:

به پور خویش دین و دانش آموز
که تابد چوں مه و انجم نگینش
بدست ادا گر داری ہنر را
یه بیضاست اندر آستینش

ہر دو مضامین کا موازنہ ظاہر کرتا ہے کہ بنیاد علم الاقتصاد میں رکھ دی گئی تھی آگے چل کر صرف تشریح کی گئی۔مسلمانوں کے افلاس و زبوں حالی کا شدید احساس ہی نالۂ یتیم اور شکوہ جیسی معرکۃ الآرا نظموں کی تخلیق کا باعث بنا۔

علم الاقتصاد کی موجودہ اہمیت:

علم معاشیات میں عصر اقبال سے لیکر اب تک جو گرد انقدر اضافے ہوئے، انداز بحث اور نقطۂ نظر جس طرح بدلا اور بدلتا چلا جا رہا ہے اس کو دیکھتے ہوئے علم الاقتصاد کی موجودہ اہمیت اگر چہ کہنے کو صرف تاریخی ہے لیکن اس کے باوجود ''علامہ کی صحتِ فکر کے موضوع پر گرفت کے ساتھ ساتھ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ 'معاشیات کی حقیقی اہمیت' اور بنیادی نوعیت پر زور دیتے ہوئے انھوں نے جن مقالات کا اظہار کیا ہے ان کی صحت آج بھی مسلم ہے تو اس کی قدر و قیمت کا اقرار کرنا پڑتا ہے''[۴۵]۔اقبال کے نظریات کا مقابلہ جدید نظریات سے کیا جائے تو بہت سے نظریات کی اہمیت آج بھی جوں کی توں نظر آئے گی مثلاً۔''مقابلۂ کابل دستکار کا محافظ ہے''[۴۶]۔''ہر بے روزگار دستکار کا حق ہے کہ سرکار اسے روزگار دے''[۴۷]۔''۔۔۔ضرور ہے کہ افزائش آبادی کے خوفناک نتائج ہمارے آرام و آسائش کے محل ہو اور ہمیں اس فراغت سے محروم کر دیں جو بصورت کمی آبادی ہم کو حاصل ہوتی''[۴۸]۔زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں ورنہ بے شمار ایسی مثالیں موجود ہیں جو اس ضمن میں پیش کی جا سکتی ہیں۔اس لیے اگر چہ معاشی نظریات اور اصولوں میں اتنی پیش رفت ہو چکی ہے کہ علم الاقتصاد کا علمی مرتبہ جدید کتب کے مقابلے میں لائقِ اعتنا نہیں اور یہی یہ دورِ جدید کے قاری کے لیے سودمند ہے اس کے باوجود اقبال کی اوّلین تصنیف کے طور پر یہ ہمیشہ اہم رہے گی۔۔''معاشی انصاف کی اصطلاح اگر چہ بہت بعد کی بات ہے لیکن اس کے تخیل کی بنیاد اس

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کتاب میں موجود ہے یہی وجہ ہے کہ علم الاقتصاد آج بھی تاریخی اہمیت کی حامل کتاب ہے۔ چونکہ اقبال کے ذہنی ارتقا کو سمجھنے میں بڑی مدد دیتی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مشرق کے ایک عظیم ذہن میں مسلمانوں کی معاشی پسماندگی کا احساس اتنا جدید تھا کہ اس کی بنیاد پر ایک علیحدہ اسلامی مملکت کا تصور ابھر کر سامنے آیا۔ نیز انھوں نے اقتصادی عمل کو فطرتِ انسانی سے ہم آہنگ کرنے پر زور دیا[۴۹]۔

مضامین علم الاقتصاد کا مختصر خاکہ:

کتاب علم الاقتصاد پانچ حصوں پر مشتمل ہے۔ حصہ اوّل میں صرف ایک باب ہے۔ ''علم الاقتصاد کی ماہیت اور طریقِ تحقیق''۔ حصہ دوم میں چار ابواب ہیں۔ زمین، محنت، سرمایہ اور پیدائش دولت کے لحاظ سے قابلیت۔ حصہ سوم میں تبادلۂ دولت کے چھ ابواب مسئلہ قدر، تجارت بین الاقوام، زر نقد کی ماہیت اور قدر، حق الضرب پر کاغذی اور اعتبار کی ماہیت پر بحث کی گئی ہے۔ حصہ چہارم پیداوارِ دولت کے حصہ دار کے ذیل میں لگان، سود، منافع اجرت، دستکاری کی دولت پر نامکمل مقابلہ کا اثر اور مالگزاری کا جائزہ لیا گیا ہے۔ حصہ پنجم میں تین ابواب آبادی وجہ معیشت، جدید ضروریات کی افزائش اور صرفِ دولت کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

مضامین الاقتصاد میں دیگر تصانیف سے استفادہ:

اقبال نے علم الاقتصاد میں عموماً مصنفین کا نام لیے بغیر 'ایک محقق کہتا ہے'۔۔ 'ایک مصنف کا خیال ہے'۔۔ کے انداز میں بات کی ہے اور سوائے تھامس مالتھس کی کتاب کے اور کسی کتاب کا نام بطور حوالہ درج نہیں کیا اس کی وجہ غالباً یہی ہے کہ جس دور میں اقبال نے یہ کتاب لکھی ہندوستانی عوام کی علمی حیثیت کے پیش نظر حوالہ جات کی ضرورت محسوس نہ کی۔ علم الاقتصاد کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اقبال نے دورانِ تصنیف مندرجہ ذیل کتب کو پیش نظر رکھا ہے اور جگہ جگہ ان سے مدد لی ہے۔

1- Marshall, Alfred: Prinicples of Economics
2- Mill, J. S. : Prinicples of Political Economy
3- Ricardo. David: Prinicples of Political Economy and Taxation
4- Smith, Adam : Wealth of Nations
5- Malthus, Thomas: An Essay on the Principles of Population
6- Walker, F. A. : Political Economy

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

''جس کتاب سے اقبال نے سب سے زیادہ فائدہ سے استفادہ کیا۔ وہ الفرڈ مارشل کی پرنسپلز آف اکنامکس ہے''[۵۰]۔اس میں کہیں کہیں انیسویں صدی کے مشہور امریکی ماہر اقتصادیات فرانسس واکر اور تھامس مالتھس کے خیالات کی جھلک بھی نظر آتی ہے[۵۱]۔ چونکہ اقبال نے خود اعتراف کیا ہے کہ ''اس کے مضامین مختلف مشہور اور مستند کتب سے اخذ کیے گئے ہیں''[۵۲]۔اس لیے یہ نتیجہ اخذ کرنا بے جا نہ ہوگا کہ انھوں نے مارشل سے بھی استفادہ کیا ہے[۵۳]۔ ویسے بھی ابتدائی ابواب کے کئی پیراگراف مارشل کی کتاب 'اصول معاشیات' کا بلاواسطہ ترجمہ معلوم ہوتے ہیں۔ ویسے اقبال نے واکر، سمتھ، ریکارڈو، مارشل مل، مالتھس وغیرہ کا بھی ذکر کیا ہے اس لیے یہ بات طے ہے کہ ان تمام مصنفین سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اگرچہ کارل مارکس کا نام واضح طور پر تو نہیں لیا گیا لیکن اقبال کے کئی بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے کارل مارکس سے بھی استفادہ کیا ہے۔ مثلاً۔ ''بعض محققین نے بڑے زور وشور سے ثابت کیا ہے کہ یہ سب ناانصافی شخصی جائیداد سے پیدا ہوتی ہے''[۵۴]۔اس کے علاوہ بقول انور اقبال قریشی کتاب میں ٹاوسگ سے استفادہ کی جھلک بھی نظر آتی ہے[۵۵]۔اور سپنسر سے استفادہ تو مسلم ہے کیونکہ اقبال نے اس استفادہ کا تحریری ثبوت علم الاقتصاد میں یہ کہہ کر پیش کر دیا ہے۔ ''محقق سپنسر (Spencer) نے حکیم مالتھس کے اصولِ آبادی پر ایک نہایت دلچسپ بحث کی ہے[۵۶]۔

مصنفین جن کا ذکر اشارۃً کیا گیا ہے:

علم الاقتصاد میں ۲۸ مختلف مقامات پر ماہرین معاشیات کا ذکر اشارۃً کیا گیا ہے نام نہیں لیا گیا لیکن قرائن سے معلوم ہو جاتا ہے کہ کن محققین کا ذکر کیا جا رہا ہے مثلاً

ص ۲۱ پر۔۔۔''ایک محقق جوان حکماء کے طبقۂ موخر میں داخل ہے کہتا ہے کہ علم الاقتصاد کے ماہرین کے فرائض درج ذیل ہیں..... یہاں محقق سے مراد جے این کینز ہے۔

ص ۴۲ پر.....''ایک مشہور انگریزی مصنف لکھتا ہے کہ علم الاقتصاد کے اصول ونتائج انسان کے ذاتی تاثرات کے صریح مخالف ہیں''۔۔۔غالباً مشہور انگریزی مصنف سے مراد رابنز ہے۔

ص ۱۵۶.....''بعض محققین نے بڑے زور وشور سے ثابت کیا ہے کہ یہ سب بے انصافی شخصی جائیداد سے پیدا ہوتی ہے''۔۔۔ یہاں محققین سے مراد کارل مارکس اور اس کے ساتھی مائینکل اور دیگر اشتراکی مفکر ہیں۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ص۱۸۶.....''ایک مصنف لکھتا ہے کہ تمام اشیاء نقل مکانی کرسکتی ہیں مگر انسان ایک ایسی چیز ہے جو بڑی مشکل سے ایک مقام سے دوسرے مقام تک حرکت کرتا ہے''۔۔۔ یہاں مصنف سے مراد ایڈم سمتھ ہے۔

ص۲۱۴.....''انگریزی محققین کے نزدیک جہاں تک ممکن ہو سامانِ معیشت ارزاں نہ ہونا چاہیے''۔۔۔ یہاں حکیم تھامس مالتھس کی طرف اشارہ ہے۔

نو مصنفین جن کا بالصراحت ذکر کیا گیا:

۲۶ مقامات پر مصنفین کا ذکر نام لے کر کیا گیا ہے۔

نمبر شمار	نام مصنف	جتنی بار ذکر کیا گیا	صفحہ نمبر	مذکورہ جملہ
۱۔	ایڈم سمتھ	دو دفعہ	۱۴	''اس مغالطہ کو پہلے ایڈیم سمتھ صاحب نے ظاہر کیا''
			۸۰	''بعض حکماء ریکارڈو، سمتھ، مل وغیرہ'' (مشترکہ ذکر)
۲۔	واکر	پانچ جگہ	۱۶۸	''منافع کی مزید توضیح کے لیے محقق واکر لکھتا ہے''
			۱۷۹	''امریکہ کے مشہور محقق واکر اس مسئلہ کی نہایت زور سے تردید کرتے ہیں''
			۱۸۱	''محقق واکر کے نزدیک اجرت کی بحث لگان سود اور منافع کی بحث کے بعد آتی ہے''۔
			۲۰۲	''محقق واکر کے نزدیک انسانی قبائل کی تاریخ اس امر کی شاہد ہے''
			۲۰۳	''محقق واکر کہتا ہے کہ انسان کی بقا و فنا کی صورت میں یہ قانون کامل طور پر عمل نہیں کرسکتا''۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

۳۔	مالتھس	۹دفعہ	۲۰۵	''حکیم مالتھس اپنے مضمون موسوم بہ آبادی میں یہ اصول دریافت کرتا ہے''
			۲۰۵	''مرد عورت کا ایک جوڑا حکیم مالتھس کے نزدیک بالعموم چار بچے پیدا کرتا ہے''
			۲۰۶	''حکیم مالتھس کے اصول آبادی پر ایک نہایت دلچسپ بحث کی ہے''۔
			۲۰۷	''حکیم مالتھس کے نزدیک افلاس اور دیگر برائیوں کا اصل منبع آبادی کا اندازے سے زیادہ بڑھ جاتا ہے''
			۲۰۹	''مندرجہ بالا خیالات اوّل اوّل حکیم مالتھس نے ظاہر کیے''۔
			۲۰۹	''حکیم مالتھس ان موانع کا ذکر کرتا ہے''
			۲۱۱	''حکیم مالتھس کے نزدیک آبادی انسان کی ترقی کو روکنے کے وسائل دو قسم کے ہیں''
			۲۱۴	''حکیم مالتھس کے مسائل کی رو سے اشیاء خوردنی کی ارزانی افزائش آبادی کے خوفناک نتائج کی طرف سے انسان کو اندھا کر دیتی ہے''
			۲۱۵	''حکیم مالتھس کے مسائل کا نتیجہ صحیح ہے''
۴۔	سپنسر	ابار	۲۰۶	''محقق سپنسر نے حکیم مالتھس کے اصولِ آبادی پر ایک نہایت دلچسپ بحث کی ہے''
۵۔	ریکارڈو	۲دفعہ	۸۰	''بعض حکماء ریکارڈو، سمتھ، مل وغیرہ کہتے ہیں''
			۸۰	''اور ریکارڈو کا اصول صحیح معلوم ہوگا''

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

۶۔	جے ایس مل	۴ دفعہ	۶۸	''محقق مل ایک قانون وضع کرتا ہے کہ سرمایہ جمع کرنے کی خواہش شرح سود کے ساتھ نسبت مستقیم رکھتی ہے''۔
			۶۸	''یاد رکھنا چاہیے کہ مل کا یہ قانون کامل طور پر صحیح نہیں''
			۸۰	''بعض حکماء ریکارڈو، سمتھ، مل وغیرہ کہتے ہیں''
			۱۱۴	''مل صاحب نے اس اصطلاح کے سمجھنے میں ایک غلطی کھائی ہے''
۷۔	مارشل	ابار	۹۰	''محقق مارشل فرماتے ہیں کہ جن پیشوں میں سرمایہ قائم کا استعمال کثرت سے ہوتا ہے اس میں اشیا کی قیمتیں بہت تغیّر پذیر ہوتی ہیں''
۸۔	دت صاحب	ابار	۱۹۵	'دت صاحب جنہوں نے حال ہی میں سرکار ہند کے ساتھ اس اہم موضوع پر خط و کتابت کی ہے''
۹۔	گریشم	ابار	۱۲۰	''اسی صداقت کو گریشم صاحب ایک اقتصادی اصول کی صورت میں یوں پیش کرتے ہیں''

علم الاقتصاد کے مختلف ایڈیشنوں کا موازنہ:

طبع	اشاعت	تعداد	تقطیع: س م	مسطر	خوش نویس	ضخامت
اوّل	۱۹۰۴ء	درج نہیں	۲۰×۳۱/۲	۲۱ سطری	درج نہیں	۲+۲۱۶

اعلان حقوق اشاعت	مطبع	ناشر	ملنے کا پتہ	قیمت
درج نہیں	خادم التعلیم سٹیم پریس، لاہور	شیخ محمد اقبال	مصنف کتاب	ایک روپیہ

طبع اوّل ۱۹۰۴ء کی اہم خصوصیات:

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

علم الاقتصاد کے اوّلین ایڈیشن پر توضیحی نوٹ ص پر ''علم الاقتصاد کا علمی اور فنی تعارف'' اور ص پر ''مضامین علم الاقتصاد کا مختصر خاکہ'' کے عنوانات سے دیئے جا چکے ہیں اس کے علاوہ پہلے ایڈیشن کی چیدہ چیدہ خصوصیات درج ذیل ہیں۔

۱۔ طبع اوّل میں ص ۴ پر عنوان ''دیباچہ مصنف'' رقم ہے۔

۲۔ ہر باب کے آخر میں بطور اختتامیہ۔۔۔۔۔ یہ نشان بنایا گیا ہے۔

۳۔ اہم امور کی توضیح کے لیے مصنف نے خود بھی حاشیہ جات تحریر کیے ہیں مثلاً ص ۱۲، ۱۴، ۱۶، ۵۱، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۱۵، ۱۲۳، ۱۴۰، ۱۹۵، ۲۰۵ وغیرہ پر

۴۔ فہرست ابواب میں ہر جگہ دوم اور سوم کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں البتہ ص ۱۷ پر حصہ سوئم اور ص ۱۰۹ ہر باب سوئم جبکہ ص ۲۰۹ ہر باب دوئم کے الفاظ رقم ہیں۔ ص ۱۷۳ پر غلطی سے باب چہارم کی بجائے باب پنجم لکھ دیا گیا ہے جبکہ اصل میں باب پنجم ص ۱۸۵ سے شروع ہوتا ہے جس کا عنوان ہے ''مقابلہ نا کامل دستکاروں کی حالت پر کیا اثر کرتا ہے''۔

۵۔ املا قدیم طرز کا ہے اور اہم فقرات خط کشیدہ ہیں۔

طبع	اشاعت	تعداد	تقلیع: س م	مسطر	خوش نویس	ضخامت
دوم	۱۹۶۱ء	درج نہیں	۱۴×۲۲	۲۶ سطری	ٹائپ	۲۲۲+۶

اعلان حقوق اشاعت	مطبع	ناشر	ملنے کا پتہ	قیمت
درج نہیں	فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور	اقبال اکادمی پاکستان		درج نہیں

طبع دوم ۱۹۶۱ء کی اہم خصوصیات:

پہلی اشاعت کے ستاون سال بعد، اقبال اکادمی پاکستان، کراچی نے ''علم الاقتصاد'' کا دوسرا ایڈیشن شائع کیا۔ اس پر سال طباعت درج نہیں مگر ممتاز حسن کے پیش لفظ کی تاریخ (۱۰ جون ۱۹۶۱ء) سے اس کا سال اشاعت متعین کرنا مشکل نہیں ہے۔ سرورق اور اس کی پشت کا صفحہ شمار نہیں لایا گیا۔ فہرست، صفحات الف، ب، ج پر درج ہے۔ صفحہ دخالی ہے۔ پیش لفظ (از ممتاز حسن ص ۱ تا ۱۰) مقدمہ (از انور اقبال قریشی ص ۱۱ تا ۱۹) پیش کش (انتساب اور مصنف، ص ۲۱) اور دیباچہ (از مصنف، ص ۲۳ تا ۲۶) کے بعد متن کتاب سے صفحات کا از سر نو شمار ہوتا ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

دوسرے ایڈیشن کی سب سے اہم بات۔طبع اوّل کے متن کی تصحیح ہے۔جو مجلّہ ''اقبال ریویو'' کے مدیر معاون جناب خورشید احمد صاحب کی کوششوں کی مرہونِ منت ہے''۵۷۔

۱۔ مضامین کتاب کو پانچ حصوں میں منقسم کیا گیا ہے۔ پہلا حصہ صرف ایک باب پر مشتمل ہے۔حصہ دوم میں چار ابواب ہیں۔حصہ سوئم میں چھ ابواب اور حصہ چہارم میں بھی چھ ابواب شامل ہیں جبکہ حصہ پنجم صرف تین ابواب پر مشتمل ہے۔

۲۔ کتاب کے آخر میں دس صفحات پر مشتمل ضمیمے میں کتاب میں استعمال شدہ اردو معاشی اصطلاحات کا انگلش ترجمہ دیا گیا ہے۔

۳۔ حاشیے میں مختصراً معاشیات کی بعض اصطلاحات کی تشریح اور انگریزی مترادفات رقم کیے گئے ہیں۔

۴۔ کتابت کی اغلاط کی تصریح بھی حاشیے میں کی گئی ہے۔

۵۔ متن میں بہت سے تصرفات بغیر کسی تصریح کے کئے گئے ہیں۔

۶۔ طبع اوّل میں اہم جملوں کو نمایاں کرنے کے لیے ان کے نیچے خط کھینچ دیا گیا ہے لیکن طبع دوم میں اس کا کوئی اہتمام نہیں کیا گیا۔

۷۔ طبع اوّل میں لفظ ''دیباچہ'' استعمال کیا گیا ہے جبکہ طبع دوم میں اسے ''دیباچہ'' لکھا گیا ہے۔

۸۔ فہرست ابواب طبع اوّل میں دوم اور سوم کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں صرف ایک جگہ سہواً دوئم اور دو جگہ سوئم لکھا گیا ہے۔جبکہ طبع دوم میں ہر جگہ دوئم اور سوئم کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔

۹۔ آخری صفحے پر مطبوعہ فیروز سنز رقم ہے ورنہ کتاب کے ابتدائی صفحات پر مطبع کا نام نہیں لکھا گیا۔

طبع	اشاعت	تعداد	تقطیع:س م	مسطر	خوش نویس	ضخامت
سوم	۱۹۷۷ء	۱۱۰۰	۲۲×۱۳½	۱۹سطری	درج نہیں	۲۷۲

اعلان حقوق اشاعت	مطبع	ناشر	ملنے کا پتہ	قیمت
جملہ حقوق محفوظ	طفیل آرٹ پرنٹرز سرکلر روڈ، لاہور	اقبال اکادمی	پاکستان	۲۰روپے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

طبع سوم ۱۹۷۷ء کی خصوصیات:

ترتیب کے لحاظ سے یہ علم الاقتصاد کا تیسرا ایڈیشن ہے لیکن اس پر بار اوّل ۱۹۷۷ء کے الفاظ درج ہیں اس غلطی کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی اگر اقبال کی زندگی میں شائع ہونے والے ایڈیشن کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تو خود اقبال اکیڈمی اسے پہلی بار جون ۱۹۶۱ء میں شائع کر چکی تھی۔

اس ایڈیشن میں رسم الخط تبدیل کر دیا گیا ہے۔ یہ ایڈیشن خط نسخ کی بجائے خط نستعلیق میں رقم کیا گیا ہے۔

اس ایڈیشن میں حواشی اور متن دونوں ایک ہی قلم سے رقم کیے گئے ہیں جبکہ پہلے ایڈیشن میں حواشی کا قلم متن کی نسبت باریک ہے

فہرست میں ہر حصے کے عنوانات کے ساتھ باب اوّل۔ باب دوئم۔ باب سوئم کے الفاظ کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ نیز شروع سے آخر تک تمام عنوانات نمبر مسلسل شمار کیے گئے ہیں۔ جبکہ پہلے ایڈیشنوں میں ایسا نہیں ہے۔

طبع	اشاعت	تعداد	تقطیع: س م	مسطر	خوش نویس	ضخامت
چہارم	۱۹۹۱ء	۱۱۰۰	۲۲×۱۳½	۱۹ سطری	درج نہیں	۲۷۲

اعلان حقوق اشاعت	مطبع	ناشر	ملنے کا پتہ	قیمت
درج نہیں	طفیل آرٹ پرنٹرز، ۱۸۷ سرکلر روڈ، لاہور	آئینہ ادب، چوک مینار انارکلی، لاہور		۶۰ روپے

طبع چہارم ۱۹۹۱ء کی خصوصیات:

۱۔ ترتیب کے لحاظ سے یہ علم الاقتصاد کا چوتھا ایڈیشن ہے لیکن اس پر بار دوم ۱۹۹۱ء درج ہے۔ غالباً ۱۹۷۷ء کے ایڈیشن کو بار اوّل قرار دینے کی مناسبت سے لکھا گیا ہے۔

۲۔ اس کتاب کے شروع کا ایک ورق خالی ہے۔ دوسرے ورق کے ایک صفحے پر صرف ''علم الاقتصاد'' کے الفاظ رقم ہیں باقی پورا صفحہ خالی ہے اگلے صفحے پر 'اچھی کتاب کا نکھار ہمیشہ قائم رہتا ہے'' کے الفاظ دائیں سے بائیں کی بجائے اوپر سے نیچے کی جانب لکھے گئے ہیں

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

تیسرے ورق کو ہم اس ایڈیشن کا سرورق کہہ سکتے ہیں۔

۳۔ فہرست مضامین میں ترتیب بعینہٖ ۱۹۷۷ء کے ایڈیشن والی ہے یعنی پیش لفظ سے ضمیمے تک تمام عنوانات کو مسلسل شمار کرتے ہوئے ایک سے پچیس تک نمبر شمار کیے گئے ہیں۔

۴۔ یہ کتاب بھی خط نستعلیق میں ہے۔ طباعت کی غلطیاں کہیں کہیں نظر آتی ہیں مثلاً ص ۱۳۴ پر بین الممالک کو 'بین المالک' اور ص ۲۵۶ پر نوع انسان کو 'نوحِ انسان' لکھا گیا ہے۔

۵۔ حاشیہ جات سب کے سب ۱۹۶۱ء اور ۱۹۷۷ء کے ایڈیشنوں والے ہیں۔ اس لیے ان میں کوئی قابلِ ذکر بات نہیں۔ ایک دو جگہ پر حاشیہ جات میں بھی غلطی کی گئی ہے مثلاً ص ۱۱۵ کے حاشیے میں اصل نسخے میں 'اس' لکھنے کا ذکر ص ۱۹۷ کے حاشیہ میں 'دھات' کی املا والا بیان وغیرہ وغیرہ۔۔۔

پہلا ایڈیشن (۱۹۰۴ء) اور آخری ایڈیشن (۱۹۹۱ء) کے متنوں کا تقابلی موازنہ

نمبر شمار	صفحہ نمبر	پہلا ایڈیشن ۱۹۰۴ء مذکورہ فقرہ	صفحہ نمبر	آخری ایڈیشن تبدیل شدہ فقرہ
۱	۴	اصول مذہب بھی انتہا درجہ کا موثر ثابت ہوا ہے	۳۰	اصول مذہب بھی بے انتہا موثر ثابت ہوا ہے۔
۲	۹	اوّل تو یہ کہہ سکتے ہیں	۳۸	اوّل تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔
۳	۹	اس کے علاوہ یہ کہا جا سکتا ہے	۳۸	اس کے علاوہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے۔
۴	۹	ہم نے لفظ دولت کا استعمال کئی جگہ کیا ہے	۳۹	ہم نے لفظ دولت کئی جگہ استعمال کیا ہے۔
۵	۱۰	مطلوب یا وہ تمام اشیا۔۔۔	۳۹	مطلوب اشیاء یا وہ تمام اشیا۔
۶	۱۰	اپنے کاموں کو سرانجام کرتا ہے	۴۰	اپنے کاموں کو سرانجام دیتا ہے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

۷	۱۷	فطری قوائے جن کو انسان کے ذاتی اوصاف کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔قدر کہتے ہیں؟	۴۹/۵۰	فطری قویٰ کو جنہیں انسان کے ذاتی اوصاف کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے حامل قدر کہا جاسکتا ہے؟
۸	۲۲	تمام استدلات جو اس اصول پر مبنی سمجھے جائیں گے غلط ہوں گے	۵۴	تمام استدلات جو اس اصول پر مبنی ہوں گے غلط سمجھے جائیں گے۔
۹	۲۲	اس سے ایک صدی پہلے ہندوستان میں یہ بات بہت مشکل تھی	۵۵	کہ اب سے ایک صدی پہلے ہندوستان میں یہ بات مشکل تھی
۱۰	۳۳	تو قینچیوں کی قیمت پر کچھ اثر نہ ہوگا	۶۸	تو قینچیوں کی قیمت پر زیادہ اثر نہ ہوگا
۱۱	۴۷	جس کے پیدا کرنے کی خصوصیت کے ساتھ اسے قابلیت ہے	۸۲	جس کے پیدا کرنے کی قابلیت اسے خصوصیت کے ساتھ حاصل ہے
۱۲	۵۷	پیدائش دولت کے لحاظ سے کسی قوم کی قابلیت	۹۲	کسی قوم کی قابلیت پیدائش دولت کے لحاظ سے
۱۳	۵۸	خاص پیشہ بڑی جانفشانی اور روپیہ خرچ کر کے سیکھا ہے	۹۴	خاص پیشہ بڑی جانفشانی سے اور روپیہ خرچ کر کے سیکھا ہے
۱۴	۵۹	مالک یا کارخاندار کا وجود۔۔۔	۹۴	مالک یا کارخانہ دار کا وجود
۱۵	۶۳	کئی اشیاء قدرتی پیدا ہوتی ہیں	۹۸	کئی اشیاء قدرتی طور پر پیدا ہوتی ہیں
۱۶	۶۵	ذاتی ضروریات کے پورا ہونے پر ۔۔۔	۱۰۰	اس طرح ذاتی ضروریات کے پورا ہونے پر۔۔۔
۱۷	۶۶	☆قانونِ آبادی	۱۰۲	☆☆قانون آبادی
		☆قانونِ آبادی موٹے الفاظ میں سطر کے شروع میں لکھا گیا ہے		☆☆ایک سطر میں یہ سرخی دے کر نیچے سے باریک الفاظ میں لکھنا شروع کیا گیا ہے۔
۱۸	۶۸	لے	۱۰۳	محنت کی کارکردگی[1]
۱۹	۷۴	چھ شخصوں میں سے ایک۔۔۔	۱۱۲	چھ اشخاص میں سے ہر ایک۔۔۔
۲۰	۷۷	ان کے نزدیک شے کا مفید ہونا	۱۱۵	ان کے نزدیک کسی شے کا مفید ہونا۔۔۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

۲۱	۷۷	مشکل سے ہاتھ آنا ان کی قدر کا باعث ہوتا ہے	۱۱۵	مشکل سے ہاتھ آنا اس کی قدر کا باعث ہوتا ہے
۲۲	۷۷	اس دعوے کی ثبوت میں۔۔۔	۱۱۶	اس دعویٰ کے ثبوت میں
۲۳	۸۱	مقدار مطلوب کے تغیر قیمت کے ساتھ وابستہ ہے قانونِ طلب کی توضیح ہوتی ہے	۱۲۰	قانونِ طلب کے ذریعے تغیر قیمت سے وابستہ مقدار مطلوب کے تغیر کی توضیح ہوتی ہے[۲]
۲۴	۸۳	یعنی اشیا کی مطلوب ان کی رسد کے مساوی ہو	۱۲۳	یعنی اشیاء کی طلب ان کی رسد کے مساوی ہو
۲۵	۸۷	پس لفظ منڈی سے مراد ان تمام افراد کی ہے	۱۲۷	پس لفظ منڈی سے مراد وہ تمام افراد ہیں
۲۶	۱۱۴	اگر زر نقد کی قدر زیادہ ہو قیمت اشیاء کم ہوتی ہے	۱۵۶	اگر زر نقد کی قدر زیادہ ہو تو قیمت اشیاء کم ہوتی ہے
۲۷	۱۱۶	اس فرق کو مٹی کاٹا کے نام سے موسوم کرتے ہیں	۱۵۸	اس فرق کو مٹی کاٹا کے نام سے موسوم کرتے ہیں
۲۸	۱۳۷	ملک کی حالاتِ اقتصادی کے تغیر کے ساتھ مطابق کرے کی قابلیت نہیں	۱۸۱	ملک کی حالت اقتصادی کے تغیر کے ساتھ مطابق کرنے کی قابلیت نہیں[۳]
۲۹	۱۳۹	کم قدر سکے کو قبول نہیں کریں گے	۱۸۳	کم قدر کے سکے[۴] کو قبول نہیں کریں گے۔
۳۰	۱۴۶	جس سے کسی کو گریز نہیں ہوسکتی	۱۸۹	جس سے کسی کو گریز نہیں ہوسکتا
[۱]		محنت کی کارکردگی کے لیے کوئی سرخی نہیں دی گئی۔	[۱]	محنت کی کارکردگی ایک لائن میں صرف سرخ درج ہے۔
			[۲]	نئے ایڈیشن میں جملے کو سہل بنانے کی کوشش میں مزید مبہم کر دیا گیا ہے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

			۳	یہاں مطابق کرنے کی قابلیت نہیں کے بجائے مطابقت کرنے کی قابلیت ہونا چاہیے تھا لیکن نئے تینوں ایڈیشنوں میں بھی مطابق لکھا گیا ہے
			۴	یہاں کے کا اضافہ بلا جواز اور بے محل ہے
☆		سات جگہ ہر یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے اور جگہ مٹی کا ٹا لکھا گیا ہے		
۳۱	۱۴۷	انسان مکان کو تجارت کے ذریعہ اور زبان کو اعتبار کے ذریعہ فتح کرتا ہے	۱۹۰	انسان مکان کو تجارت کے ذریعے اور زمان کو اعتبار کے ذریعے فتح کرتا ہے۔
۳۲	۱۵۲	لفظ دہات پرانے املا کے تحت لکھا گیا ہے	۱۹۷	۱۹۹۱ء کے ایڈیشن میں لکھا گیا ہے کہ طبع اوّل میں ہر جگہ 'دیہات' کو 'دھات' لکھا گیا ہے حالانکہ یہ غلط ہے 'دھات' کی بجائے 'دہات' لکھا گیا ہے
۳۳	۱۵۲	صوبجات متحدہ امریکہ	۱۷۷	ریاستہائے متحدہ امریکہ
۳۴	۱۶۹	اس طرح مختلف کارخانداروں کے منافع کی حقدار۔۔۔		اسی طرح مختلف کارخانہ داروں کے منافع کی حقدار۔۔۔
۳۵	۱۷۷	یومیہ اجرت عمہ ہے	۲۲۳	یومیہ اجرت ایک روپیہ ہے
۳۶	۱۷۷	کاری گری کی وجہ للعہ قیمت پاتا ہے	۲۲۳	کاریگری کی وجہ ۴ روپے قیمت پاتا ہے
۳۷	۱۸۵	باب پنجم ۔ مقابلۂ نا کامل دستکاروں کی حالت پر کیا کرتا ہے	۲۳۱	باب۔۵ مقابلہ دستکاروں کی حالت پر کیا اثر کرتا ہے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

۳۸	۱۸۹	بالعموم وہ فطری خود داری اور ہم چشموں کی نگاہوں میں وقعت پیدا کرنے کی آرزو اس پر اثر نہیں کر سکتی جو قدرتاً انسان کو اوروں سے آگے بڑھ جانے کی ایک زبر دست تحریک دیتی ہے	۲۳۵	بالعموم فطری خود داری اور ہم چشموں کی نگاہوں میں وقعت پیدا کرنے کی آرزو اس پر اثر نہیں کر سکتی جو قدرتاً انسان کو اوروں سے آگے بڑھ جانے کی ایک زبر دست تحریک دیتی ہے۔
۳۹	۱۹۱	اور کوئی کسی قسم کا شک و شبہ باقی نہیں رہتا	۲۳۷	اور کسی قسم کا شک وشبہ باقی نہیں رہتا
۴۰	۱۹۹	آبادی۔وجہ معیشت	۲۴۷	آبادی
۴۱	۲۰۱	دولت کا دوسرا استعمال یہ ہے کہ اس کی وساطت سے دستکار کی بی بی پرورش پاتی ہے	۲۴۸/ ۲۴۹	دولت کا دوسرا استعما یہ ہے کہ اس کی وساطت سے دستکار رشتہ ازدواج استوار کرتا ہے
۴۲	۲۰۳	جو چار پاؤں کے حق میں نہایت مضر ہے	۲۵۱	جوچار پایوں کے حق میں نہایت مضر ہے
۴۳	۲۰۳	کسی فرد کو اگر کوئی مرض ہوا جائے	۲۵۱	کسی فرد کو اگر کوئی مرض لاحق ہو جائے
ا		ذریعہ کے بعد جگہ خالی چھوڑی گئی ہے		

ایڈیشن اوّل (۱۹۰۴ء):متن میں ظاہری اغلاط اور طباعت کی غلطیاں

نمبر شمار	صفحہ نمبر	سطر	غلط الفاظ	درست الفاظ
۱	۵	۱۶	بروده	بڑودہ
۲	۷	۱۶	کبنٹ	کینٹب
۳	۹	۱۷	نتیجہ ہوا کرتے	نتیجہ ہوا کرتے ہیں

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

۴	۱۱	۴	کے روئے سے	کی رو سے
۵	۲۴	۱۲	تعلق دیگر علوم ہے	تعلق دیگر علوم سے
۶	۳۶	۱۳	ہم اس پر زیادہ خامہ فرسائی نہیں کرنا چاہئیے	ہمیں اس پر زیادہ خامہ فرسائی نہیں کرنا چاہیے
۷	۵۰	۱۴	اس کی نسل کا بقا ہی محال ہو جا تا	اس کی نسل کی بقا ہی محال ہو جاتی
۸	۵۶	۸	کفایت شعار بنانے کے مہد ہیں	کفایت شعار بنانے کی مد ہیں
۹	۶۳	۶	مغلوں کے زمانے میں	مغلوں کے زمانے میں
۱۰	۶۴	۴	قوانینِ صحت کی خلاف	قوانین صحت کے خلاف
۱۱	۷۵	۷	جس قدر افادات کم ہوں اُسی قدر اس کی مانگ بھی کم ہوگی	جس قدر افادات کم ہوگی اسی قدر اس کی مانگ بھی کم ہوگی
۱۲	۸۷	۷	چاء کے منڈی	چائے کی منڈی
۱۳	۹۵	۸	سرمایہ داروں کا دوسرے ملک میں نہ جاسکتا	سرمایہ داروں کا دوسرے ملک میں نہ جاسکنا
۱۴	۱۲۶	۱۴	ہر جملے اور اصطلاح کی معنی	ہر جملے اور اصطلاح کے معنی
۱۵	۱۳۷	۷	جو عند الطلب زر نقد کی صورت میں تبدیل نہیں کرایا جاسکتا	جو عند الطلب زر نقد کی صورت میں تبدیل نہیں کرایا جاسکتا
۱۶	۱۳۹	۹	اس کی عدم اجرا کی صورت متداول کرنے پڑی	اس کے عدم اجرا کی صورت میں متداول کرنے پڑیں
۱۷	۱۴۰	۲	اپنی بنک جاری کرتی ہے	اپنا بنک جاری کرتی ہے
۱۸	۱۴۶	۱۲	جس سے کسی کو گریز نہیں ہوسکتی	جس سے کسی کو گریز نہیں ہوسکتا
۱۹	۱۵۱	۱۳	دولت چار حصوں میں تقسیم ہوتی یعنی	دولت چار حصوں میں تقسیم ہوتی ہے یعنی
۲۰	۱۵۲	۲	ہندوستان بعض دیہات	ہندوستان کے بعض دیہات

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

۲۱	۱۵۲	۱۴	صوبجات متحدہ امریکہ	صوبہ جات متحدہ امریکہ
۲۲	۱۸۰	۱۰	پیداوارِ محنت سے ادا کی جاتی ہے نہ سرمایہ اجرت میں سے	پیداوار محنت سے ادا کی جاتی ہے نہ کہ سرمایہ اجرت میں سے
۲۳	۱۸۶	۲	جس جگہ حالات نے ایک جگہ لا پھینکا وہیں پڑے رہتے ہیں	جس جگہ حالات نے لا پھینکا وہیں پڑے رہتے ہیں
۲۴	۱۹۴	۱۹	قاتحین مفتوحوں کی پیداوار زمین سے کچھ حصہ وصول کریں	فاتحین مفتوحوں کی پیداوار زمین سے کچھ حصہ وصول کریں
۲۵	۱۹۸	۳	تجربے کی وساطت سے مثلاً یہ معلوم کر لیتا ہے کہ فرضاً چار ماہ کے بعد غلے کی قیمت چڑھ جائے گی	تجربے کی وساطت سے یہ معلوم کر لیتا ہے کہ چار ماہ کے بعد غلے کی قیمت بڑھ جائے گی۔
۲۶	۲۰۱	۱۳	بی بی کا ہونا دستکار کو محنت کی تحریک کرتا ہے	بی بی کا ہونا دستکار میں محنت کی تحریک پیدا کرتا ہے
۲۷	۲۰۳	۲۰	اس استدلال سے محقق موصوف یہ نتیجہ نکلتا ہے	اس استدلال سے محقق موصوف یہ نتیجہ نکالتا ہے
۲۸	۲۰۵	۱۳	مالہتس ☆	مالتھس
۲۹	۲۰۷	۱۰	افزائش ابادی کی میلان کو اختیاری طور پر بھی روک سکتا ہے	افزائش آبادی کے میلان کو اختیاری طور پر بھی روک سکتا ہے
۳۰	۲۰۷	۱۰	اصل منبع آبادی کا انداز سے زیادہ بڑھ جانا ہے	اصل منبع آبادی کا اندازے سے زیادہ بڑھ جانا ہے
☆	۲۰۵		لے کر ص ۲۱۵ تک نوجگہ حکیم مالتھس کا ذکر آیا ہے اور ہر جگہ اسے مالہتس ہی لکھا گیا ہے	

متروک رسم الخط:

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

شمار	صفحہ	متروک	رائج	شمار	صفحہ	متروک	رائج	شمار	صفحہ	متروک	رائج
۱	۱	تبادلی	تبادلے	۱۱	۷۳	ہی	ہے	۲۱	۱۱۸	ملیگی	ملیں گی
۲	۲	پہونچ	پہنچ	۱۲	۷۵	لئی	لیے	۲۲	۱۱۹	پگہلانے	پگھلانے
۳	۳	پہونچنے	پہنچنے	۱۳	۷۹	تھوں	تہوں	۲۳	۱۴۶	ابہی	ابھی
۴	۴	قوائے	قواء	۱۴	۸۲	نکریگا	نہ کرے گا	۲۴	۱۴۹	بڑہ	بڑھ
۵	۵	بڑہتے	بڑھتے	۱۵	۸۴	نہو	نہ ہو	۲۵	۱۴۵	فلان	فلاں
۶		بڑہتی	بڑھتی	۱۶	۸۳	ماہیگیری	ماہی گیری	۲۶	۱۵۲	دہات	دیہات
۷		نہوتی	نہ ہوتی	۱۷	۹۰	۴رعم	سوا روپیہ	۲۷	۱۸۹	قوائے	قویٰ
۸		چاء	چائے	۱۸	۱۰۲	موزون	موزوں	۲۸	۲۰۵	حکیم مالنفس	حکیم مالنفس
۹		شی	شے	۱۹	۱۱۳	نکرے	نہ کرے	۲۹	۸۶	ہمنے	ہم نے
۱۰		نہوگی	نہ ہوگی	۲۰	۱۱۵	لیوے	لے	۳۰	۱۴۱	دیویں	دیں

علم الاقتصاد کی اصطلاحات:

جس دور میں علم الاقتصاد تحریر کی گئی علمی زبان کے لحاظ سے اردو زبان کچھ ایسی ترقی یافتہ نہ تھی اور معاشیات کے موضوع پر اردو میں قلم فرسائی کچھ ایسا آسان نہ تھا اس کے باوجود اقبال نے اردو دان طبقے کو معاشیات متعارف کرانے کے لیے یہ کتاب اردو زبان میں ہی لکھی۔ اقبال سے پہلے ۱۸۴۵ء کے لگ بھگ پنڈت دھرم نارائن وے لینڈ اور مل کی کتابوں کا اردو میں ترجمہ کر چکے تھے ہوسکتا ہے کہ اقبال نے ان سے استفادہ کیا ہو لیکن یہ بات وثوق سے نہیں کہی جاسکتی بقول مشفق خواجہ ''یہ کہنا نامناسب ہوگا کہ ذکاء اللہ کی کتاب کیمیائے دولت اور پنڈت دھرم نارائن کے تراجم سے انھوں نے استفادہ کیا ہے''۵۸۔ لیکن یہ بات انھوں نے قیاساً کہی ہے کوئی فلسفی ثبوت پیش نہیں کیا۔ خود اقبال کی تصریح کے مطابق۔ ''میں نے بعض اصطلاحات خود وضع کی ہیں اور ہمیں مصر کے عربی اخباروں سے لی ہیں''۵۹۔ اقبال نے اصطلاحات کے جو تراجم استعمال کیے ہیں ان میں سے بیشتر آج بھی مستعمل ہیں لیکن چند ایک اصطلاحات متروک ہو چکی ہیں۔ مثلاً اقسام محنت ۶۰۔ کنارہ زراعت ۶۱۔ مصالح ۶۲۔ دولت آفریں ۶۳۔ افاداتِ انتہائی ۶۴۔ وقت حصول ۶۵۔ قیمت

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

صحیح ۶۶۔مٹی کا ٹا ۶۷۔سود کا ذب ۶۸۔محنتی ۶۹۔اعمال ۷۰۔خالت زراعی ۷۱۔تامین تجارت ۷۲۔ رشک ۷۳۔محنتیوں کی اجرت ۷۴۔۔۔اقبال نے Capital کے سرمائے کی اصطلاح استعمال کی ہے لیکن علم المعیشت میں 'اھل' کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔

علم الاقتصاد اقبال کے عمرانی فکر ونظر کا مرقع: علم معاشیات بنیادی طور پر ایک عمرانی علم ہے اور اقبال کی تصنیف ''علم الاقتصاد'' ان کے عمرانی فکر ونظر کا بین ثبوت ہے۔اس کتاب میں اقبال نے جو خیالات پیش کیے ہیں وہ انہی اصل کی اعتبار سے عمرانی مسائل سے تعلق رکھتے ہیں۔اقبال نے علم الاقتصاد کے پہلے باب میں ہی یہ تصریح فرمادی ہے کہ۔۔''فلسفہ تمدن کا فرضِ منصبی یہ ہے کہ انسان زندگی کا اعلیٰ ترین مقصد معلوم کرے ۷۵۔سیاق وسباق بتاتے ہیں کہ یہ مقصد ترقی تمدن ہے جس کے لیے وسائل وذرائع بروے کار لانا علم الاقتصاد کا کام ہے۔اس کتاب میں اقبال نے معاشیات کے مختلف موضوعات کے علاوہ عمرانی مسائل پر بھی اظہار خیال کیا ہے۔مثلاً ہندوستان کے تمدنی مسائل کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے غربت وافلاس، تعلیم کی کمی اور صنعتی تعلیم سے رو گردانی کو گنوایا ہے ۷۶۔۔اس کتاب کا آخری باب آبادی کے مسئلے پر بحث کرتا ہے جو بجائے خود ایک عمرانی مسئلہ ہے۔۔''آبادی کا مناسب حدود سے باہر نکل جانا افلاس اور دیگر بدنتائج کا سرچشمہ ہے''۷۷۔۔''اقبال کی اس تصنیف میں اگرچہ فرد ومعاشرے کے باہمی تعلق کا موضوع بالکل ضمنی اور ثانوی طور پر آیا ہے مگر جس انداز میں آیا ہے اس سے ذہن عمرانیات کے عضویاتی نظریہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے''۷۸۔۔غرض علم الاقتصاد علامہ اقبال کے عمرانی فکر ونظر کا مرقع ہے۔یہ تصنیف اقبال کے عمرانی افکار کی اساس کی حیثیت رکھتی ہے۔

علم الاقتصاد میں مشمولہ فقہی مسائل:

اقبال نے علم الاقتصاد میں جن فقہی مسائل پر روشنی ڈالی ہے ان میں پانچ موضوعات بطور خاص قابل ذکر ہیں ا۔تعداد ازدواج ۲۔ضبط تولید ۳۔ملکیت زمین ۴۔شخصی جائداد ۵۔قومی ملکیت۔اگرچہ اقبال نے ان موضوعات پر تفصیلی بحث نہیں کی لیکن علم الاقتصاد جیسی ابتدائی کتاب میں ان مسائل کی اہمیت کا احساس دلا دینا ہی ایک کارنامے سے کم نہیں۔انہی تصورات کی بنا پر اقبال نے آگے چل کر اسلامی فقہ کی تدوین نو کو وقت کی اہم ترین ضرورت قرار دیا۔

علم الاقتصاد کی روشنی میں معاشی مسائل کی اہمیت:

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اقبال نے علم الاقتصاد میں معاشی مسائل کو خاص طور ہر اہم اور توجہ طلب قرار دیا ہے اور جس انداز سے اشتراکیت کے بارے میں اظہار خیال کیا ہے اس سے اقبال کی نظر میں معاشی مسائل کی اہمیت واضح طور پر اجاگر ہو جاتی ہے۔ علم الاقتصاد میں بعض معاشی مسائل کے بارے میں یوں بار بار اظہار خیال کیا گیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ اقبال کی نظر میں قومی بقا کا دارومدار ان معاشی مسائل کے حل پر منحصر ہے مثلاً دستکاروں کی خستہ حالی کو دور کرنے کا مسئلہ[۷۹]۔ افلاس و غربت سے نجات[۸۰] دلانے کی خواہش وغیرہ۔۔۔ علم الاقتصاد کے مطالعہ سے اقبال کی معاشی مسائل سے دلچسپی اور معاشی مسائل کے حل میں ان کے نقطۂ نظر اور اجتہادی فکر کے مختلف پہلو واضح ہوتے ہیں۔

علم الاقتصاد میں ہندوستان کے معاشی مسئلہ کی وضاحت:

اقبال نے اپنے عصری تقاضوں کو نانچ کر علم الاقتصاد میں ہندوستان کے معاشی مسائل کی وضاحت کے لیے اقتصادیات کے موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ مختلف مباحث کے دوران اقبال نے ہندوستان کی معاشی ترقی میں موانع اسباب پر روشنی ڈالی اور انہیں چار مشقوں میں ترتیب دیا۔

۱۔ غربت و افلاس[۸۱] ۲۔ تعلیمی پسماندگی[۸۲] ۳۔ صنعت کی طرف سے بے توجہی اور تجارت پر مغربی سوداگروں کا قبضہ[۸۳] ۴۔ افزائش آبادی[۸۴]۔۔۔ اس سے ثابت ہوجاتا ہے کہ علم الاقتصاد جیسی ابتدائی کتاب میں بھی اقبال کی ہندوستان کے معاشی مسائل سے آگہی کا ثبوت موجود ہے۔ اسی حقیقت کے پیش نظر خواجہ امجد سعید نے اقبال کو ہندوستان کا پہلا معیشت دان قرار دیا ہے[۸۵]۔۔۔ فی الحقیقت ہندوستان کی اقتصادی مشکلات کا جو شعور اقبال کو تھا وہ اور بہت کم لوگوں میں نظر آتا ہے وہ جانتے تھے کہ ہندوستان کی تمام بیماریوں کا حل اقتصادی ترقی میں پوشیدہ ہے۔ اقبال کی معاشیات ہند سے دلچسپی ان کے مضمون ''قومی زندگی''[۸۶] سے بخوبی عیاں ہوتی ہے۔

اقبال اور معاشیات

اقبال کے معاشی افکار کی نوعیت:

معاشیات ایک معاشرتی علم ہے جس کا تعلق معاشی مسائل پر غور وفکر کے بعد انھیں حل

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کرنے سے ہے تاکہ معاشی خوشحالی کا حصول ممکن ہو سکے۔انھی وجوہ کے پیش نظر اقبال نے مجموعی قومی دولت کے فروغ و تقسیم کی پالیسیاں مرتب کرتے ہوئے انسانی شخصیت کی تعمیر اور ارتقائے تمدن کو پیشِ نظر رکھنا لازم قرار دیا ہے[۸۷]۔اسی لیے اقبال نے علم معاشیات کے اہم مفروضے کو رد کرتے ہوئے انسان کی معاشی زندگی کو خودغرضی اور ایثار دونوں کا امتزاج قرار دیا ہے۔اقبال کے بعض معاشی افکار تو ایسے ہیں جن پر نئے علوم کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے خاص کر اشتراکیت اور اسلامی معاشیات یا فقہ کے حوالے سے ان کے افکار۔

اقبال کا معاشی شعور:

اقبال کو اقتصادیات سے گہری دلچسپی تھی ان کے فکری سرمائے کا ایک دقیع حصہ بالواسطہ طور پر اسی موضوع سے متعلق ہے اگرچہ اقبال نے اقتصادیات کو بطور مضمون نہیں پڑھا لیکن ایم اے اور بی اے کی جماعتوں کو اقتصادیات کی تدریس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے اس مضمون کا گہرا مطالعہ کیا تھا خود علم الاقتصاد کی تصنیف اس کا واضح ثبوت ہے۔اقبال کی بعد کی تحریریں ثابت کرتی ہیں کہ اپنے عہد کی تمام معاشی تحاریک سے کلی طور پر باخبر تھے۔سرمایہ داری اور اشتراکیت کے بارے میں اقبال نے نظم و نثر میں دونوں میں اظہار خیال کیا ہے اسی پختہ معاشی شعور کی وجہ سے اقبال نے سودیشی تحریک کی مخالفت کرتے ہوئے اسے اقتصادی لحاظ سے غیر مفید قرار دیا تھا[۸۸]۔ اس تناظر میں مخالفین اقبال کا یہ اعتراض بالکل غلط ہے کہ اقبال علم معاشیات سے قطعی ناواقف تھے۔

کیا اقبال نے کوئی مربوط معاشی نظریہ وضع کیا؟

اگرچہ اقبال نے فلسفہ خودی کی طرح کوئی مربوط معاشی فلسفہ وضع نہیں کیا اس کے باوجود انھوں نے معاشیات کا عمیق مطالعہ کیا اور اپنے دور کے معاشی نظریات پر اس حد تک عبور حاصل کر لیا کہ اپنے افکار کی روشنی میں ان پر تنقیدی نظر ڈال سکیں۔

فکر اقبال میں معاش کی اہمیت:

اقبال اپنی زندگی کے فکری ادوار میں معاشی مسائل پر نظم و نثر میں خیال افروز اظہار رائے کرتے رہے۔قومی زندگی ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر، ۱۹۱۱ء کی مردم شماری پر مسلمانوں کے بارے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

میں تجزیاتی رپورٹ، لیجسلیٹو کونسل کی تقاریر ۱۹۲۷ء اور ۱۹۳۰ء خطبہ الٰہ آباد ۱۹۳۰ء رسالہ الکلیم میں ضبط تولید پر مضمون ۱۹۳۶ء اور قائداعظم کے نام خطوط میں ہندوستانی مسلمانوں کے معاشی مسائل پر بحث (۱۹۳۰ء سے ۱۹۳۸ء تک) اور خضر راہ، لینن، خدا کے حضور میں، فرشتوں کا گیت، اشتراکیت۔ کارل مارکس کی آواز، ابلیس کی مجلس شوریٰ، قسمت نامہ سرمایہ دار و مزدور، نوائے مزدور، محاورہ مابین کومٹ و مزدور جیسی نظمیں زندگی کے معاشی پہلو کے بارے میں ان کے حساسیت کی عکاسی ہیں جبکہ اس مضمون کے اشعار تمام کلام میں مختلف مقامات پر دیکھنے میں آتے ہیں۔

مسلم معاشرے کے اقتصادی مسائل پر اقبال کی نظر:

عبداللہ چغتائی کے نام خطوط میں اقبال نے دنیائے اسلام میں ذہنی انقلاب کے لیے اقتصادی مشکلات کے خاتمے کو ضروری قرار دیا ہے [۸۹]۔ انھوں نے ہندوستان کے دستور کو مسلمانوں کی معاشی تنگ دستی کا باعث قرار دیا ہے [۹۰]۔ معاشیات کی اسلامی قدروں سے نوجوان طبقے کو روشناس کرانے کے لیے علامہ اقبال نے مسلم انڈیا سوسائٹی کی حمایت کی جس کا مقصد اسلام کے اقتصادی پہلوؤں کی وضاحت کرنا تھا۔ اقبال نے مسلمانوں کی معاشی پسماندگی کا تجزیہ کرتے ہوئے بے معنی توکل، جہالت، رواج پرستی۔ صنعتی تعلیم کی کمی، امراء کی عشرت پسندی اور تعداد ازدواج وغیرہ [۹۱] کو عموماً اور ہندو مہاجن، سرمایہ دارانہ نظام اور غیر ملکی حکمرانوں کو خصوصاً مسلمانوں کی معاشی بدحالی کا ذمہ دار قرار دیا ہے [۹۲]۔

مسلمانوں میں اقتصادی پسماندگی کا شعور اور معاشی ترقی کا عزم پیدا کرنے کی خواہش:

اقبال کے طرزِ فکر کا ایک اہم پہلو ہے۔ وہ صرف حالات کا تجزیہ کر کے خاموش نہیں ہو جاتے بلکہ حالات و واقعات کے تجزیے کے بعد وہ یہ سوال کرتے ہیں کہ پس چہ باید کرد اے اقوام مشرق؟ اور اس مسئلے کا شافی حل بھی تجویز کرتے ہیں۔ معاشی ترقی کے لیے انھوں نے تعلیم کا نسخہ کیمیا تجویز کیا، میدانِ تجارت میں تنظیم اور کاشتکاروں کی مقروضیت کے ازالے کے لیے نوجوانوں کی انجمنیں قائم کرنے کی تجویز پیش کی۔ مارچ ۱۹۳۲ء لاہور کے خطبۂ صدارت میں اقبال نے ہر ممکن طریق سے کوشش کی کہ مسلمانوں میں معاشی ترقی کا عزم پیدا کیا جائے کیونکہ ان کی سیاسی بقا کا انحصار بھی بڑی حد تک اسی پر ہے [۹۳]۔ انھوں نے روٹی کے مسئلے، کو اسی لیے سنگین

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

قرار دیا کہ مفلسی [۹۴] مانع خودی ہے۔ مفلسی انسان اپنی عزت نفس کو داؤ پر لگانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اخلاقی ترقی بھی بجز ایک مضبوط معیشت کے ممکن نہیں [۹۵]۔ (زمانہ کانپور اپریل ۱۹۰۶ء)

مسلمانوں کی معاشی بدحالی ختم کرنے کے لیے اقبال کی کاوشیں:

اقبال نے مسلمانوں کی اقتصادی پسماندگی کو ختم کرنے کے لیے جو تجاویز پیش کیں ان کے عملی نفاذ کے لیے بھی کوشاں رہے۔ پنجاب لیجسلیٹو کونسل کے رکن کی حیثیت سے اقبال نے ۱۹۳۷ء سے ۱۹۳۰ء کے عرصے میں ہر ممکن کوشش کی۔ صوبائی میزبانیوں پر تنقید کے دوران پیش کی گئی عملی تجاویز کا مقصد معیشت کا عادلانہ فروغ اور غربت، جہالت اور بیروزگاری کے خاتمے کی کوشش کرنا تھا یہ عملی تجاویز درج ذیل ہیں:۔

۱۔ چھوٹے زمینداروں کے استحقاق کی حفاظت کی تجاویز۔ سرکاری زمینوں کے استعمال کا حق بے زمین کاشتکاروں کو دینا۔ کاشتکاروں کے لیے مطلوبہ سہولتیں مہیا کرنا۔ دو بیگھے تک زمین کے مالکوں سے مالیہ وصول نہ کرنا [۹۶]۔

۲۔ خود کاشت زمیندار کی حمایت: زمین حکومت کی نہیں قوم کی ملکیت ہوتی ہے۔ اسلامی شریعت کی روشنی میں کاشت نہ کرنے والے زمین دار کا زمین پر کوئی حق نہیں۔ حکومت اس زمیندار سے لے کر یہ زمین کسی دوسرے کاشتکار کو دے سکتی ہے۔ یہ انقلابی اقدام جاگیرداری اور ڈیرہ ازم پر کاری ضرب لگانا ہے جس کا لازمی نتیجہ زرعی پیداوار میں اضافہ کی شکل میں نکلتا ہے۔ خود حکومت بھی ملکیت زمین کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ زمین صرف اس کی ہے جو اسے کاشت کرے۔

۳۔ دیہات سدھار انجمنوں کا قیام۔

۴۔ ایلوپیتھی کے ساتھ ساتھ طب مشرقی کا احیا (۲۲ فروری ۱۹۲۸ء کی تقریر کونسل میں)۔

۵۔ عورتوں تعلیم و تربیت اور اصلاح پر زور۔

۶۔ صنعتی تعلیم کی خصوصی اہمیت۔

۷۔ مالیہ کو انکم ٹیکس کی طرح قیاس کرنا۔

۸۔ وراثت اور موت ٹیکس کا نفاذ۔

۹۔ فحابرہ کی خدمت۔

۱۰۔ صنعتی ترقی کی ضرورت و اہمیت پر زور۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

۱۱۔حکومت کے انتظامی اخراجات کو کم کرنا۔

یہ تمام تجاویز وقتاً فوقتاً ۱۹۲۷ء سے ۱۹۳۰ء کے عرصے میں پنجاب لیجسلیٹو کونسل میں تقاریر کے دوران پیش کی گئیں جو کہ زرعی معیشت پر اقبال کی عمیق نظری کو ثابت کرنے کے ساتھ ساتھ دیگر اقتصادی مسائل پر عبور کو بھی ظاہر کرتی ہے۔

اقبال کے معاشی نظریات کے ارتقائی مراحل:

اقبال کے معاشی نظریات کا اولین اظہار ان کی تصنیف علم الاقتصاد میں ہوا بعد ازاں چونکہ خود اقبال کے خیال میں اقتصادی نظریات میں کافی تغیرات رونما ہو چکے تھے اس لیے اقبال نے اسے ابتدائی کتاب قرار دے کر اسے دوبارہ چھاپنے سے احتراز کیا لیکن یہ بات قابل غور ہے کہ باوجود تغیرات کے اقبال کے معاشی تصورات کی عمارت انہی بنیادوں پر استوار ہوئی جو علم الاقتصاد میں پیش کئے گئے تھے۔ اگرچہ اقبال نے ابتداً مغربی ماہرین معاشیات مارشل، واکر، سمتھ، ریکارڈو اور مل وغیرہ سے استفادہ کیا لیکن اصل میں وہ نہ کلاسیکی اور نو کلاسیکی ماہرینِ معاشیات سے متاثر ہوئے اور نہ کارل مارکس سے بلکہ ذاتی غور و فکر کے بعد اقبال نے اسلامی اقتصادی اصولوں کو بہترین قرار دیا۔

اقبال کے معاشی نظریات کے ماخذ:

جس طرح فکر اقبال کے ہر پہلو کی اساس قرآن حکیم ہے اس طرح اقبال کے معاشی تصورات کی بنیاد بھی اسلامی ہے اگرچہ اقبال نے علم الاقتصاد کے مضامین مختلف مغربی ماہرینِ معاشیات کی مستند کتب سے اخذ کیے ہیں لیکن اس ابتدائی دور میں بھی اقبال نے بتا دیا کہ 'بعض جگہ میں نے اپنی رائے کا بھی اظہار کیا ہے' آگے چل کر فکر اقبال میں جوں جوں پختگی آتی گئی ان کے اقتصادی نظریات کے ماخذ بدلتے گئے۔ ویسے تو علم الاقتصاد کا سرورق بھی ظاہر کرتا ہے کہ اقبال نے اسلام کے زمانہ، عروج کے ماہرین سے استفادہ کیا ہے جو معاشی نظریات کو 'علم سیاست مدن' کا حصہ سمجھتے تھے۔ ان میں محمد بن حسن طوسی اور ابن خلدون قابلِ ذکر ہیں کیونکہ اقبال نے سرورق پر علم الاقتصاد کے نیچے قوسین میں جس کا معروف نام علم سیاست مدن ہے ۹۸ تحریر کیا ہے۔ بعد ازاں اقبال کی نظم و نثر کے مطالعے سے ثابت ہو جاتا ہے کہ اقبال کے معاشی تصورات کے ماخذ اہل مغرب یا اشتراکی نہیں بلکہ قرآن، حدیث اور فقہ اسلامیہ ہیں۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

دنیا میں رائج نظامہائے معیشت کا تجزیہ فکر اقبال کے تناظر میں:

دنیا میں رائج نظامہائے معیشت میں

۱۔اسلامی نظام معیشت

۲۔انفرادی یا سرمایہ دارانہ نظام

۳۔اشتراکی یا اشتمالی نظامِ معیشت شامل ہیں۔ملتِ اسلامیہ کی موجودہ سیاسی تنزل کی بنا پر اسلامی نظامِ معیشت اگرچہ اتنا موثر نہیں رہا لیکن اقبال اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ جدید تصورات معیشت اپنی جگہ خواہ کتنے محمود ہوں اسلامی نظامِ معیشت کی ہمہ گیری کا مقابلہ نہیں کر سکتے یہی وجہ ہے کہ اقبال ہمیں سرمایہ داری اور اشتراکیت پر دو کی قباحتوں سے روشناس کراتے ہوئے معیشت اسلامی کے نظام عدل و انصاف کی طرف متوجہ کرتے ہیں اور محنت کشوں کے انقلابی نغموں کی بدولت اپنے حقوق کے لیے لڑنے کا شعور عطا کرتے ہیں کیونکہ اسلام محنت کشوں کے حقوق کا تحفظ سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں سے زیادہ بہتر انداز میں کرتا ہے بشرطیکہ نظامِ اسلامی کو صحیح طور پر نافذ کی جائے۔اقبال کے نزدیک اسلامی نظام معیشت بہترین نظام ہے کیونکہ:

۱۔ دین و دنیا کی ہم آہنگی کا حامل ہے: معاشی ترقی کو اہمیت تو دیتا ہے لیکن حصولِ دولت کے لیے انسان کو مشین بن جانے کی اجازت نہیں دیتا۔

ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات[۹۹]

۲۔ ترقی پذیر ممکنات کی موجودگی: اسلام تمام مادی قیود سے بیزاری کا اظہار کرتا ہے اس کا اصل اصول نہ اشتراکِ زبان ہے نہ اشتراک وطن و اغراض اقتصادی یہی وجہ ہے کہ ابلیس بھی اسلامی نظام کی برتری کا اعلان کرتا دکھائی دیتا ہے۔

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس امت سے ہے
جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو[۱۰۰]

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

۳۔ قرآن پاک انقلاب حقیقی کا پیغامبر: لا سے الا کی طرف پیش قدمی کا دعویٰ صرف اسلام ہی کر سکتا ہے۔ لا قیصر ولا کسریٰ کا نعرہ بھی اسلام ہی نے لگایا تھا۔ اشتراکیت کا انقلاب ادھورا ہے اس میں لا کی منزل تو ہے لیکن یہ الا اللہ سے بے گانہ ہے

کردہ کار خداونداں تمام
بگزر از لا جانبِ الا احترام

کا پیغام اشتراکیت کے لیے ہے کیونکہ انسان کے اقتصادی امراض کا جو علاج قرآن نے تجویز کیا وہی بہترین ہے۔ اقبال نے لا اور الا کو بطور معاشی اصطلاحات استعمال کیا ہے۔

۴۔ قل العفو کا نظریہ: انسان کے بنیادی حقوق کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایسے متوازن معاشی نظام کی وضاحت کرتا ہے جس میں ازِ دولت کی قطعاً گنجائش نہیں رہتی۔ اقبال اقتصادی معاملات میں اسلام میں اسلام سے رہنمائی حاصل کرنے کے متمنی ہیں۔

جو حرف قل العفو میں پوشیدہ ہے اب تک
اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار[۱۰۱]

اقبال اشتراکیت کی مساوات شکم بجائے اسلامی مساوات کے قائل ہیں جس میں فرقِ مراتب کو تسلیم کیا جاتا ہے اور جس کا مقصد کس نگردد در جہاں محتاج کس

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

۵۔ معاشی اعمال کا تابع اخلاق ہونا: اسلام کے نظامِ معیشت کی خصوصیت ہے اور یہی چیز اسے سرمایہ داری اور اشتراکیت سے ممیّز کرتی ہے۔ سرمایہ داری فقط پیٹ کی آگ بجھانے کا نام ہے اور اشتراکیت بھی 'معیشت بے قدر' کہلاتی ہے جبکہ اسلامی تعلیمات کی عکاسی اقبال کے اس شعر سے ہوتی ہے۔

دل برنگ و بوئے و کاخ و کومدہ
دل حریم اوست جز با اومدہ [۱۰۲]

٦۔ حق ملکیت کا معتدل تصور: اقبال نے اسلام کے حق ملکیت کی تشریح اس شعر میں کی ہے۔

رزق خود راا ز زمیں بروں رواست
ایں متاع بندہ و ملک خداست [۱۰۳]

اسلام اشتراکیت اور سرمایہ داری کی افراط تفریط سے کلیتہً مبرا ہے۔

وہ خدیا! نکتۂ از من پذیر
رزق و گورا ز وے بگیر او را مگیر [۱۰۴]

اقبال آل احمد سرور کے نام خط محررہ مارچ ۱۹۳۷ء میں واضح طور پر لکھتے ہیں۔کمیونزم یا زمانہ حال کے ازم میرے نزدیک کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ میرے عقیدے کی رو سے اسلام ہی ایک حقیقت ہے جو نوعِ انسان کے لیے ہر نقطۂ نگاہ سے موجبِ نجات ہو سکتی ہے [۱۰۵]۔ اور یہ کوئی خیالی بات نہیں کارونِ اولیٰ میں اس کا کامیاب ترین تجربہ ہو چکا ہے۔

سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت:

فکر اقبال کے تناظر میں سرمایہ دارانہ نظام استبداری نظام ہے۔ جور، جبر اور مکروحیلہ سے دوسروں کے مال پر غاصبانہ قبضہ اس کا معمول ہے۔ ''غیر کی کھیتی پہ نظر رکھنا'' اس کی فطرت ہے۔ وہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

سرمایہ دار کو زمین کا بوجھ چور تصور کرتے ہیں جو دوسروں کی محنت پر انحصار کرتا ہے اس لیے وہ کہتے ہیں۔

کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ
دنیا ہے تری منتظر روز مکافات[۱۰۶]

جاگیرداری، کارخانہ داری، سودخوری، سرمایہ داری کی مختلف صورتیں ہیں۔ اقبال سرمایہ داری کی ان تمام صورتوں کے خلاف تھے۔

مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات[۱۰۷]
زمزد بندۂ کر پاس پوش و محنت کش
نصیب خواجہ نا کردہ کار رفتِ حریر[۱۰۸]

اقبال کی نظر میں سرمایہ داری استبداری نظام ہے جو

از ضعیفاں نان بودن حکمت است
از تن شاں جاں ربودن حکمت است[۱۰۹]

کی خصوصیت رکھتی ہے۔

i) انحطاط تمدن:۔ سرمایہ داری اقدارِ عالیہ کو ختم کر کے مادیت پرستی سکھاتی ہے۔

شیوۂ تہذیب نو آدم دری است
پردہ آدم دری سودا گری است[۱۱۰]

اسی لیے اقبال کو سرمایہ دارانہ نظام کے باوصف تہذیب انسانی کا انجام ہولناک نظر آتا ہے۔

ii) لادینی:۔ سرمایہ داری کی بہت بڑی خامی حق پر یقین کا فقدان ہے اس لیے ان کے نزدیک

آواز افرنگ و از آئین او
آہ از اندیشہ لا دین او[۱۱۱]

iii) فطری تقسیم کار کا نظریہ:۔ شخصی ملکیت کے طرف دار معیشت کے کاروبار میں تقسیم کار کو فطری قرار دیتے ہیں لیکن اقبال کے نزدیک یہ محنت کشوں کو دھوکہ دینے والی بات ہے کیونکہ۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

بدوش زمیں بار سرمایہ دار
ندارد گذشت از خور و خواب کار[۱۱۲]

iv)ارتکاز دولت:۔ سرمایہ داری میں قوت سرمایہ کو لامحدود کر دینے سے طبقاتی تفاوت بڑھ جاتی ہے اور مساوات ختم ہو جاتی ہے

عقل خود بیں غلغلہ از ہم بنود غیر
سود خود بیند نہ بیند سود غیر[۱۱۳]

اشتراکی نظام معیشت:

پہلی جنگ عظیم کے بعد انقلاب روس کے نتیجے میں اشتراکی نظام روس میں قائم ہوا۔ یہ نظام چونکہ سرمایہ داری کے خلاف ردِعمل تھا اس لیے اقبال نے اس کے بعض ایجابی پہلوؤں کو سراہا اور اپنے کلام میں بھی اس کے بارے میں بہت کچھ کہا لیکن اس کے ساتھ ہی اس کے سلبی پہلوؤں کو رد بھی کر دیا۔ اقبال نے اشتراکیت کے جن ایجابی پہلوؤں کی تعریف کی ہے وہ یہ ہیں۔

۱) محنت کشوں کے حقوق کا تحفظ:۔ اشتراکیت کی خصوصیت شمار کی جاتی ہے۔

غلام گرسند دیدی کہ برو رید آخر
تمیض خواجہ کہ رنگین ز خونِ ما برد است[۱۱۴]

کارل مارکس نے دنیا کی توجہ سرمایہ داروں کی خامیوں کی طرف مبذول کرائی۔ سرمایہ محنت کی آویزش ایک نہایت اہم مسئلہ ہے۔ اقبال محنت کشوں کے تحفظ کے سلسلے میں اشتراکیت کو سراہتے ہیں۔

اٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاخِ امرا کے درو دیوار ہلا دو
جس کھیت سے دہقان کو میسر نہ ہو روزی
اس کھیت کے ہر خوشہ گندم کو جلا دو[۱۱۵]

۲) شخصی ملکیت زمین کی مخالفت:۔ اشتراکیت کا دوسرا ایجابی پہلو ہے۔ اقبال کا خیال بھی یہی ہے کہ زمین خدا کی پیدا کی ہوئی ہے اور اس کی حیثیت ہوا اور پانی کی سی ہے زمین کی پیداوار سے استفادہ اُسی کا حق ہے اس پر محنت کی ۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

وہ خدایا ! یہ زمیں تیری نہیں میری نہیں
تیرے آبا کی نہیں تیری نہیں میری میری[۱۱۶]

۳) **ارتکاز دولت کی مخالفت:۔** اشتراکیت نے سرمایہ داری کا خاتمہ کر کے ارتکاز دولت کا قلع قمع کر دیا اور زائد از ضرورت مال کو عوام کی عام احتیاج کے لیے وقف کرنے کا نظریہ اقبال کی نظر میں عین قرآنی تعلیم ہے جو قل العفو کے اصول کے مطابق ایک معاشرت پیدا کر سکتا ہے۔اسی لیے اقبال نے امید ظاہر کی ہے کہ۔

جو حرفِ قل العفو میں پوشیدہ ہے اب تک
اس عہد میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار[۱۱۷]

۴) **اشتراکیت کی حرکت پسندی اور انقلابی روح:۔** اقبال کے نزدیک اس کا ایجابی پہلو ہے بقول اقبال۔

روس را قلب و جگر گردیدہ خوں
از ضمیرش حرف ''لا'' آمد بروں[۱۱۸]

اشتراکیت کے ان ایجابی پہلوؤں کو سراہنے کی بنا پر اقبال کو کارل مارکس کا مداح تصور کر لیا گیا حالانکہ اقبال اشتراکیت کے مداح نہیں وہ صرف ان اصولوں کے مداح ہیں جو اسلام کے اقتصادی اصولوں کے قریب تر ہیں ورنہ وہ اشتراکیت کے بہت سے پہلوؤں کے ناقد بھی ہیں۔ اقبال نے ایڈیٹر 'زمیندار' کے نام ۲۴ جون ۱۹۲۳ء کو ایک خط لکھا جس میں بالشویک خیالات رکھنے والے کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیتے ہوئے انسانی جماعتوں کے اقتصادی امراض کا بہترین حل تعلیمات قرآنی کو قرار دیا[۱۱۹]۔خواجہ غلام السیدین کے نام خط میں بھی اقبال نے تاریخ انسانی کی مادی تعبیر کو غلط قرار دیا تھا[۱۲۰] اور آل احمد سرور کے نام خط میں بھی فاشزم، کمیونزم اور زمانہ حال کے پرازم کے مقابلے میں اسلام کو موجب نجات قرار دیا ہے[۱۲۱]۔

اشتراکیت کے سلبی پہلو:

اقبال اشتراکیت کے چار نظریات سے متفق نہیں۔

۱) **ملحدانہ نظریات:۔** اشتراکیت نے مذہب کے تردید اور الحاد پرستی کو شعار بنایا ہے اس لیے اقبال کے نزدیک وہ 'لا' کی منزل ہر رک گیا ہے حالانکہ اقبال کے نزدیک۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

در مقام لا ینا سائید حیات
سوئے الا می فرامد کائنات[۱۲۲]

زندگی کی بہت بڑی حقیقت ہے۔اس لیے اقبال نے ملوکیت کے ساتھ ساتھ اسے بھی یزداں ناشناس کہا ہے۔

۲)مزدوروں کی آمریت:۔سرمایہ داری میں استحصال کا ذمہ دار سرمایہ دار ہوتا ہےلیکن اشتراکیت میں پارٹی خود استحصال کا باعث بن جاتی ہےاورمزدوروں کی ڈکیٹٹر شپ قائم ہو جاتی ہے۔

زمام کار اگر مزدور کے ہاتھوں میں ہو پھر کیا
طریق کوہکن میں بھی وہی حیلے ہیں پرویزی[۱۲۳]

۳) دین و سیاست کی علیحدگی:۔اشتراکیت دین وسیاست کوالگ الگ کر دیتی ہے کیونکہ اس میں مذہب کے لیےکوئی گنجائش نہیں جبکہ اسلامی اصولوں کےعین مطابق اقبال کہتے ہیں کہ

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو!
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی[۱۲۴]

۴) مساواتِ شکم پردار و مدار:۔اقبال نے جاوید نامہ میں اشتراکیت کی اس خامی کا تذکرہ کیا ہےاور کارل مارکس کے بارے میں کہا ہے۔

دین آں پیغمبر حق ناشناس
بر مساواتِ شکم دارد اساس[۱۲۵]

کارل مارکس یعنی ُسرمایہٗ نامی کتاب لکھنے والے کی تعلیمات اگر چہ کسی حد تک درست ہیں لیکن روحانیت سے قطعی عاری ہیں۔نتیجہ یہ ہے کہ۔

روسیاں نقش نومی انداختند
آب و ناں بردند و دیں در باختند[۱۲۶]

ایک عالمگیر نظام کسی محکم اساس کا طالب ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ لینن نے بھی بالاخر اس خامی کومحسوس کر لیا کہ انسان کا نصب العین روٹی نہیں بلکہ معیار انسانیت کو بلند کرنا ہے۔اشتراکیت

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

فطرت کے خلاف جنگ کر رہی ہے اور انسانوں کے طبعی فرق کو منطق کے زور سے مٹانا چاہتی ہے۔ حالانکہ یہ فرق خود روس میں بھی نہیں مٹ سکا۔ وہاں پر بھی یہ فرق موجود ہے۔[۱۲۷]

اقبال سب نظامہائے معیشت کا جائزہ لینے کے بعد اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ انسانوں کے معاشی اور تمدنی کا تسلی بخش حال قانونِ اسلامی کے نفاذ اور جدید نظریات کی روشنی میں اس کے مزید فروغ میں ہے۔[۱۲۸]

اقبال کی نثری تحریروں میں معاشی آرا:

اجرت کا مسئلہ:۔ اقبال نے عاملین پیدائش کی اجرت کے متعلق اظہار کرتے ہوئے 'قومی تعلیم کو کمی اجرت کا بہترین نسخہ' قرار دیا۔[۱۲۹]

مخلوط معیشت:۔ اقبال حق ملکیت کا معتدل تصور رکھتے ہیں اس لیے مخلوط معیشت کے حامی ہیں۔ ایسی معیشت جو نجی کوشش کو ایک متعین حد تک قبول کرے اور ریاستی تحویل کا اصول بھی نافذ کرے۔ بے قید معیشت پر اپنی اولین تصنیف میں تنقید کرتے ہوئے کہا۔ ''یاد رکھنا چاہیے کہ حقیقی آزادی قیود کو دور کرنے سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ بعض قیود سے آزادی کا دائرہ اور وسیع ہوتا ہے۔[۱۳۰]

احتکار و اکتناز کی مذمت:۔ پنجاب لیجسلیٹو کونسل میں تقریر کرتے ہوئے اقبال نے وراثت ٹیکس کی جو تجویز پیش کی اس کا مقصد بھی اکتناز دولت کی حوصلہ شکنی تھی[۱۳۱]۔ خطبہ الٰہ آباد میں بھی ایسی سوسائٹی کا تذکرہ کیا جہاں شکم کی مساوات کی بجائے روحوں کی مساوات کا اہتمام کیا جائے اور اکتناز دولت کا کوئی امکان نہ ہو۔[۱۳۲]

مساوی آمدنی کے نظریہ کی مخالفت:۔ اقبال کے نزدیک رزق کی عادلانہ تقسیم اگرچہ عین دین ہے لیکن ہر شخص کی آمدنی اس کی قابلیت و صلاحیت کے مطابق طے ہوتی ہے اس لیے یہ ممکن نہیں کہ ہر شخص ایک سی آمدنی حاصل کر سکے اس لیے فرق مراتب لازم ہے۔

اسلامی معاشیات کی تجدید نو کی ضرورت:۔ علامہ معاشیات کی اسلامی قدروں کے بارے میں تحقیق کی جانب نوجوانوں کو توجہ دلاتے رہتے تھے، مسلم انڈیا سوسائٹی کا مقصد بھی نوجوانوں کو اسلام کے اقتصادی اصولوں کی جانب متوجہ کرنا تھا۔ اسلامی اقتصادیات کی تجدید نو کی ضرورت کے پیش نظر ہی اقبال نے اس سوسائٹی کے ساتھ اپنی عمیق ترین محدودیاں مختص کرنے کا

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اعلان کیا تھا۔[۱۳۳]

مسلمانوں کے معاشی مسائل کے حل کے لیے نفاذ آئینِ اسلامی کی ضرورت:۔

علامہ اسلامی قانون کی تجدید نو پر اس لیے زور دیتے تھے کہ ان کے نزدیک مسلمانوں کے معاشی مسائل کا حل اسلام کے اقتصادی نظام کے نفاذ سے وابستہ تھا۔ قائداعظم کے نام خط میں انھوں نے لکھا۔ ''خوش قسمتی سے اسلامی قانون کے نفاذ میں اس مسئلہ کا حل موجود ہے اور فقہ اسلامی کا مطالعہ مقتضیاتِ حاضرہ کے پیش نظر دوسرے مسائل کا حل بھی پیش کرسکتا ہے''۔[۱۳۴]

لارڈ لوتھین کے نام خط میں بھی انھی خیالات کا اظہار کیا۔ اسلام معاشی نظام کی حیثیت سے بہت دلچسپی کا باعث ہوگا اور موجودہ دور کی مشکلات کے عملی حل پیش کر سکے گا۔[۱۳۵]

منافع یا قدر زائد کا نظریہ:۔ اقبال کے نزدیک قدر زائد اہل محنت کے استحصال اور پیداوار میں منصوبہ بندی کا نتیجہ ہے اور وہ ''کھائے کیوں مزدور کی محنت کا حق سرمادار'' کے قائل ہیں۔ لیکن اس سلسلے میں مزدوروں کی آمریت کے خلاف ہیں۔ سرمایہ دار کو اس کی محنت اور سرمائے کا صلہ ضرور ملنا چاہیے۔۔۔ زمامِ کار اگر مزدور کے ہاتھوں میں ہو پھر کیا؟ طریق کوہکن میں بھی وہی حیلے ہیں پرویزی۔[۱۳۶]

کسبِ مال کی حدود:۔ اقبال کے نزدیک صنعتی اور تجارتی تعلیم بلا کسی اخلاقی تربیت کے بجائے خود مکتفی نہیں ہوتی۔ اقتصادی مقابلہ میں اخلاقی عنصر کی کچھ ضرورت نہیں ہوتی اس لیے ان کے خیال میں اچھے کاریگر، اچھے دکاندار اور اہل حرفہ بننے کے لیے انھیں پہلے پکا مسلمان بنائیں[۱۳۷]۔ یعنی کسبِ مال کی اسلامی حدود کے اندر رہنا ضروری ہے۔

معاشی ترقی کے لیے بلند معیار تعلیم، بلند شرح خواندگی اور صنعتی تعلیم کی اہمیت:۔

اقبال کے ذہن میں قومی تعلیم کا خیال علم الاقتصاد کی تصنیف سے بھی پہلے ''سید کی لوح تربت'' کے زیرعنوان نظم میں موجود ہے[۱۳۹]۔ اس سے ندوی کی کتاب انسانِ کامل کے مندرجات کی تردید ہوتی ہے جس کے مطابق۔۔۔ ''اقبال نے اپنی شاعری کے پہلے اور دوسرے دور میں تعلیم پر کچھ نہیں لکھا صرف تیسرے دور میں اس پر اظہار خیال کیا[۱۴۰]۔ اقبال کی ابتدائی کتاب ''قومی زندگی'' میں قومی تعلیم کی بنیاد انقلابِ حالات کی وجہ سے پیدا شدہ ضرورتوں پر رکھنے کی تاکید کی گئی ہے[۱۴۱]۔ صنعتی تعلیم کی اہمیت کے بارے میں کہا۔ ''مسلمانوں کو تعلیم کی تمام شاخوں

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

سے زیادہ صنعت کی تعلیم پر زور دینا چاہیے'' ۱۴۲۔اسی طرح مسلمانوں کو تعلیم کی طرف راغب کرنے اور شرح خواندگی بلند کرنے کی غرض سے کہا۔۔''مسلمانوں کو بے شک علوم جدیدہ کی تیز یا رفتار کے قدم بقدم چلنا چاہیے'' ۱۴۳۔صنعت وحرفت کی ترقی پر زور دیتے ہوء پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔۔''صنعت وحرفت پر ہمارا خرچ نہ ہونے کے برابر ہے۔۔۔ صنعتی ترقی سے ہی ہم اپنے آپ کو بے کاری کی لعنت سے بچا سکتے ہیں'' ۱۴۴۔

کسب معاش میں عورت کا کردار:۔

اقبال نے علم الاقتصاد میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کسبِ معاش میں عورت کے فعال کردار کے حامی ہیں ۔مثلاً اجرت کے ضمن میں یہ تحریر۔۔۔بعض پیشوں میں دستکار کی بی بی اور اس کے بال بچوں کو بھی ہاتھ بٹانے کا موقع مل جاتا ہے بلکہ اکثر صورتوں میں بی بی کی کمائی میاں کے مساوی ہو جاتی ہے مثلاً بافندگی کا پیشہ ۱۴۵۔

خاندانی منصوبہ بندی کی معاشی اہمیت:۔

علم الاقتصاد کے آخری باب موسوم بہ آبادی میں اقبال نے واضع الفاظ میں لکھا ہے کہ۔۔ ''آبادی کا مناسب حدود سے نکل جانا افلاس اور دیگر بدنتائج کا سرچشمہ ہے'' ۱۴۶۔۔جہاں تک ممکن ہو بچوں کی کم سے کم تعداد پیدا کرے ۱۴۷۔۔اور اس مقصد کا حصول بڑی عمر کی شادی، شرح پیدائش کو کم از کم کرنا اور ضبط تولید کے ذریعے ممکن ہے۔پنجاب لیجسلیٹو کونسل میں تقریر کے دوران اگرچہ موضوع براہ راست یہ نہ تھا بلکہ لینڈ ریونیو بل پر بحث کے دوران اقبال نے استعارۃً کہا کہ۔۔''ضبط تولید کے اس دور میں طفل کشی کوئی بری بات نہیں'' ۱۴۸۔۔۔پھر بھی اس سے اقبال کے رجحان طبع کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔البتہ اس ابتدائی دور کے بعد اقبال نے خاندانی منصوبہ بندی پر اپنی بعد کی تحریروں میں کچھ نہیں لکھا۔شائد فساد خلق کے خوف سے ایسا ہوا ہو۔

معاشی نظریات کلام اقبال کے آئینے میں:

معاشی انقلاب کی خواہش:۔پہلی جنگ عظیم کے دوران نظامِ ملوکیت کے خلاف ردعمل کے نتیجے میں روس میں انقلاب آیا۔اقبال کے کلام میں اس انقلاب کی عکاسی جس انداز میں کی گئی ہے اس سے علامہ کے معاشی تصورات کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔مزدوروں کو مژدہ سناتے ہیں کہ دور

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ملوکیت تمام ہوا اب تمہارا دور آنے کو ہے۔

انقلاب بے کہ نہ گنجد بہ ضمیر افلاک
بینم و ہیچ ندانم کہ چناں می بینم[۱۴۹]

اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے[۱۵۰]

انجم میں بھی اپنوں نے ایسا ہی انقلابی نعرہ بلند کیا

خواجہ از خونِ رنگِ مزدور ساز و لعل باب
از جفائے دہ خدایاں کار دہقاناں خراب
انقلاب ! انقلاب ! اے انقلاب !![۱۵۱]

انقلاب خواہ دنیا کے کسی حصے میں ہوا گر یہ غلامی کی زنجیروں کا ٹنے کے لیے ہو تو اقبال اس کے ہمنوا ہیں۔ اشتراکیت کا یہی پہلو ہے جس اقبال نے تعریف کی لیکن یہ اشتراکیت کی تعریف نہیں انقلاب کی مدح سرائی ہے۔ اقبال چونکہ طبعًا انقلاب پسند ہیں اس لیے۔۔۔

اٹھوں میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاخِ امراء کے در و دیوار ہلا دو[۱۵۲]

کا پیغام دے کر اس اسلامی انقلاب کا پیغام دے رہے ہیں جس کے وہ سدا آرزومند رہے۔

طبقاتی تقسیم کی مذمت :۔ اقبال کے کلام میں جا بجا اسلام کے اقتصادی نظریات کی عکاسی کی گئی ہے جو موثر اور سچی مساوات پیدا کرتے ہیں اور جسے خدا نے ''فاصبحتم بنعمتہ اخوانا'' کی آیت کریمہ میں بیان کیا ہے۔ اقبال نے جا بجا اخوت و مساوات کو سراہا ہے۔۔۔

موت کا پیغام ہر نوع غلامی کے لیے
نے کوئی فغفور و خاقاں نے فقیر رہ نشیں[۱۵۳]

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز[۱۵۴]

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کلام اقبال میں جابجا طبقاتی تقسیم کی مذمت کی گئی ہے۔

تمیز بندہ و آقا فساد آدمیت ہے!!
حرزاے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں [۱۵۵]

اور

نسل و قومیت کلیسا سلطنت تہذیب رنگ
خواجگی نے خوب چن چن کر بنائے مسکرات [۱۵۶]

سرمایہ ومحنت کی آویزش:۔سرمائے اورمحنت کی آویزش کے سلسلے میں کلامِ اقبال میں جو کچھ کہا گیا ہے اس سے اکثر لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں کہ اقبال اشتراکیت کے حامی ہیں جیسا کہ شمس الدین حسن مدیر انقلاب نے ۲۴/جون ۱۹۲۳ء کو زمیندار اخبار میں انہی خیالات کی بنا پر اقبال کو اشتراکیت کا مبلغ اعلیٰ قرار دیا تھا [۱۵۷]۔حالانکہ اقبال کے خیالات اشتراکی نہیں خالصتاً اسلامی اصولوں کے تابع ہیں جن کے تحت مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے مزدوری ادا نہ کرنا گناہِ عظیم ہے جبکہ سرمایہ داری کے نام میں محنت کا استحصال عام سی چیز ہے۔بقول اقبال:

دستِ دولت آفریں کو مزدری یوں ملتی رہی
اہل ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکوٰۃ
مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات [۱۵۸]

اقبال اسی ظلم کے خلاف مزدور کا تحفظ چاہتے ہیں اوراس بات پر خوش ہوتے ہیں کہ:

غلام گر سنہ دیدی کہ بر درید آخر!
قمیصِ خواجہ کہ رنگیں ز خونِ مابود است [۱۵۹]

اقبال اسی ظلم کے خلاف ہیں:

تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات [۱۶۰]

لیکن یہ آویزش صرف سرمایہ داری واشتراکیت میں ہے اسلام میں نہیں۔

محنت و سرمایہ دنیا میں صف آرا ہو گئے
دیکھئے ہوتا ہے کس کس کی تمناؤں کا خون [۱۶۱]

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کے شعر میں اسی کشمکش کی طرف اشارہ ہے۔

قل العفو کا مسئلہ یا معاشی مساوات:

جو حرفِ قل العفو میں پوشیدہ ہے اب تک
اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار[۱۶۲]

اقبال کے اس شعر کے بارے میں اشتراکیت پسندوں نے بہت سے مغالطے پیدا کر دیئے ہیں حالانکہ اگر وہ اسی نظم کے اس سے پہلے شعر کو بھی ساتھ ساتھ کر دیکھیں گے تو مغالطے کی گنجائش نہیں رہتی:

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مسلماں
اللہ کرے تجھ کو عطا جرت کردار[۱۶۳]

اقبال کی نظر میں ''العفو'' کے معنی یہ نہیں کہ جو کچھ ضرورتوں سے باقی ماندہ ہے وہ زبردستی چھین لو۔ اس کا مطلب فقط یہ ہے کہ جو کچھ پس انداز ہے اس سے خرچ کرو اور وہ بھی رضا سے۔ وہ پہلے اپنی ضرورت پوری کر کے پھر انفاق کے قائل ہیں۔ البتہ قانونِ زکوۃ اس سے مستثنیٰ ہے۔ اس نفاذ جبری ہے اور ہر شخص پر فرض۔ خود 'العفو' والی آیت سے بھی رقم جمع کرنے کا اثبات ہوتا ہے کیونکہ زر محفوظ موجود ہو تو 'العفو' اپنی پس اندازی کی نوبت آئے گی۔ کلام اقبال میں اس معاشی مسئلے پر اسلامی نقطۂ نظر کے عین مطابق اظہار خیال کیا گیا ہے۔ اقبال تعلیم قرآنی کے مطابق مال کی چند ہاتھوں میں گردش کی بجائے دورانِ فون کی طرح جسم ملت کے ہر رگ و ریشہ میں پہنچنے کے قائل ہیں۔

ہیچ خیر از مردک زرکش مجو
لن تنالوا البر حتی تنفقوا[۱۶۴]

ارض للہ کا نظریہ:

اقبال کو چونکہ مسلمانوں کی اقتصادی بہبودی بہبود سے بہت دلچسپی تھی۔ مسلمان زیادہ تر کاشتکار تھے اور ان کے دل میں یہ بات سما دی گئی تھی کہ زمین حکومت کی ملکیت ہے اور زرعی مال گزاری کا نظام بھی اس مفروضے پر مبنی تھا۔ اقبال نے جہاں اپنی نثری تحریروں میں اس کی حالت کی وہاں کلامِ اقبال میں بھی جا بجا اس کی مذمت نظر آتی ہے۔ ابلیس کی مجلس شوریٰ میں:

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب
پادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمیں [۱۶۵]

وہ خدایا یہ زمین تیری نہیں میری نہیں
تیرے آبا کی نہیں تیری نہیں میری نہیں[۱۶۶]

مالک ہے یا مزارع شوریدہ حال ہے
جو زیر آسماں ہے وہ دھرتی کا مال ہے[۱۶۷]

باطن 'الارض للہٗ' ظاہر است
ہر کہ ایں ظاہر نہ بیند کافر است[۱۶۸]

اور

رزق خود را از زمین بردن رو است
ایں متاعِ بندہ و ملک خدا است
بندۂ مومن امیں، حق مالک است
غیر حق ہر شے کہ بینی مالک است[۱۶۹]

اقبال کا یہ معاشی نظریہ قرآنِ پاک کی آیت ''للہ مافی السموات والارض'' سے اخذ کیا گیا ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اقبال کی طرفیں ''زمین کا حقیقی مالک اللہ ہے۔ زمین اس کی متاع اور یہ متاع بے بہا روشنی، ہوا اور پانی کی طرح انسانوں کے لیے بنائی گئی ہے وہ اس سے فائدہ تو اٹھا سکتے ہیں اس پر ملکیت کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ ہاں رزق حاصل کرنے کی غرض سے جس قدر اراضی خود کاشت کر سکتا ہے وہ بحیثیت ایک امین اس کی ملکیت رہ سکتی ہے''[۱۷۰] لیکن الارض للہ کے یہ معنی نہیں کہ زمین کسی فرد یا اجتماع کی ملکیت ہو ہی نہیں سکتی اگر ایسا ہو جاتا تو اقبال انفاق پر شعر نہ لکھتے۔ ہاں البتہ لامحدود ملکیت کا مسئلہ الگ ہے اس کا نہ اسلام قائل ہے اور نا اقبال۔۔ ''وہ اجتماعی مصالح کے لیے ملکیت کے معقول تحدید کو جائز گردانتے ہیں''[۱۷۱]۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

لا اور الا بطور معاشی اصطلاحات:

علامہ اقبال نے روسیوں کو لا الہٰ کی بنیادوں پر قائم پایا تو انہیں الا اللہ کو اپنانے کی دعوت دیتے ہوئے قرآن کی معاشی تعلیمات کو سمجھنے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کی۔ انسانی معاشرہ میں الا اللہ کی اہمیت کا ذکر جاوید نامہ کے علاوہ 'پس چہ باید کرد' اور 'ضرب کلیم' میں بھی کیا ہے:۔

کردہ کار خداوندان تمام
بگذر از لا جانب الا خرام
در گزر از لا اگر جو ینده
تارہ اثبات گیری زندہ[۱۷۲]

روس را قلب و جگر گردید خوں
از ضمیرش حرف لا آئید بروں
کردہ ام اندر مقاماتش نگاہ
لا سلاطیں لا کلیسا لا الہ
فکر اور در تند باد لا بماند
مرکب خود را سوے الا نہ راند
درمقام لا نیا سائید حیات
سوے الا می خرا مد کائنات[۱۷۳]

نہادِ زندگی میں ابتدا لا انتہا اِلا
پیام موت ہے جب لا ہو اِلا سے بے گانہ
وہ ملت روح جس کی لا سے آگے بڑھ نہیں سکتی
یقین جانو ہوا لبریز اس ملت کا پیمانہ[۱۷۴]

یہ تمام اشعار اس امر پر شاہد ہیں کہ اقبال ایک عالمگیر معاشی نظام کے نفاذ کے لیے قرآن کو

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اساسِ محکم قرار دیتے تھے کیونکہ قرآن کا معاشی نظام اکتناز واحتکار۔ربا وقمار کو ممنوع قرار دیتا ہے اور جاگیرداری کا خاتمہ کرتا ہے۔

سرمایہ داری کے خلاف تحریکوں کی حمایت:

اقبال نے مغربی استعماری طاقتوں کی ملوکیت کے خلاف ہمیشہ آواز بلند کی وہ سرمایہ داری نظام کے مخالف تھے مسولینی کے اس حد تک ہم خیال تھے وہ بھی ان کی طرح سرمایہ داری کے خلاف تھا۔اقبال نے مسولینی پر دو نظمیں بھی تحریر کیں۔دونوں کا عنوان 'مسولینی' ہے ایک بال جبریل میں اور دوسری ضرب کلیم میں ہے۔

رومۃ الکبریٰ دگر گوں ہو گیا تیرا ضمیر
اینکہ می بینم بہ بیداریست یا رب یا بہ خواب
چشم پیران کہن میں زندگانی کا فروغ
نوجواں تیرے ہیں سوز آرزو سے سینہ تاب[۱۷۵]

اقبال نے مسولینی سے ملاقات کی اور اس کی ذہانت سے بہت متاثر ہوئے۔یورپ کی سرمایہ دار اقوام اشتراکیت اور فاشزم کے مخالف تھیں☆اقبال کی نظر میں دونوں نظام خامیوں کے حامل ہیں اسی لیے کہتے ہیں۔

مگر مسولینی نے چونکہ سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف بغاوت کی اور اس میں دراڑیں ڈالیں اس لیے اقبال اسے پسند کرتے تھے کہ بالآخر ایسے ہی جھٹکوں سے سرمایہ دارانہ نظام موت سے دو چار ہوگا۔تاہم فاشسٹ مسولینی نے چونکہ کسی مثبت نظام کے لیے بنیادیں فراہم نہ کیں لہٰذا وہ اس سے زیادہ قریب نہ ہو سکے۔

کیا زمانے سے نرالا ہے مسولینی کا جرم؟
بے محل بگڑا ہے معصومانِ یورپ کا مزاج
میں پھٹکتا ہوں تو چھلنی کو برا لگتا ہے کیوں
ہیں سبھی تہذیب کے اوزار میں چھلنی تو چھاج
پردہ تہذیب میں غارت گری، آدم کشی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کل روا رکھی تھی تم نے ، میں روا رکھتا ہوں آج[۱۷۶]

علامہ نے اس نظم میں مسولینی کے خیالات کی عکاسی کی ہے مگر اس سے یہ تاثیر لینا کہ علامہ فاشزم کے حامی تھے صریحاً غلط ہے۔ اس نظم کے آخری شعر کے الفاظ صاف طور پر بتا رہے ہیں کہ فی الحقیقت فاشزم بھی غارت گری اور آدم کشی کا دوسرا نام ہے۔

توڑ اس کا رومۃ الکبریٰ کے ایوانوں میں دیکھ
آل سیزر کو دکھایا ہم نے پھر سیزر کا خواب[۱۷۷]

مساوات شکم کی مذمت:

علامہ جہاں سرمایہ داری کی ارتکازِ دولت کے خلاف ہیں وہاں وہ اشتراکیت کی مساوات شکم کی اساس معیشت کو بھی رد کرتے ہیں۔

غریباں گم کردہ ام افلاک را
در شکم جو یند جانِ پاک را
رنگ و بو از تن نگیرد جان پاک
جز بہ تن کارے نہ، ندارد اشتراک
دین آں پیغمبر حق نا شناس
بر مساواتِ شکم دارد اساس[۱۷۸]

چونکہ یہ تن کو بارونق اور دل کو تاریک بناتی ہے۔ اس لیے اقبال سرمایہ داری کے ساتھ ساتھ اشتراکیت کو بھی تنقید کا نشانہ بناتے ہیں:

ہر دو را جاں ناصبور و ناشکیب
ہر دو یزداں ناشناس و آدم فریب
غرق دیدم ہر دو را در آب گل
ہر دو را تن روشن و تاریک دل[۱۷۹]

اسی لیے وہ فیصلہ دیتے ہیں کہ مساواتِ حقیقی اشتراکیت کے بس کا روگ نہیں کیونکہ۔۔۔

تا اخوت را مقام اندر دل است
بیخ او در دل نہ در آب و گل است[۱۸۰]

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

پیامبر اشتراکیت کی مذمت:

اقبال کے بارے میں یہ غلط تاثر پایا جاتا ہے کہ وہ اشتراکیت کے حامی تھے اور انہوں نے کارل مارکس سے بہت اخذ کیا۔ یہ تاخیر صریحاً غلط ہے۔ کلام اقبال میں کارل مارکس کے بارے میں متعدد مقامات پر خیال آرائی کی گئی ہے:

تیری کتابوں میں اے حکیم معاش رکھا ہی کیا ہے آخر
خطوط خمدار کی نمائش، مریز و کج دار کی نمائش[۱۸۱]

وہ یہودی فتنہ گروہ روح مزدک کا بروز
ہر قبا ہونے کو ہے اس کے جنوں سے تار تار[۱۸۲]

وہ کلیم بے تجلی وہ مسیح بے صلیب
نیست پیغمبر و لیکن در بغل دار و کتاب[۱۸۳]

صاحبِ سرمایہ از نسل خلیل
یعنی آں پیغمبر بے جبریل[۱۸۴]

دین آں پیغمبر حق ناشناس
بر مساواتِ شکم دارد اساس[۱۸۵]

مذکورہ اشعار سے بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ اقبال نہ اشتراکیت سے متاثر تھے اور نہ پیغمبر اشتراکیت سے۔

لیس للانسان الا ماسعیٰ کا نظریہ:

معیشت اسلامی: جس چیز کے بارے میں انسان نے محنت نہیں کی اس پر اس کا کوئی حق نہیں ہوسکتا۔ اس لیے علامہ مزدور اور اس کی محنت کا حق دلانے کے سلسلے میں عین اسلامی نظریہ کے مطابق مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے مزدوری ادا کر دینے کے قائل تھے اور اور مزدور سے نا

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

انصافی کے سخت خلاف تھے سرمایہ داری کے خلاف انہیں سب سے بڑی شکایت ہی یہی تھی کہ وہ مزدور کی محنت کا حق ثبت کر لیتا ہے۔ حکم حق ہے۔

''لیس للانسان الا ماسعیٰ''!

کھائے کیوں مزدور کی محنت کا حق سرمایہ دار[۱۸۶]

لیکن اس کے ساتھ ہی انھوں نے مزدور کو ہمیشہ یہ تلقین کی کہ وہ کوئی ایسا طریق عمل اختیار نہ کریں جو قرآنی تعلیم کے منافی ہو۔

فلسفہ فقر کی معاشی حیثیت: قرآن نے جس فقر کو سراہا ہے وہی اصل شہنشاہی ہے۔ اس کی بدولت خود مومن کو کائنات پر حکومت حاصل ہوتی ہے۔ یہ فقر اختیاری کہلاتا ہے اس پر جناب رسالت مآب ﷺ نے فخر کیا ہے جبکہ فقر اضطراری سے پناہ مانگی ہے۔ یہ فرد کے معاشی و مادی احوال پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اقبال کے نزدیک فقر ایک اسلوبِ زندگی ہے۔ ایک خاص وقار ہے جو انسان کو دولت کی ہوس سے بچاتا ہے۔[۱۸۷] یہ اس داخلی کیفیت کا نام ہے جس کا ذکر اقبال نے یوں کیا ہے۔

فقر خواہی از تہی دستی فعال
عافیت در حال و نے در جاہ و مال[۱۸۸]

فقر جنگاہ میں بے ساز و یراق آتا ہے
ضرب کاری ہے اگر سینے میں ہے قلب سلیم
اب ترا دور بھی آنے کو ہے اے فقر غیور
کھا گئی روحِ فرنگی کو ہوائے زر و سیم[۱۸۹]
نگاہ فقر میں شانِ سکندری کیا ہے
خراج کی جو گدا ہو وہ قیصری کیا ہے[۱۹۰]

نظریہ سود:

اقبال اسلامی نظام معیشت کو بہترین تسلیم کرتے ہوئے سود کی شدید طور پر مذمت کرتے ہیں ''انما البیع مثل الربوا'' والی کافرانہ دلیل کے بارے میں بال جبریل کی نظم 'لینن خدا کے حضور میں' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے
سود ایک کا لاکھوں کے لیے مرگِ مناجات[۱۹۱]

رعنائی تعمیر میں، رونق میں، صفا میں
گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کی عمارات[۱۹۲]

یہ نظام بنکاری جو سود پر چل رہا ہے اقبال اس کے سراسر مخالف ہیں۔ان کا بے حد مقروض ہونا اور بعض صوبوں میں ان کی ناکافی اکثریتوں کا خیال کر لیا جائے تو آپ کی سمجھ میں آ جائے گا کہ مسلمان جداگانہ انتخابات کے لیے کیوں مضطرب ہیں[۱۹۳]۔اقبال نے خطبہ الٰہ آباد میں واضح کیا کہ مسلمانوں کا بنیادی مقصد ترقی کی راہ میں آزادی سے مزین ہونا ہے۔اس مقصد کے حصول کی خاطر ہی وہ ایک آزاد اسلامی ریاست کے قیام کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں۔قائداعظم کے نام خط میں بھی اقبال نے انہی حقائق کا اظہار کیا ہے[۱۹۴]۔روٹی کا مسئلہ روز بروز نازک ہوتا جا رہا ہے۔مسلمان محسوس کر رہے ہیں کہ گزشتہ دو سو سال سے وہ برابر تنزل کی طرف جا رہے ہیں۔عام خیال ہے کہ اس غربت کی وجہ ہندو کی ساہوکاری اور سرمایہ داری ہے یہ احساس کہ اس میں غیر ملکی حکومت بھی برابر کی شریک ہے ابھی پوری طرح نہیں ابھرا۔اگر اسلامی قانون کو اچھی طرح سمجھ کر نافذ کیا جائے تو ہر شخص کے لیے کم از کم حق معاش محفوظ ہو جاتا ہے لیکن شریعت اسلام کا نفاذ اور ارتقا ایک آزاد مسلم ریاست کے بغیر اس ملک میں ناممکن ہے۔[۱۹۵] ان حقائق کی روشنی میں واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے کہ تحریک پاکستان کے پس پردہ بھی معاشی عوامل کارفرما تھے۔

عصر حاضر میں پاکستان کے معاشی مسائل:

اگرچہ معاشی مسائل ہر دور میں انسان کے لیے اہم ترین اور سب سے زیادہ توجہ کے حامل رہے ہیں لیکن دور حاضر میں معاشی مسائل ہمیشہ سے زیادہ اہمیت حاصل کر گئے ہیں۔عصر حاضر کی بڑھتی ہوئی ضروریات اور روز افزوں مہنگائی معاشی مسائل میں کئی گنا اضافہ کرنے کا باعث بن گئی ہے۔اگرچہ عہد اقبال میں بھی مسلمانوں کے لیے ''روٹی کا مسئلہ'' اہم ترین مسئلہ تھا لیکن یہ مسئلہ عصر حاضر کے معاشی مسائل سے بہت مختلف تھا۔اگرچہ اس وقت بھی ''قلیل اجرت، غلیظ مکان

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اور پیٹ بھر روٹی کو ترستے ہوئے بچے'' ۱۹۸ معاشی مسائل کی سنگینی کا احساس دلاتے تھے لیکن آج کے دور میں پاکستان کو جو معاشی مسائل درپیش ہیں وہ ثابت کرتے ہیں کہ پاکستان اس وقت تیسری دنیا کے دیگر ممالک کی طرح معاشی بدحالی کے گرداب میں بری طرح پھنسا ہوا ہے۔

☆ بیرونی قرضوں نے معیشت کو برباد کر دیا ہے
☆ بیرونی تجارت روبہ زوال اور جبکہ تجارتی توازن عنقا ہے
☆ زرمبادلہ کے وسائل غیر یقینی ہیں
☆ افراط زر کی وجہ سے کرنسی کی قیمت کم ہو رہی ہے
☆ حکومت کے غیر ترقیاتی اخراجات روز افزوں ہیں
☆ آبادی اور بیروزگاری میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے
☆ اقتصادی منصوبہ بندی نہ ہونے کے برابر ہے
☆ ہر سال کا بجٹ خسارے کی سرمایہ کاری کا پیغام لیکر آتا ہے

ہمارے خیال میں پاکستان کی معیشت میں کوئی بنیادی خامی ضرور ہے جس کی وجہ سے یہ روبہ زوال ہے۔ پاکستان کے ان معاشی مسائل سے نمٹنے کے لیے کمیٹیاں اور کمیشن بنائے جاتے ہیں جو کہ ہمیشہ بے نتیجہ ثابت ہوئے ہیں کیونکہ معاشی مسائل کو دفتری انداز میں حل نہیں کیا جا سکتا۔ اس مقصد کے لیے خلوص نیت کی قومی روی اور ان تھک محنت کی ضرورت ہے۔

علامہ اقبال کے معاشی افکار و تجاویز کی روشنی میں اگر ہم آج کے پاکستان پر نگاہ ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ ہم نے ان انقلابی خطوط پر اپنا معاشرہ اور اقتصادی ڈھانچہ تعمیر نہیں کیا جس کی نشاندہی انھوں نے کی تھی۔

☆ زرعی اصلاحات نتیجہ خیز نہیں
☆ دیہی علاقوں کی اصلاح و ترقی کے لیے کوئی ٹھوس کام نہیں کیا گیا
☆ صنعتی اور تجارتی تعلیم تو کجا شرح خواندگی نہ ہونے کے برابر ہے
☆ معاشیاں ناہمواریاں عروج پر ہیں
☆ بے روزگاری، افراط زر اور روز افزوں مہنگائی
☆ مفاد پرستی اور رشوت ستانی کا دور دورہ ہے

ان معاشی مسائل کے تناظر میں ملک کی مجموعی صورتحال بقول علامہ اقبال:

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

تیرے امیر مال مست، تیرے فقیر حال مست
بندہ ہے کوچہ گرد ابھی، خواجہ بلند نام ابھی ۱۹۹

معاشی ترقی کے راہ کی رکاوٹیں:

پاکستان کی معاشی ترقی کے راستے میں کئی رکاوٹیں حائل ہیں۔ مثلاً وسائل اور سرمائے کی کمی، آبادی اور وسائل میں عدم توازن کی صورت حال، ہنرمندی اور علوم وفنون کا فقدان، صنعتی پسماندگی، غیر موزوں معاشی پالیسیاں، ان سب کے نتیجے میں ملکی معیشت گوناں گوں مسائل کا شکار ہے۔ غیر ملکی قرضوں کا بوجھ نا قابل برداشت حد تک بڑھ چکا ہے۔ ملکی کرنسی کی قیمت دن بدن گرتی جارہی ہے۔ مہنگائی کا گراف بلند سے بلند تر ہوتا جارہا ہے اور ایک عام آدمی کے لیے زندگی بہت مشکل ہوگئی ہے۔

پاکستانی معاشرہ میں اقبال کے اقتصادی تصورات سے استفادہ کی صورتیں:

اگرچہ اقبال کے دور میں علم معاشیات کے مباحث کا دائرہ بہت وسیع اور مربوط نہ تھا، آج کی ترقیاتی معاشیات کی نسبت عہد اقبال کا علم معاشیات بہت تنگ داماں تھا اس کے باوجود اقبال نے انسانی زندگی کے معاشی مسائل اور ان کے حل کے لیے ٹھوس علمی تجاویز پیش کیں۔ پنجاب لیجسلیٹو کونسل کی ممبرشپ کے دوران ۱۹۲۷ء تا ۱۹۳۰ء صوبائی بجٹ تقاریر کے دوران اور وقتاً فوقتاً تقاریر کے مواقع پر انھوں نے جو عملی تجاویز پیش کیں وہ دوررس نتائج کی حامل تھیں اور ان کا مقصد معیشت کے عاملانہ فروغ کی راہ ہموار کرنا تھا۔ فی کس آمدنی میں اضافہ کیونکر ممکن ہے؟ پیداوار میں اضافہ کیسے ہوسکتا ہے؟ انسان کی زندگی کا معیار کیسے اونچا کیا جائے؟ ۔۔۔ یہ سب مسائل اقبال کے سامنے تھے اور ان کی عملی تجاویز کا رخ اپنی مسائل انھی مسائل کو حل کرنے کی طرف تھا اس کے لیے انھوں نے ایسی تجاویز پیش کیں جن پر عمل درآمد کے بعد معاشی خوشحالی کی منزل آسان تر ہوسکتی ہے۔۔۔ مثلاً۔۔۔

۱) فقہ اسلامی کی تدوین نو: انسانوں کے معاشی اور تمدنی مسائل کا حال اقبال کے نزدیک اسلامی فقہ کی تدوین نو میں ہے۔ معاشی مسائل کا حل اسلامی قانون کے نفاذ اور جدید نظریات کی روشنی میں فقہ اسلامی کے مزید فروغ میں موجود ہے۔ اگر اس قانون کی اچھی طرح سمجھ کر نافذ کیا جائے تو ہر شخص کا بنیادی معاشی حق محفوظ ہو جاتا ہے۔ ۲۰۰ کیونکہ اس نظام میں غریب امیروں پر

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ٹیکس عائد کر سکتے ہیں اور سوسائٹی مساوات شکم کی بجائے روحوں کی مساوات پر قائم ہوتی ہے۔[۲۰۱]

۲) درآمدات کی نسبت برامدات میں اضافہ پر زور: اقبال نے مختلف تحریروں میں ہندوستان کی عمومی معاشی پسماندگی کا تجزیہ کرتے ہوئے جن وجوہات کی نشاندہی کی ہے ان میں سے ایک تجارت پر غیر ملکی قبضہ اور بیرونی منڈیوں میں ملکی برامدات کی کمی اور درآمدات کی زیادتی ہے۔ کسی قوم کے کارخانے بتاتے ہیں کہ وہ قوم کہاں تک غیروں کی محتاج ہے اور کہاں تک اپنی ضروریات کو اپنی محنت سے حاصل کرتی ہے۔[۲۰۲]

۳) مسلم ممالک کے باہمی تجارتی روابط کا فروغ: اقبال نے ایشیا کے مسلم ممالک کے مابین تجارتی روابط کے فروغ کا ذکر متعدد مقامات پر کیا ہے۔ وہ عالمِ اسلام کے اتحاد و روابط کے زبردست مبلغ اور موتمر عالمِ اسلامی کے حامی تھے۔[۲۰۳] اس لحاظ سے اقبال کو وسطی ایشیا کی جدید ''تنظیم برائے تعاون ترقی و تعمیر نو'' کا ایک پیش رو مفکر سمجھنا چاہیے۔

۴) زرعی اصلاحات کی ضرورت: اقبال کے اقتصادی تصورات کی روشنی میں زرعی اصلاحات نافذ کی جائیں تو ملکی معیشت پر خوشگوار اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔ زمین کے بارے میں اقبال کا یہ نظریہ کہ زمین نہ تو قطعی طور پر حکومت کی ملکیت ہے اور نہ افراد کی بلکہ صرف خداوند کریم کی ملکیت ہے اور حکومت وقت اجتماعی مفاد کے لیے اس کی امین اور منتظم ہے وہ انتظامی اقدامات بھی کر سکتی ہے اور کاشتکاری کے لیے کسانوں کو بھی دے سکتی ہے اگر اقبال کے اس نظریہ پر عمل کیا جائے تو جاگیرداری اور زمینداری ختم ہو سکتی ہے اور کاشتکاری کی معاشی حالت فی الواقعی بہتر ہو سکتی ہے۔ مالیہ کا انتظام انکم ٹیکس کے اصول پر استوار کرنا یا پانچ ب ۲۰۴ بیگھے تک کے مالکان کو مالیہ معاف کرنا جیسی تجویز جو چھوٹے کاشتکاروں کے تحفظ کے سلسلے میں اقبال نے جو تجاویز پیش کی تھیں ابھی تک اس اصول پر پورے طور پر عمل نہیں ہو سکا۔ حالانکہ ملک کی آبادی کا غالب حصہ دیہات میں بستا ہے۔

۵) لازمی تعلیم کی اہمیت: تعلیم کے بارے میں اقبال کے خیالات انتہائی جدید ہیں وہ نوجوانوں کے لیے عام تعلیم کے ساتھ ساتھ فنی صنعتی اور انتظامی تعلیم کے حامی تھے حتیٰ کہ وہ جبری تعلیم کا قانون نافذ کرنے اور اس سلسلے میں موثر اور قابلِ عمل حکمت عملی وضع کرنے قائل تھے۔ لیجسلیٹو کونسل میں ۵/مارچ ۱۹۲۷ء اور ۴/مارچ ۱۹۲۹ء کے سالانہ بجٹ پر اظہار خیال کرتے ہوئے انہوں انھوں نے انتظامی اخراجات کی بجائے تعلیم کے لیے زیادہ رقوم مختص کرنے پر زور دیا۔[۲۰۵]

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اقبال کی نظم میں تعلیم کا اصل مقصد نوجوانوں میں ایسی قابلیت پیدا کرنا ہے جس کی بدولت وہ اپنے تمدنی فرائض باحسن وجود ادا کرنے کے قابل ہوسکیں۔ قومی تعلیم کی بنیاد ان ضرورتوں پر ہونی چاہیے جو انقلابِ حالات کی بنا پر پیدا ہوئی ہوں۔ وہ تعلیم کو معاشی ترقی کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔ کمی اجرت کی تلافی اور مقابلہ نامکمل کے اثرات کو ختم کرنے کے لیے قومی تعلیم کا نسخہ تجویز کرتے ہیں''۔ یہ وہ چیز ہے جس سے دستکار کا ہنر اس کی محنت کی کارکردگی اور ذہانت ترقی کرتی ہے۔[۲۰۶] اس ضمن میں جاپان کی مثال دیتے ہوئے صنعتی تعلیم کو وقت کی اہم ترین قرار دیتے ہیں''۔ حال کی قوموں میں جاپانیوں کو دیکھو کس سرعت سے ترقی کر رہے ہیں ابھی تیس چالیس سال پہلے کی بات ہے کہ یہ قوم قریباً مردہ تھی ۱۸۶۸ء میں جاپان کی پہلی تعلیم مجلس قائم ہوئی اس سے چار سال بعد ۱۸۷۲ء میں جاپان کا پہلا تعلیمی قانون شائع کیا گیا اور شہنشاہ جاپان نے اس کی اشاعت کے موقع پر مندرجہ ذیل الفاظ کہے''۔ ہمارا مدعا ہے کہ اب سے ملک جاپان میں تعلیم اس قدر عام ہو کہ ہمارے جزیرے کے کسی گاؤں میں کوئی خاندان جاہل نہ رہے۔ غرضیکہ ۳۶ سال کے قلیل عرصے میں مشرقِ اقصیٰ کی اس مستعد قوم نے جو مذہبی لحاظ سے ہندوستان کی شاگرد تھی دینوی اعتبار سے ترقی کے وہ جوہر دکھائے کہ آج دنیا کی مہذب ترین اقوام میں شمار ہوتی ہے''۔[۲۰۷]

۶) تعلیم نسواں: اقبال نے تعلیم نسواں پر بھی بہت زور دیا[۲۰۸]۔ سچ یہ ہے کہ آج بھی ہماری خواتین بہت پسماندہ اور بے بس ہیں اگرچہ پچھلے دس سالوں میں کچھ پیش رفت ہوئی ہے لیکن بحیثیت مجموعی صورت حال اقبال کے دور سے زیادہ مختلف نہیں۔ عورتوں کے معاملے میں اقبال کی پر زور تحریروں کی روشنی میں بیداری پیدا کرنے اور فلاح و بہبود میں اضافہ کرنے والے بھرپور پروگرام مرتب کرنے کی ضرورت ہے۔

۷) انکم ٹیکس کی طرح لگان میں رعایت: انکم ٹیکس کے اصول پر مالیے کی تشخیص کا اصول پاکستان میں ۱۹۷۷ء میں لاگو ہوا جبکہ علامہ یہی تجویز نصف صدی قبل پیش کر چکے تھے۔ ۱۹۲۸ء میں کونسل میں اس مسئلہ پر بحث کے دوران اقبال نے ثابت کیا کہ زمین کی ملکیت حکومت کے ہاتھ میں نہیں بلکہ عوام خود اپنی زمین کے مالک ہیں اس لیے مالیے کی تشخیص انکم ٹیکس کے اصول پر ہونی چاہیے۔ اس سلسلے میں اقبال نے کہا۔

''یورپی مصنفین میں سب سے پہلے فرانس کے مصنف پیروں نے ۱۸۷۷ء میں اس

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

نظریے کو جھٹلایا۔ ۱۸۳۰ء میں ہرگز نے تحقیق کی اور اپنی کتاب میں منوسمرتی، اسلامی قوانین اور ہندوستان مختلف علاقوں کے دستور کا ذکر کیا۔'' اقبال نے یہ بھی کہا کہ اگر مکمل طور پر یہ اصول لاگو نہیں ہوسکتا تو کم از کم نا کیا جائے کہ بارانی علاقوں میں پانچ بیگھے اراضی تک کے مالکوں کو مالیے سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ اگرچہ تجویز بھی قبول نہ کی گئی لیکن اقبال کی معاشیات سے وابستگی اور عوام کی حالت سدھارنے کی مخلصانہ کوشش بدستور جاری رہی۔

۸) محصولات کے نفاذ کی پالیسی: محصولات کے نفاذ کے سلسلے میں اقبال کی اہم تجویز موت یا وراثت ٹیکس عائد کرنے کی تجویز تھی۔ جسے جدید اصطلاح میں Inheritance Tax کا نام دیا جاتا ہے اور دنیا کے اکثر و بیشتر ترقی یافتہ ممالک میں ٹیکس عائد ہے۔ اقبال نے بیس ہزار یا تیس ہزار کی مالیت کی جائداد وراثت میں حاصل کرنے پر ایک خاص شرح سے ٹیکس عائد کرنے کی تجویز پیش کی تھی جو ارتکازِ دولت کے لیے بہت موزوں ہے۔[۲۱۰] پاکستان میں بھی ایک دہائی قبل تک یہ ٹیکس عائد تھا جو امراء کے اصرار پر ختم کر دیا آج کل کے حالات متقاضی ہیں کہ ارتکازِ دولت کے عمل کو روکنے کے لیے اقبال کی تجویز کے عین مطابق وراثت ٹیکس کا پھر اجرا کیا جائے۔

حکومت کے انتظامی اخراجات میں کمی کی ضرورت: پنجاب لیجسلیٹو کونسل میں اقبال کی آخری تقریر مارچ ۱۹۳۰ء میں حکومت کے انتظامی اخراجات کو خاص طور پر ہدف تنقید بنایا گیا ہے۔ افسر شاہی کے بڑھتے ہوئے اخراجات سماجی فلاح و بہبود کے فقدان، بھوک، بیروزگاری اور فرقہ وارانہ جھگڑوں جیسی لعنتوں کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے۔[۲۱۱] فی الحقیقت اقبال کا یہ ردعمل آج کل کے حالات پر بالکل صادق آتا ہے۔ ہمارے بجٹ کے خسارے کے باوجود معاشی اور سماجی مسائل میں ہوش ربا اضافہ اس امر کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ مروجہ نظامِ حکومت نقائص سے پُر ہے اور اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ پورے نظام کو بدل کر ایسا نظامِ حکومت رائج کیا جائے جس میں حکام افکار و کردار اقبال کے انسان دوست فکری سانچے میں ڈھلے ہوئے ہوں۔

غرض اقبال کے معاشی افکار و تجاویز سے صاف طور پر عیاں ہوتا ہے کہ اپنے دور کے معاشی مباحث سے پوری طرح باخبر تھے اور ایسے معاشرے کی تعمیر کے خواہاں تھے جو

کس نہ باشد در جہاں محتاج کس
نکتۂ شرعِ مبین ایں است و بس[۲۱۲]

کی تصویر ہو۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اقبال علم معاشیات کی مدد سے یہی معاشرہ تعمیر کرنا چاہتے تھے انھوں نے انسان کی معاشی زندگی کو اس کی معاشرتی زندگی کے تناظر میں دیکھتے ہوئے ایسا نیا اندازِ فکر متعارف کیا جو یقیناً علم معاشیات کے مباحث کو سمجھنے کا منفرد انداز ہے اور آج کے پاکستانی معاشرے کے لیے اقبال کے اقتصادی تصورات سے استفادہ کر کے آج بھی اپنے معاشی کو بطریق احسن حل کرنے کے قابل ہوسکتا ہے بشرطیکہ نیت نیک اور جذبہ صادق ہو۔

۹) **علامہ اقبال کے تناضر میں اقتصادی ترقی کے لیے مجوزہ اقدامات:** اقبال کے فلسفیانہ نظریات کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ ایک ماہر معاشیات ہونے کے باوجود وہ انسان کے معاشی مسائل کو ایک موثر انداز میں اجاگر کر کے معاشی فلاح و بہبود کو انسان کی تمدنی ترویج کے لیے لازم قرار دیتے ہیں اقبال کی نظر میں غریبی قوائے انسانی پر بہت اثر انداز ہوتی ہے بلکہ بسا اوقات روح کے مجلّہ آئینے کو اس قدر زنگ آلود کر دیتی ہے کہ اخلاقی و تمدنی لحاظ سے اس کا وجود و عدم وجود برابر ہوجاتا ہے۔[۲۱۳]

اقبال نے آج سے ساٹھ ستر سال پہلے اپنے معاشی افکار کے تناظر میں جو عملی اقتصادی تجاویز پیش کی تھیں ان پر ابھی تک عمل نہیں ہوا حالانکہ وہ آج بھی ہمارے بہت سے دکھوں کا علاج پیش کرتی ہیں۔ غربت و افلاس کو دور کرنے اور معاشی خوشحالی کو تیز کرنے الناس کی تقدیر بنانے کے لیے اقبال نے اپنی تحریروں میں جن عوامل پر زور دیا ہے ان پر آج کل بھی عام بحث ہورہی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ اقبال کے اقتصادی تصورات سے استفادہ کر کے ہم آج بھی اپنے معاشی مسائل کو حل کرنے کے قابل ہوسکتے ہیں۔ معاشی خوشحالی کے حصول کے سلسلے میں اقبال نے سات عوامل کا بطور خاص ذکر کیا ہے مثلاً:۔

۱) نوجوانوں کو صنعتی، فنی اور تجارتی تعلیم سے آراستہ کرنا
۲) عورتوں کی تعلیم اور تمدنی ترقی کے لیے مناسب تدابیر اختیار کرنا (خصوصاً دیہی عورتوں کی فلاح و بہبود کے اقدامات)
۳) شہری اور دیہاتی ہر دو علاقوں میں نجی انجمنیں قائم کر کے مسائل حل کرنے کی کوشش کرنا۔[۲۱۴]
۴) صنعتی ترقی کے لیے بھرپور کوشش کرنا۔
۵) معاشی ترقی کی راہ میں حائل روایات و رسوم کو دور کرنا۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

۶) اقتصادی قوت پیدا کرنے والے عوامل کی نشاندہی کرنا۔[۲۱۵]

یادرہے کہ اقبال نے معاشی ترقی کے لیے جن عوامل کا ذکر کیا ہے یہ وہی عوامل ہیں جنہیں مشہور امریکی خاتون معیشت دان ارما ایڈل مین نے اپنے ترقیاتی ماڈل میں انگریزی حرف یو میں شامل کیا ہے۔[۲۱۶]

اقبال اگر علمی اعتبار سے اسلامی معاشیات کی تجدید نو چاہتے تھے تو عملی لحاظ سے بھی انھوں نے معاشرے کے مسائل اور مسلمانوں کی معاشی حالت سے اغماض نہیں برتا۔ بلکہ وہ مسلم معاشرے کی معاشی ابتری سے بخوبی آگاہ تھے اور اس صورتحال کو بدلنے کے لیے موثر اقدامات کے خواہاں تھے۔ اس لیے ان کا خیال تھا کہ سب سے اہم عقدہ جو اس مسلمان کے سامنے جو قومی کام کے لیے اپنے آپ کو وقف کرتا ہے یہی ہے کہ کیونکہ اپنی قوم کی اقتصادی حالت کو سدھارے۔[۲۱۷]۔۔۔علامہ کا ایمان ہے کہ مسلمانوں کی معاشی جنت ان کے دینی وتمدنی فکر کے تاریخی تسلسل میں پنہاں ہے اگر اس حقیقت کو مدنظر رکھ کر تحقیق کی جائے تو وہ ایک جہانِ نو کے خالق ثابت ہو سکتے ہیں اقبال بار بار تلقین کرتے ہیں کہ اسلام بجائے خود ایک پیام انقلاب ہے اس لیے اسلامی تعلیمات کی بدولت اس معاشی جنت کا حصول عین ممکن ہے۔ انسان کے اقتصادی امراض کا جو علاج قرآن نے تجویز کیا ہے وہی بہترین ہے۔

اسلام کے اقتصادی نظام کی برتری:

علامہ کے افکار سے ثابت ہے کہ ان نزدیک معیشت کے دونوں مروجہ نظام یعنی اشتراکیت اور سرمایہ داری ناقص و باطل ہیں اور انسانیت کی معاشی فلاح و بہبود کے لیے صرف قرآن کی معاشی تعلیمات پر مبنی نظام ہی کامیاب ہوسکتا ہے۔ اسی خیال کا اظہار انھوں نے ارمغانِ حجاز کی نظم 'ابلیس کی مجلس شوریٰ' میں نہایت خوش اسلوبی سے کیا ہے:۔

کب ڈرا سکتے ہی مجھ کو اشتراکی کوچہ گرد
یہ پریشان روز گار آشفتہ مغز آشفتہ جو
جانتا ہے جس پہ روشن باطنِ ایام ہے
مزدکیت فتنۂ فروا نہیں اسلام ہے[۲۱۸]

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

الحذر آئین پیغمبر سے سو بار الحذر
حافظِ ناموسِ زن ، مرد آزما ، مرد آفریں
اس سے بڑھ کر اور کیا فکر وعمل کا انقلاب
پادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمین[۲۱۹]

اسلام کی معاشی تعلیمات کوتمام مسائل کا حل قرار دیتے ہوئے اپنی وفات سے گیارہ ماہ قبل ۲۸رمئی ۱۹۳۷ء کے خط میں لکھتے ہیں۔''سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی غربت کا مسئلہ کیونکر حل کیا جائے۔۔۔خوشقسمتی سے اسلامی قانون کے نفاذ میں اس مسئلہ کا حل موجود ہے۔۔۔اگر اسلامی قانون کو صحیح طور پر سمجھا جائے اور نافذ کیا جائے تو کم ازکم ہر فرد کی بنیادی ضروریات وحاجات پوری کی جاسکتی ہیں''۔[۲۲۰]

اقبال قرآن کو پیغام انقلاب سمجھتے تھے۔قرآن کا منتہائے نظر انسان کے بنیادی حقوق کو لحاظ رکھتے ہوئے ایک ایسے متوازن معاشی نظام کا نفاذ ہے جس میں کوئی کسی کے لیے استحصال کا باعث نہ بن سکے اس لیے اقبال قرآن کریم اقتصادی تعلیم کو مسلمانوں کی تمام مشکلات کا حل قرار دیتے ہیں۔[۲۲۱] اقبال اسلام کے صالح اور متوازن معاشی نظام کے نفاذ کے ذریعے ریاست کا قیام چاہتے ہیں جس میں غریب کا معیار زندگی بلند کر کے اسے درمیانہ طبقہ تک پہنچنے کی سہولتیں فراہم کی جائیں اور امیر کے ذرائع آمدن کو محدود کر کے اسے درمیانہ طبقہ سے تجاوز کرنے سے روکا جائے اور اسی طرز عمل کو'اقتصاد' کہا جاتا ہے۔اسلام کے معاشی میں نہ سود کے لیے کوئی گنجائش ہے اور نہ تعلقہ داری نظام کے لیے۔اسلامی نظامِ معیشت میں ان برائیوں کی بھی کوئی گنجائش نہیں جو صراطِ زر کا نتیجہ ہوتی ہیں۔چنانچہ اسلام زر اعتباری کو ظاہری قدر کی بجائے قوتِ خرید کے ساتھ منسلک کرتا ہے۔[۲۲۲] سو اقبال کے معاشی مسورات کے نفاذ کا طریقہ اسلامی معاشی جمہوریت کا قیام ہے۔اقتصادیات کی مروجہ اصطلاح کی روشنی میں ہم انہیں مخلوط معیشت کا ہی کہہ سکتے ہیں جو اراضی کی حد ملکیت بھی مقرر کرتے ہیں اور ریاستی تحویل کے اصول کو بھی مانتے ہیں ان کی ہاں 'اقتصاد' یا 'دولت' مادیانہ تقسیم خروج یا خراج کے ذریعے نہیں بلکہ اخوت اور برضائے عوام یعنی جمہوری طرزِ عمل ہی سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

اگر ہم پاکستان کے اقتصادی مسائل کے شافی حل کے متمنی ہیں تو فکر اقبال کے عین مطابق یہ اسلامی نظام معیشت کے نفاذ کے ذریعے ہی ممکن ہوسکتا۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

☆☆☆

حوالہ جات (مقدمہ)

۱۔ علم الاقتصاد: اقبال کا پہلا علمی کارنامہ، ص ۳۷۔
۲۔ اقبال سب کے لیے، ص ۳۷۔
۳۔ سائیل اقبال، ص ۳۰۳۔
۴۔ اقبال اردو نثر، ص ۷۷۔
۵۔ تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ، ص ۲۸۹۔
۶۔ اقبال کا ذہنی ارتقا، ص ۱۴۔
۷۔ دانائے راز، ص ۱۰۹۔
۸۔ اقبال کا پہلا علمی کارنامہ، ص ۶۷۔
۹۔ تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ، ص ۲۸۹۔
۱۰۔ اقبال کی اردو نثر، ص ۷۸۔
۱۱۔ عروج اقبال، ص ۱۷۹۔
۱۲۔ علم الاقتصاد، ص ۴، ۵۔
۱۳۔ اقبال از عطیہ بیگم، ص ۳۱۔
۱۴۔ اقبالنامہ (مجموعہ مکاتیب اقبال)، ص ۱۱۴۔
۱۵۔ عروج اقبال، ص ۳۲۳۔
۱۶۔ اورینٹل کالج میگزین، ص ۷۔
۱۷۔ اقبال کی اردو نثر، ص ۸۳۔
۱۸۔ سلیکشن فرام اقبال ریویو، ص ۲۲۶۔
۱۹۔ دانائے راز، ص ۴۵۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

۲۱۔ عروج اقبال،ص۱۸۲۔
۲۱۔ اقبالنامہ(مجموعہ مکاتیب اقبال)،حصہ دوم،ص۳۳۔
۲۲۔ عروج اقبال،ص۱۷۸۔
۲۳۔ اقبال کی اردو نثر،ص۷۷۔
۲۴۔ اقبال کامل،ص۹۴۔
۲۵۔ افکارِ اقبال،۲۳۴۔
۲۶۔ تذکار اقبال،ص۷۷۔
۲۷۔ اقبال ریویو،۲۲۶۔
۲۸۔ برکاتِ اقبال،ص۲۳۶۔
۲۹۔ علم المعیشت،ص۱۱۔
۳۰۔ علم الاقتصاد:اقبال کا پہلا علمی کارنامہ،ص۸۵۔
۳۱۔ شاد اقبال،ص۴۵۔
۳۲۔ علم الاقتصاد:اقبال کا پہلا علمی کارنامہ،ص۴۷۔
۳۳۔ اقبالنامہ(مجموعہ مکاتیب اقبال ج دوم)،ص۱۱۴۔
۳۴۔ علم الاقتصاد:اقبال کا پہلا علمی کارنامہ،ص۸۵۔
۳۵۔ شاد اقبال،ص۴۵۔
۳۶۔ اقبالنامہ(مجموعہ مکاتیب اقبال،ج دوم)،ص۱۱۴۔
۳۷۔ اقبال بحیثیت مفکر پاکستان،ص۶۶۔
۳۸۔ عروج اقبال،ص۱۷۸۔
۳۹۔ کلیات اقبال،ص۴۳۷۔
۴۰۔ علم الاقتصاد،ص۵۔
۴۱۔ کلیات اقبال،ص۴۳۶۔
۴۲۔ ایضاً،ص۶۴۹۔
۴۳۔ مثنوی پس چہ باید کرد،ص۳۸۔
۴۴۔ پیام مشرق،ص۲۰۵۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

۴۵۔ دانائے راز،ص۱۱۶۔
۴۶۔ علم الاقتصاد،ص۱۸۸۔
۴۷،۴۸۔ایضاً،ص۱۹۰،۲۱۰
۴۹۔ تصانیف اقبال کا تحقیقی وتوضیحی مطالعہ،ص۳۰۰۔
۵۰۔ علم الاقتصاد:اقبال کا پہلا علمی کارنامہ،ص۷۸۔
۵۱۔ اقبالیات،جنوری تا مارچ ۹۵،ص۱۳۸۔
۵۲۔ علم الاقتصاد،ص۶۔
۵۳۔ اقبال اور اقبال مشمولہ نقوش اقبال،ص۳۶۱۔
۵۴۔ علم الاقتصاد،ص۵۶۔
۵۵۔ ایضاً،ایڈیشن ۱۹۹۱ء،ص۱۹۔
۵۶۔ ایضاً ایڈیشن ۱۹۰۴ء،ص۲۰۶۔
۵۷۔ تصانیف اقبال کا تحقیقی وتوصیحی مطالعہ،ص۲۹۶،۲۹۷۔
۵۸۔ علم الاقتصاد:اقبال کا پہلا علمی کارنامہ،ص۷۸۔
۵۹۔ ایضاً،ص۶۔
۶۰۔ ایضاً،ص۲۷،۴۳،۴۵۔
۶۱۔ ایضاً،ص۳۲۔
۶۲۔ ایضاً،ص۳۷۔
۶۳۔ ایضاً،ص۳۸۔
۶۴۔ علم الاقتصاد،ص۸۶۔
۶۵۔۷۷۔ایضاً،ص۷۷،۸۸،۱۱۶،۱۶۱،۲۲،۴۳،۳۸،۳۵،۴۸،۵۴،۱۲،۳۳،۲۰۵۔
۷۸۔ علم الاقتصاد:ایک عمرانی مطالعہ،ص۹۱۔
۷۹۔ علم الاقتصاد،ص۱۹۱۔
۸۰۔ ایضاً،ص۵۔
۸۱۔ ایضاً،ص۲۳،۵،۲۰۰۔
۸۲۔ ایضاً،ص۵،۴۷،۵۶۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

۸۳۔ ایضاً،ص۳۳،۵۵۔
۸۴۔ ایضاً،ص۲۰۵۔
۸۵۔ اقبال ریویو،ص۲۲۵۔
۸۶۔ قومی زندگی،ص۳۳،۳۴۔
۸۷۔ علم الاقتصاد،ص۲۶۔
۸۸۔ انوار اقبال،ص۳۱۔
۸۹۔ اقبالنامہ(مجموعہ مکاتیب اقبال ج دوم)،۳۴۸۔
۹۰۔ اقبال کے خطوط جناح کے نام،۴۸۔
۹۱۔ قومی زندگی اور ملت بیضا پر ایک نظر،۳۶،۳۷۔
۹۲۔ اقبال کے خطوط جناح کے نام،ص۴۹۔
۹۳۔ انوار اقبال،ص۲۶۔
۹۴۔ قومی زندگی اور ملت بیضا پر ایک نظر،ص۱۰۳۔
۹۵۔ علم الاقتصاد،ص۲۲۔
۹۶۔ حرف اقبال،ص۹۱۔
۹۷۔ علم الاقتصاد،ص۵۔
۹۸۔ اقبال کے معاشی افکار بحوالہ اقبالیات،جنوری تا مارچ،۹۵۔
۹۹۔ کلیات اقبال،ص۴۳۵۔
۱۰۰۔ ایضاً،ص۷۰۹۔
۱۰۱۔ کلیات اقبال،ص۶۴۸۔
۱۰۲۔ جاوید نامہ،ص۹۱۔
۱۰۳۔ ایضاً،ص۹۰۔
۱۰۴۔ ایضاً،ص۸۰۔
۱۰۵۔ اقبالنامہ(مجموعہ مکاتیب اقبال ج دوم)،ص۳۱۴۔
۱۰۶۔ کلیات اقبال،ص۴۳۶۔
۱۰۷۔ ایضاً،ص۲۹۲۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

۱۰۸۔ پیام مشرق،ص۲۱۶۔
۱۰۹۔ مثنوی پس چہ باید کرد،ص۳۸۔
۱۱۰۔ ایضاً،ص۳۸۔
۱۱۱۔ ایضاً،ص۵۸۔
۱۱۲۔ کلیات اقبال (فارسی)،ص۷۵۶۔
۱۱۳۔ جاوید نامہ،ص۷۸۔
۱۱۴۔ پیام مشرق،ص۲۰۹۔
۱۱۵۔ کلیات اقبال،ص۴۳۷۔
۱۱۶۔ ایضاً،ص۴۴۷۔
۱۱۷۔ ایضاً،ص۶۴۸۔
۱۱۸۔ مثنوی پس چہ باید کرد،ص۲۱۔
۱۱۹۔ گفتار اقبال،ص۶۔
۱۲۰۔ اقبالنامہ (مجموعہ مکاتیب اقبال ج اوّل)،ص۳۱۸۔
۱۲۱۔ ایضاً (ج دوم)،ص۳۱۴۔
۱۲۲۔ مثنوی پس چہ باید کرد،ص۲۲۔
۱۲۳۔ کلیات اقبال،ص۳۷۴۔
۱۲۴۔ ایضاً،ص۳۷۴۔
۱۲۵۔ جاوید نامہ،ص۶۹۔
۱۲۶۔ ایضاً،ص۸۶۔
۱۲۷۔ اقتصادی ہند۔
۱۲۸۔ اقبالنامہ (مجموعہ مکاتیب اقبال، ج دوم)،ص۱۵۔
۱۲۹۔ علم الاقتصاد
۱۳۰۔ ایضاً
۱۳۱۔ حرف اقبال،ص۹۵۔
۱۳۲۔ ایضاً،ص۶۵،۶۶۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

۱۳۳۔گفتار اقبال،ص ۲۰۸۔
۱۳۴۔اقبالنامہ (مجموعہ مکاتیب اقبال، ج دوم)،ص ۱۵۔
۱۳۵۔خطوط اقبال،ص ۲۲۵۔
۱۳۶۔ کلیات اقبال،ص ۳۷۴۔
۱۳۷۔ قومی زندگی اور ملت بیضا پر ایک نظر،ص ۱۰۹،۱۱۰۔
۱۳۸۔ علم الاقتصاد
۱۳۹۔ کلیات اقبال،ص ۸۴۔
۱۴۰۔ اقبال کامل،ص ۳۴۶۔
۱۴۱۔ قومی زندگی اور ملت بیضا پر ایک نظر،ص ۵۲۔
۱۴۲۔ ایضاً،ص ۵۵۔
۱۴۳۔ایضاً،ص ۹۵۔
۱۴۴۔ حرف اقبال،ص ۹۹۔
۱۴۵۔ علم الاقتصاد،ص ۱۷۴۔
۱۴۶۔ ایضاً،ص ۲۰۵۔
۱۴۷۔ ایضاً،ص ۲۱۳۔
۱۴۸۔ گفتار اقبال،ص ۹۰۔
۱۴۹۔ پیام مشرق،ص ۱۹۲۔
۱۵۰۔ کلیات اقبال،ص ۲۹۲۔
۱۵۱۔ کلیات اقبال (فارسی)،ص ۹۸۲۔
۱۵۲۔ کلیات اقبال،
۱۵۳۔کلیات اقبال،ص ۷۱۰۔
۱۵۴۔ایضاً،ص ۱۹۳۔
۱۵۵۔ایضاً،ص ۲۸۶۔
۱۵۶۔ ایضاً،ص ۲۹۲۔
۱۵۷۔گفتار اقبال،ص ۵،۶۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

۱۵۸۔ کلیات اقبال،ص۲۹۲۔
۱۵۹۔ پیام مشرق،ص۲۴۹۔
۱۶۰۔ کلیات اقبال،ص۴۳۶۔
۱۶۱۔ ایضاً،۳۲۲۔
۱۶۲۔ کلیات اقبال،ص۶۴۸۔
۱۶۳۔
۱۶۴۔ جاوید نامہ،ص۸۹۔
۱۶۵۔ کلیات اقبال،۷۱۰۔
۱۶۶۔ ایضاً،۴۴۷۔
۱۶۷۔ ایضاً،ص۳۲۳۔
۱۶۸۔ جاوید نامہ،ص۸۱۔
۱۶۹۔ جاوید نامہ،ص۹۰۔
۱۷۰۔ مئے لالہ فام،۲۷۹۔
۱۷۱۔ مسائل اقبال،ص۲۵۵۔
۱۷۲۔ جاوید نامہ،ص۸۸۔
۱۷۳۔مثنوی پس چہ باید کرد،ص۲۱،۲۲۔
۱۷۴۔کلیات اقبال،ص۵۷۶۔
۱۷۵۔ایضاً،ص۴۸۱۔
۱۷۶۔ کلیات اقبال،ص۶۶۱،۶۶۲۔
۱۷۷۔ایضاً،۷۰۵۔
۱۷۸۔جاوید نامہ،ص۶۹۔
۱۷۹۔ ایضاً،ص۶۹۔
۱۸۰۔ ایضاً،ص۷۰۔
۱۸۱۔ کلیات اقبال،ص۶۴۹۔
۱۸۲۔ ایضاً،ص۷۰۷۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

۱۸۳۔ایضا،ص۷۰۵۔

۱۸۴۔جاوید نامہ،ص۶۹۔

۱۸۵۔ایضاً،ص۶۹۔

۱۸۶۔ کلیات اقبال،ص۳۲۴۔

۱۸۴۔مسائل اقبال،۲۵۰۔

۱۸۵۔مثنوی پس چہ باید کرد،ص۱۴۔

۱۸۶۔ کلیات اقبال،ص۵۴۲۔

۱۹۰۔ کلیات اقبال،ص۳۷۹۔

۱۹۱۔ ایضاً،ص۴۳۵۔

۱۹۲۔ ایضاً،ص۴۳۴۔

۱۹۳۔

۱۹۴۔ کلیات اقبال،ص۴۵۶۔

۱۹۵۔ حرف اقبال،ص۲۹۔

۱۹۶۔ ایضاً،ص۳۳۔

۱۹۷۔ اقبال کے خطوط جناح کے نام،ص۴۸،۴۹۔

۱۹۸۔ قومی زندگی اور ملت بیضا پر ایک نظر،ص۱۰۳۔

۱۹۹۔ کلیات اقبال۔

۲۰۰۔ اقبالنامہ(مجموعہ مکاتیب اقبال،ج اوّل)،ص۱۶۔

۲۰۱۔ حرف اقبال،ص۶۵۔

۲۰۲۔ قومی زندگی اور ملت بیضا پر ایک نظر،ص۵۴۔

۲۰۳۔گفتار اقبال،ص۱۱،۱۲،۱۴۶۔

۲۰۴۔حرف اقبال،ص۹۰،۹۱۔

۲۰۵۔ ایضاً،ص۴۷،۹۲۔

۲۰۶۔ علم الاقتصاد

۲۰۷۔ قومی زندگی اور ملت بیضا پر ایک نظر

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

۲۰۸۔ ایضاً،ص۴۵۔
۲۰۹۔ سرگذشت اقبال،ص۲۱۴۔
۲۱۰۔ حرف اقبال،ص۹۵۔
۲۱۱۔ ایضاً،ص۹۸،۹۹۔
۲۱۲۔
۲۲۳۔علم الاقتصاد
۲۲۴۔گفتار اقبال،ص۶۱۔
۲۲۵۔قومی زندگی اور ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر،ص۳۵تا۵۶۔
۲۲۶۔اقبالیات،جنوری تا مارچ،۱۹۹۵ء،ص۱۴۴۔
۲۲۷۔ قومی زندگی اور ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر،ص۱۰۵۔
۲۲۸۔ کلیات اقبال،ص۷۰۹۔
۲۲۹۔ ایضاً،ص۷۱۰۔
۲۳۰۔اقبالنامہ مجموعہ مکاتیب اقبال،ج اوّل
۲۳۱۔ گفتار اقبال،ص۸۔
۲۳۲۔قدر زر کے تغیرات،۹۶۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

پیش کش

اس دلی ارادت کے سبب جو مختصر سے زمانہ تلمذ میں مجھے عالی جناب ڈبلیو بل اسکوئر ڈائریکٹر محکمہ تعلیم پنجاب کی خدمت میں پیدا ہوئی جب وہ گورنمنٹ کالج لاہور کی کرسی صدارت پر رونق افروز تھے اور اس عالم گیر شہرت کے باعث جو صاحب ممدوح کو بحیثیت مربی علوم وفنون حاصل ہے، میں اس ناچیز کتاب کو جو میری علمی کوششوں کا پہلا ثمر ہے صاحب موصوف کے نام نامی سے منسوب کرنا چاہتا ہوں اور اس امید پر کہ یہ ہدیہ محقر شرف قبول پائے گا، نہایت ادب سے اسے پیش کش کوتا ہوں۔

(مصنف)

ڈبلیو بل اسکوئر:

جن کا نام اقبال نے 'علم الاقتصاد' معنون کی ہے۔ علامہ اقبال کے پرنسپل اور انگریزی کے استاد تھے۔ اقبال جب گورنمنٹ کالج میں تھے تو ڈبلیو بل تھوڑے ہی دنوں بعد طویل رخصت پر چلے گئے اور ان کی جگہ پروفیسر ڈالنجر پرنسپل گورنمنٹ کالج مقرر ہوئے۔ ڈبلیو بل اب رخصت طویل گزار کر واپس آئے تو ڈائریکٹر محکمہ تعلیمات مقرر ہوئے۔ علامہ اقبال کی ذہنی صلاحیتوں سے واقف تھے اور چاہتے تھے کہ اقبال 'علم الاقتصاد' جیسی کتاب لکھیں۔ اس لیے اقبال نے اوّلین کاوش 'علم الاقتصاد' کو اپنے اس استادِ محترم کے نام معنون کیا ہے اور بہ تشکر ڈبلیو بل ڈائریکٹر محکمہ تعلیمات پنجاب کی خدمت میں پیش کیا۔ نذیر نیازی اور افتخار احمد صدیقی نے ڈبلیو بل کو صرف پرنسپل اور انگریزی کا استاد لکھا ہے[1] جبکہ جاوید اقبال کے بیان کے مطابق ڈبلیو بل فلسفہ کے استاد تھے۔ اس زمانے میں بی۔ اے میں فلسفہ کے پروفیسر ڈبلیو بل تھے جو ۱۸۹۶ء میں انسپکٹر آف سکولز ہو کر گورنمنٹ کالج سے چلے گئے۔[2] سرگزشت اقبال میں بھی پروفیسر اشر اور لالہ جیا رام کو فلسفہ کا استاد بتایا گیا ہے۔[3] فی الحقیقت ڈبلیو بل انگریزی کے استاد تھے۔ غلام حسین ذوالفقار کی تصانیف

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

سے بھی اس امر کی تصدیق ہوتی ہے۔[۴]

گورنمنٹ کالج لاہور:۔

یہ کالج ۱۸۶۴ء میں قائم ہوا۔''گورنمنٹ کالج لاہور کی موجودہ عمارت اس سال مکمل ہو چکی تھی جس سال اقبال نے سیالکوٹ میں جنم لیا۔اورینٹل کالج اور لاء سکول بھی اسی عمارت میں مرتکز تھے''۔[۵]۔۔ابتدا میں گورنمنٹ کالج کی عمارت کے سامنے پنجا قطعہ اراضی تھا جسے اب اوول کہا جاتا ہے جس میں سنگترے اور لیموں کے بے شمار پودوں کے علاوہ بے شمار بڑے بڑے درخت تھے''۔[۶]۔۔گورنمنٹ کالج کی گرجانما عمارت اپنی مرتفع پائے گاہ پر اسی طرح سر بلند تھی کالج کے چاروں طرف سپاٹ اور بے آب وگیاہ میدان اور شمالی جانب ایک بوڑھا بڑ کا درخت تھا جس کے تنے کے گرداگرد چھوٹا سا چبوترہ گروہ در گروہ طالب علموں کے لے چوپال کا کام دیتا تھا۔[۷] گورنمنٹ کالج پنجاب یونیورسٹی کا پیش روشمار ہوتا ہے کیونکہ ۱۸۹۵ء میں بھی یہاں ایف اے سے ایم اے تک تمام جماعتیں اور سائنس و آرٹس کے قریباً تمام شعبے موجود تھے۔کالج کی عمارت کو یہ مرکزیت بھی حاصل تھی کہ اس کی آغوش میں تین مستقل درس گاہیں بیک وقت پھل پھول رہی تھیں۔ہم مکانی کے رشتے کے علاوہ گورنمنٹ کالج اور اورینٹل کالج کے مابین بعض مضامین کی تدریس کے بارے میں باہمی تعاون کے اصول پر عمل ہوتا تھا اور ۱۹۱۳ء تک اشتراکِ عمل کا یہ سلسلہ جاری رہا۔گورنمنٹ کالج کے طلباء السنہ شرقیہ کی تحصیل کے لیے اورینٹل کالج کے ممنونِ احسان تھے۔

علمی کوششوں کا پہلا ثمر:

شاعر مشرق کو نظریہ پاکستان کے خالق کی حیثیت سے تو سب جانتے ہیں لیکن ان کی اقتصادیات پر دلچسپی پر ذرا کم ہی بحث ہوتی ہے حالانکہ ان کی علمی اور تحقیقی کوششوں کا پہلا ثمر 'علم الاقتصاد' نام کی ایک کتاب ہے جو انھوں نے ۱۹۰۴ء میں شائع کی جب وہ گورنمنٹ کالج لاہور میں شعبہ فلسفہ ہی اسسٹنٹ پروفیسر ہوا کرتے تھے۔اسی لیے اقبال کی علمی کوششوں کا پہلا ثمر 'علم الاقتصاد' کو کہا جاتا ہے۔

''علامہ ممدوح نے سب سے پہلے اردو میں 'علم الاقتصاد' کے نام سے ایک کتاب لکھی جو آج کل نایاب ہے''۔[۸]''اردو زبان میں جدید معاشیات پر یہ پہلی کتاب علامہ اقبال کی سب پہلی تصنیف ہے جو ۱۹۰۳ء میں لاہور سے شائع ہوئی۔علامہ اس وقت گورنمنٹ کالج لاہور میں

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اسسٹنٹ پروفیسر تھے‘‘۔[9]۔سب سے پہلے اقبال نے اردو نثر میں معاشیات کے موضوع پر اپنی کتاب علم الاقتصاد شائع کروائی معاشیات کے مختلف پہلوؤں سے اقبال کی دلچسپی بعد کے ادوار میں بھی قائم رہی‘‘۔[10]۔’’اقبال کی تصنیف ’علم الاقتصاد‘ (اردو نثر) ان کی پہلی مطبوعہ تصنیف ہے‘‘۔[11]۔’’اقبال کے فکری رجحانات کا جائزہ ان کی اولین تصنیف ’علم الاقتصاد‘ کے حوالے کے بغیر نامکمل ہے‘‘۔[12]۔’’اقبال کی اولین اردو تصنیف ’علم الاقتصاد‘ ان کی معلمانہ زندگی کے مشاغل کے پس منظر میں لکھی گئی‘‘۔[13]۔علامہ اقبال نے یہ کتاب ۱۹۰۱ء میں تحریر کی۔اس وقت تک اس میدان میں کسی مسلمان معیشت دان نے کام نہیں کیا تھا اس کے بعد لکھی جانے والی کتاب الیاس برنی کی علم المعیشت تھی جو انجمن ترقی اردو کی جانب سے ۱۹۱۶ء میں چھپی اس طرح علامہ کو اردو زبان میں معاشیات پر سب سے پہلا مصنف قرار دیا جا سکتا ہے‘‘۔[14]۔’’عرض ’علم الاقتصاد‘ معاشیات کے موضوع پر اقبال کی پہلی تصنیف ہے اور اتفاق سے اردو میں اس مضمون کی پہلی کتاب بھی ہے اسے اقبال نے ۱۹۰۱ء میں لکھا یہ اقبال کی پہلی مطبوعہ کتاب ہے‘‘[15]۔’’۱۹۰۱ء اور ۱۹۰۲ء کی کالج رپورٹ کے مطابق اقبال نے تاریخ کے موضوع پر stubbs اور واکر کی تالیفات کا اردو میں تلخیص و ترجمہ کیا۔اس کے بعد ’علم الاقتصاد‘ پر ایک نئی تالیف ترتیب دینی شروع کی جو ۱۹۰۳ء میں ختم ہوئی یہ اقبال کی پہلی علمی نثری تالیف ہے‘‘۔[16]۔’’علامہ ’علم الاقتصاد‘ سے کتنی دلچسپی رکھتے تھے؟ اس کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ آپ کی سب سے پہلی تصنیف اردو نثر میں اسی عنوان کے تحت ایک کتاب تھی‘‘۔[17]’علم الاقتصاد‘ کے پہلے ایڈیشن میں سالِ اشاعت کی صراحت نہیں ملتی اس لیے اس کے سالِ اشاعت کے بارے میں اقبال کے سوانح نگاروں کے ہاں متضاد بیانات ملتے ہیں۔ان تمام بیانات کا تجزیہ کر کے نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جس کی تفصیل مقدمہ ص میں دی گئی ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

دیباچہ مصنف

علم الاقتصاد انسانی زندگی کے معمولی کاروبار پر بحث کرتا ہے اور اُس کا مقصد اس امر کا تحقیق کرنا ہے کہ لوگ اپنی آمدنی کس طرح حاصل کرتے ہیں اور اس کا استعمال کس طرح کرتے ہیں۔ پس ایک اعتبار سے تو اُس کا موضوع دولت ہے اور دوسرے اعتبار سے یہ اس وسیع علم کی ایک شاخ ہے جس کا موضوع خود انسان ہے۔ یہ امر مسلم ہے کہ انسان کا معمولی کام کاج، اس کے اوضاع واطوار اور اس کے طرز پر زندگی پر بڑا اثر رکھتا ہے۔ بلکہ اُس کے دماغی قویٰ بھی اس اثر سے کامل طور پر محفوظ نہیں رہ سکتے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ تاریخ انسانی کے سیل رواں میں اصول مذہب بھی انتہا مؤثر ثابت ہوئے ہیں[1]۔ مگر یہ بات بھی روز مرہ کے تجربے اور مشاہدے سے ثابت ہوتی ہے کہ روزی کمانے کا دھندا ہر وقت انسان کے ساتھ ساتھ ہے اور چپکے چپکے اس کے ظاہری اور باطنی قویٰ کو اپنے سانچے میں ڈھالتا رہتا ہے ذرا خیال کرو کہ غریبی یا یوں کہو کہ ضروریات زندگی کے کامل طور پر پورا نہ ہونے سے انسانی طرزِ عمل کہاں تک متاثر ہوتا ہے۔ غریبی قویٰ انسانی پر بہت بڑا اثر ڈالتی ہے، بلکہ بسا اوقات انسانی روح کے مجلّا آئینہ کو اس قدر زنگ آلود کر دیتی ہے کہ اخلاقی اور تمدنی لحاظ سے اس کا وجود وعدم برابر ہو جاتا ہے۔ معلم اوّل یعنی حکیم ارسطو[2] سمجھتا تھا کہ غلامی تمدن انسانی کے قیام کے لیے ایک ضروری جزو ہے، مگر مذہب اور زمانۂ حال کی تعلیم نے انسان کی جبلی آزادی پر زور دیا اور رفتہ رفتہ مہذب قومیں محسوس کرنے لگیں کہ یہ وحشیانہ تفاوتِ مدارج بجائے اس کے کہ قیام تمدن کی لیے ایک ضروری جزو ہو، اس کی تخریب کرتا ہے اور انسانی زندگی کے ہر پہلو پر نہایت مذموم اثر ڈالتا ہے۔ اس طرح اس زمانے میں یہ سوال پیدا ہوا کہ آیا مفلسی بھی نظم عالم میں ایک ضروری جزو ہے؟ کیا ممکن نہیں کہ ہر فرد مفلسی کے دُکھ سے آزاد ہو؟ کیا ایسا نہیں ہوسکتا ہے کہ گلی کوچوں میں چپکے چپکے کراہنے والوں کی دل خراش صدائیں ہمیشہ کے لیے خاموش ہو جائیں اور ایک دردمند دل کو ہلا دینے والے افلاس کا دردناک نظارہ ہمیشہ کے لیے صفحہ عالم سے حرف غلط کی طرح مٹ جائے؟ اس سوال کا شافی جواب دنیا علم الاقتصاد کا کام نہیں۔ کیونکہ کسی حد تک اس کے جواب کا انحصار انسانی فطرت کی اخلاقی قابلیتوں پر ہے جن کو معلوم کرنے کے لیے اس علم کے ماہرین کوئی خاص ذریعہ اپنے ہاتھ میں نہیں رکھتے۔ مگر

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

چونکہ اس جواب کا انحصار زیادہ تر ان واقعات اور نتائج پر بھی ہے جو علم الاقتصاد کے دائرہ تحقیق میں داخل ہیں اس واسطے یہ علم انسان کے لیے انتہا درجہ کی دلچسپی رکھتا ہے اور اس کا مطالعہ قریباً قریباً ضروریات زندگی میں سے ہے۔ بالخصوص اہل ہندوستان کے لیے تو اس علم کا پڑھنا اور اس کے نتائج پر غور کرنا نہایت ضروری ہے کیونکہ یہاں مفلسی کی عام شکایت ہو رہی ہے۔ ہمارا ملک کامل تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے اپنی کمزوریوں اور نیز ان تمدنی اسباب سے بالکل ناواقف ہے جن کا جاننا قومی فلاح اور بہبودی کے لیے اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔ انسان کی تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ جو قومیں اپنے تمدنی اور اقتصادی حالات سے غافل رہی ہیں اُن کا حشر کیا ہوا ہے۔ ابھی حال میں مہاراجہ بڑودہ نے اپنی ایک گراں بہا تقریر میں فرمایا تھا کہ اپنی موجودہ اقتصادی حالت کو سنوارنا ہماری تمام بیماریوں کا آخری نسخہ ہے اور اگر یہ نسخہ استعمال نہ کیا گیا تو ہماری بربادی یقینی ہے۔ پس اگر اہل ہندوستان دفتر اقوام میں اپنا نام قائم رکھنا چاہتے ہوں تو ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس اہم علم کے اصولوں سے آگاہی حاصل کر کے معلوم کریں کہ وہ کون سے اسباب ہیں جو ملکی عروج کے مانع ہو رہے ہیں۔ میری غرض ان اوراق کی تحریر سے یہ ہے کہ عام فہم طور پر اس علم کے نہایت ضروری اصول واضح کروں اور نیز بعض جگہ اس بات پر بھی بحث کروں کہ یہ عام اصول کہاں تک ہندوستان کی موجودہ حالت پر صادق آتے ہیں۔ اگر ان سطور سے کسی فردِ واحد کو بھی ان معاملات پر غور کرنے کی تحریک ہوگئی تو میں سمجھوں گا کہ میری دماغ سوزی اکارت نہیں گئی۔

اس دیباچے میں یہ واضح کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب کسی خاص انگریزی کتاب کا ترجمہ نہیں ہے بلکہ اس کے مضامین مختلف مشہور اور مستند کتب سے اخذ کئے گئے ہیں اور بعض جگہ میں نے ذاتی رائے کا بھی اظہار کیا ہے۔ مگر صرف اسی صورت میں جہاں مجھے اپنی رائے کی صحت پر پورا اعتماد تھا۔ زبان اور طرز عبارت کے متعلق صرف اس قدر عرض کر دینا کافی ہو گا کہ میں اہل زبان نہیں ہوں۔ جہاں تک مجھ سے ممکن ہوا ہے میں نے اقتصادی اصولوں کے حقیقی مفہوم کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے اور اردو زبان میں اس متین طرز عبارت کی تقلید کرنے کی کوشش کی ہے جو انگریزی علمی کتابوں میں عام ہے نئی علمی اصطلاحات کے وضع کرنے کی دقت کو ہر با مذاق آدمی جانتا ہے۔ میں نے بعض اصطلاحات خود وضع کی ہیں اور بعض مصر کے عربی اخباروں سے لی ہیں جو زمانۂ حال کی عربی زبان میں آج کل متداول ہیں۔ جہاں جہاں کسی اردو لفظ کو اپنی طرف سے کوئی نیا مفہوم دیا ہے ساتھ ہی اس کو تصریح بھی کر دی ہے۔ اس کتاب میں ایک آدھ جگہ انگریزی محاورہ کی تقلید میں میں نے اسم ذات کو اسم صفت کے معنوں میں بھی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

استعمال کیا ہے۔ مثلاً سرمایہ داروں کے معنوں میں یا محنت محنتیوں کے معنوں میں۔ اگر چہ محاورہ اردو پڑھنے والوں کو غیر مانوس معلوم ہوگا تاہم اس کے استعمال میں ایسی سہولت ہے جس کو بامذاق لوگ خوب محسوس کی سکتے ہیں۔ جہاں کئی فارسی محاورات کے لفظی تراجم اردو زبان میں مستعمل ہیں اگر اس لطیف محاورہ انگریزی کا ترجمہ بھی مستعمل کرلیا جائے تو کیا حرج ہے۔

اصطلاحات کی نسبت ایک اور عرض یہ ہے کہ میں نے مانگ اور طلب، دستکاری اور محنت، دستکار اور محنتی، نفع اور منافع، ساہوکار اور سرمایہ دار، مالک و کارخانہ سار مرادف استعمال کئے ہیں۔ پیدائش اور پیداوار کا استعمال ایک باریک فرق کو ظاہر کرتا ہے۔ یعنی پیدائش سے مراد فعل کی ہے اور پیداوار سے مراد نتیجہ فعل کی۔ علیٰ ہذا القیاس لفظ تبادلہ اس جگہ استعمال کیا ہے جہاں ایک شئے دوسری شے کے عوض میں دی جائے۔ عربی زبان میں مبادلے کا یہ مفہوم لفظ مقائفہ سے ظاہر کیا جاتا ہے، مگر چونکہ یہ لفظ عام فہم نہیں ہے، اس واسطے میں نے اس کے استعمال سے احتراز کیا ہے۔

اس دیباچے کو ختم کرنے سے پیشتر میں استاذی المعظم حضرت قبلہ آرنلڈ صاحب پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے مجھے اس کتاب کے لکھنے کی تحریک کی اور جن کے فیضان صحبت کا نتیجہ یہ اوراق ہیں۔ میں استاذی جناب قبلہ لالہ جیارام صاحب ایم اے پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور اور اپنے عزیز دوست اور ہم جماعت دوست اور ہم جماعت مسٹر فضل حسین بی اے کینٹب بیرسٹر ایٹ لا کا بھی مشکور ہوں جنہوں نے مجھے نہ صرف اپنے بیش قیمت کتب خانوں کی کتابیں ہی عنایت فرمائیں بلکہ بعض مسائل کے متعلق نہایت قابل قدر مشورات بھی دیئے۔ اس کے علاوہ مخدوم و مکرم جناب قبلہ مولانا شبلی نعمانی مدظلہ بھی میرے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اس کتاب کے بعض حصوں میں زبان کے متعلق قابل قدر اصلاح دی۔

محمد اقبال

☆☆☆

علامہ اقبال نے 'علم الاقتصاد' کو متعارف کرواتے ہوئے برصغیر کے عوام کے لیے اس علم

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کی خصوصی اہمیت کو اجاگر کیا۔

"Economics is Concerned with the problem of using the araiable resources of a countiy as efficient as possible to achiere the maximum fulfilment of socicty's untimited demand for goods and secvices. The ultimate purpose of economics endeak is to satisfy ruman wants for products." [18]

" Economics Simply tells us sow a man utilises his limited resources for the satisfaction of his unlimited wants."[19]

(۳۸۴ق م۔۳۲۲ق م) شہرہ آفاق یونانی فلسفی، سٹاجیرا میں پیدا ہوا۔ افلاطون کا فاضل ترین شاگرد رہا۔ سکندر اعظم کا معلم رہا۔ ایتھنز میں (لائی سیم) کے نام سے دبستانِ تعلیم قائم کر لیا جو مثالی دبستان کے نام سے مشہور ہے۔ افلاطون کی طرح ارسطو بھی کائنات کو دنیائے اعیان سمجھتا تھا مگر صورت اور مادے کے باہمی تعلق کے بارے میں دونوں کی رائے مختلف تھی۔ ارسطو کا استدلال یہ تھا کہ دونوں صورت اور مادہ غیر منفک ہیں۔ اسی اتحاد کو ایک اصول قرار دے کر ارسطو نے ہر نشو وارتقا اور ہر حرکت کی توجیہ کی۔ اس کے نزدیک حرکت اور تغیر مادے میں صورت کی پہچان کا ذریعہ ہیں۔ سائنسی تصانیف میں وہ فطرت کے گہرے مشاہدے اور صحیح طبقہ بندی کا قائل تھا۔ اس نے فطرت کا تجزیہ چار عناصر میں کیا یعنی خاک، باد، آتش اور آب پانچواں عنصر وہ جوان چاروں کی آمیزش کا وسیلہ ہے۔ اخلاقیات میں اس کا استدلال یہ ہے کہ ہر شے کی اچھائی اس کی خاص فطرت پہچاننے پر موقوف ہے کیونکہ اچھائی اور خیر توسط ہی میں ہے۔ مسلمان عربوں نے ارسطو کی کتابوں کے تراجم اور شرحیں لکھیں اور انہی کی بدولت یورپ میں ان سے روشناس ہوا۔ فلسفی کی حیثیت سے ارسطو کی شہرت لازوال ہے۔ ارسطو کی دستیاب تصانیف یہ ہیں۔ منطق پر چھ رسالے، ماوراء الطبیعیہ، طبعیات، فلکیات، حیوانات، حیوانات کے اجزا، روح، سیاسیات، اخلاقیات، خطابیات، شعریات، ایتھنز کا آئین وغیرہ وغیرہ۔۔

علامہ خود فرماتے ہیں کہ ''یہ کتاب کسی خاص انگریزی کتاب کا ترجمہ نہیں ہے بلکہ اس کے مضامین مختلف مشہور اور مستند کتابوں سے اخذ کیے گئے ہیں اور بعض جگہ میں نے اپنی ذاتی رائے کا اظہار بھی کیا ہے مگر صرف اسی صورت میں جہاں مجھے اپنی رائے کی صحت کا پورا اعتماد تھا''[۲۰]

''یہ کتاب غالباً اس ارادے سے تحریر کی گئی ہے کہ اردو دان طبقہ کی توجہ 'علم الاقتصاد' کی طرف مبذول کرائی جائے اس کتاب میں علامہ کے اپنے معاشی تصورات موجود نہیں بلکہ اس علم پر یہ ایک ابتدائی کتاب ہے''[۲۱]۔

''محمد اقبال نے اسٹب کی کتاب کا ملخص ترجمہ بھی کیا اسی نہج پر والکر کی کتاب سیاست

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

مدن کا ترجمہ کیا۔ والکر کی کتاب بی اے کے نصاب میں شامل تھی یہی وہ زمانہ ہے جب وہ آرنلڈ کی تحریک اور ٹیکسٹ بک کمپنی کے ایما سے معاشیات میں اپنی کتاب 'علم الاقتصاد' تصنیف کر رہے تھے''۲۲۔

تمام اقبالین نے 'علم الاقتصاد' کو طبع زاد کتاب کہا ہے ویسے اس سلسلے میں معاشی اور ٹواہی کی ضرورت ہی نہیں بلکہ اقبال نے خود اس کی تصریح فرمادی ہے والکر 'علم الاقتصاد' طبع زاد کتاب نہ ہوتی تو جہاں اسٹب کی کتاب Stubb's Early plantazents اور Walker's Polptical Economy کا ذکر ملخص ترجمہ کی حیثیت سے کیا گیا اور Ladd کی درسی کتاب Primer of Psycholosy کے اردو ترجمے پر نظر ثانی کا ذکر ہے وہاں 'علم الاقتصاد' کے بارے میں بھی معاصرین کی آرا ظاہر ہو جاتیں لیکن ہر جگہ 'علم الاقتصاد' کو بطور ''تالیف'' کے متعارف کروایا گیا ہے حتیٰ کہ شیخ عبدالقادر مدیر مخزن نے بھی واشگاف الفاظ میں اسے اقبال کی تصنیف قرار دیا ہے۔ معاصرین اقبال کی نظر میں 'علم الاقتصاد' کی حیثیت تالیف کی ہے۔ کتب برائے ملاحظہ۔۔عروج اقبال[۲۳] ص۹۲، دانائے راز[۲۴] ص۱۰۹، مئے لالہ فام[۲۵] ص۲۶۳، زندہ رود[۲۶] ص۸۷، روز گار فقیر[۲۷] ص۳۲۰، سرگزشت اقبال[۲۸] ص۴۳، مخزن[۲۹]، اپریل ۱۹۰۴ء، ص۱۔

آرنلڈ (تھامس واکر)، (۱۹/اپریل ۱۸۶۴۔ ۹ رجون ۱۹۳۰ء) مشترق جو اپنے ہمدرانہ انداز فکر کی بدولت مسلمانوں میں بہت مقبول ہوئے۔ سرسید کے زمانے میں ایم اے او کالج علی گڑھ میں پروفیسر مقرر ہوئے اور نو سال اس منصب پر فائز رہے۔ یہیں انھوں نے اپنی مشہور کتاب Preaching of Islam لکھی۔ کسی غیر مسلم کی لکھی ہوئی کتاب سے جس نے مغرب کے اس بے بنیاد الزام کو باطل قرار دیا کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا تھا۔ ۱۸۹۸ء میں وہ لاہور کے گورنمنٹ کالج میں فلسفے کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ علامہ نے یہیں پر ان سے استفادہ کیا۔ بعد ازاں اورینٹل کالج لاہور کے پرنسپل رہے۔ یہاں قاضی ظفر الدین کی مدد سے عربی لغت ''مواء السبیل الیٰ معرفۃ المعرب والدخیل'' مرتب کی۔ ۱۹۰۴ء میں واپس انگلستان چلے گئے اور انڈیا آفس میں اسسٹنٹ لائبریرین کے عہدے پر فائز رہے پھر لندن میں سکول آف اورینٹل سٹڈیز قائم ہوا تو وہاں عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے انگریزی ایڈیشن کے ایڈیٹر بھی رہے۔ ایک کتاب المعتزلہ کے نام سے بھی تصنیف کی۔[۳۰]

علی گڑھ میں آرنلڈ نے شبلی کو فرانسیسی زبان سکھائی اور شبلی سے وہ فارسی و عربی ادبیات کے مطالعے میں مستفید ہوئے۔۔۔ آرنلڈ پہلے انگریز استاد تھے جو مسلم علما کا لباس عبا اور عمامہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

پہن کر لالج کے مولویوں کی صحبت میں بیٹھتے اور طلبا کی مجالس میں شریک ہوا کرتے تھے۔[۳۱]

'علم الاقتصاد' کی تصنیف میں آرنلڈ کی تحریک ۔۔۔ اقبال خود فرماتے ہیں۔'' اس دیباچے کو ختم کرنے سے پیشتر میں استاذی المعظم حضرت آرنلڈ صاحب پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے مجھے اس کتاب کے لکھنے کی تحریک کی اور جن کے فیضان صحبت کا نتیجہ یہ اوراق ہیں''[۳۲]۔ نذیر نیازی جو اقبال کے بہت قریب رہے ہیں ان کے یہاں سے بھی اسی امر کی تصدیق ہوتی ہے۔ لکھتے ہیں۔'' یہی وہ زمانہ ہے جب وہ آرنلڈ کی تحریک اور ٹیکسٹ بک کمپنی کے ایما پر اپنی کتاب 'علم الاقتصاد' تصنیف کر رہے تھے جیسا کہ کالج کی روداد ۱۹۰۱ء۔۱۹۰۲ء میں اشارہ کیا گیا ہے''[۳۳]۔ پروفیسر آرنلڈ کی اس تجویز و تحریک کا مقصد یہ تھا کہ اقبال جیسے باشعور نوجوان کو جو اپنے ملک کی ترقی اور اپنی قوم کی مادی خوشحالی کا آرزومند ہے معاشی مسائل اور اس علم کے اصول و مبادیات سے آشنا ہونا چاہیے۔ ان کی اسی حکیمانہ تجویز کا خاطر خواہ اثر ہوا اور اقبال نے اس خشک اور ثقیل مضمون کی تحصیل میں بڑی دلچسپی اور پروفیسر آرنلڈ کیا یماہر وسیع و عمیق مطالعے کے بعد 'علم الاقتصاد' مرتب کی جو نہ صرف اردو میں بلکہ اس برصغیر کی تمام دیسی زبانوں میں اس موضوع پر پہلی کتاب ہے۔۔۔۔''[۳۴] ۔۔۔'' جیسا کہ وہ دیباچہ میں لکھتے ہیں پروفیسر آرنلڈ نے تالیف کتاب کی طرف متوجہ کیا۔ آرنلڈ سے اقبال کی وابستگی محتاج بیان نہیں چنانچہ ان کا توجہ دانا علم الاقتضاد لکھنے کا فوری محرک ثابت ہوا۔''[۳۵]

۲۔ لالہ جیارام

گورنمنٹ کالج میں آرنلڈ کی ذات سے اقبال کو جو عقیدت تھی وہ تو خیر ایک استثنیٰ ہے۔ گورنمنٹ کالج کے دوسرے اساتذہ کی بھی وہ دل سے عزت کرتے تھے۔ لالہ جیارام تو استاذی قبلہ لالہ جیارام تھے جیسا کہ دیباچہ علم الاقتصاد میں لکھتے ہیں۔۔۔'' میں استاذی قبلہ لالہ جیارام صاحب ایم۔ اے پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور اور اپنے عزیز دوست اور ہم جماعت مسٹر فضل حسین بی۔ اے کینٹب بیرسٹرایٹ لا کا بھی مشکور ہوں''[۳۶]۔۔۔۔۔ لاجیارام کو اردو اور فارسی ادب سے فی شغف تھا اور محمد اقبال سے بڑا لگاؤ۔ ان کے ملکۂ سخن کے قدردان۔ گورنمنٹ کالج میں طلبا کے ذوق ادب کی پرورش کے لیے ایک ادبی انجمن (اب مجلس اقبال) انہیں نے قائم کی۔ انہیں کی تحریک سے قرار پایا کہ ہر سال کالج میں جو بہترین اردو نظم لکھے اسے انعام دیا جائے۔[۳۷] اس امر کی تصدیق اسد ملتانی کی ایک تحریر سے ہوتی ہے لکھتے ہیں۔۔۔'معلوم نہیں یہ سلسلہ اب

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

تک جاری ہے یانہیں لیکن بیس پچیس برس پہلے گورنمنٹ کالج لاہور میں ہر سال تقسیمِ انعامات کے موقع پر ایک انعام اردو میں بہترین نظم لکھنے والے طلاب علم کو ملا کرتا تھا۔" ۳۸ (اسد ملتانی کی نظم قطرۂ شبنم جس پر انہیں اول انعام ملا۔۔۔لالہ جیارام اسسٹنٹ پروفیسر فلسفہ کے استاد تھے۔ نہایت سادہ مزاج اور شریف النفس انسان تھے۔ گورنمنٹ کالج کی تاریخ میں انہیں میمنے کی طرح حلیم اور ہرن کی طرح 'نرم دل' بیان کیا گیا ہے"[۳۹] ۔۔۔۔۔اپنی روایتی متانت کے باوجود ان کا دل لطیف احساسات و جذبات کے سوز وساز سے لبریز تھا۔ بعض جماعتوں کو انگریزی ادب کی تدریس کے دوران یہ سنجیدہ فلسفی، وفودِ جذبات سے اکثر جھک پڑتا تھا[۴۰] ۔۔۔۔۔اقبال ان کے نیاز مندوں میں سے تھے۔ چنانچہ علم الاقتصاد کے دیباچے میں ان کی ذاتی کتابوں اور مفید مشوروں پر اظہار تشکر کرتے ہوئے ان کا نام انتہائی فرطِ عقیدت سے رقم کیا ہے۔

۳۔سر فضل حسین میاں (۱۸۷۷-۹جولائی ۱۹۳۶) ضلع گورداسپور کے ایک معزز راجپوت گھرانے کے فرد، گورنمنٹ کالج لاہور اور کیمبرج سے بی اے کی سند لی۔ بیرسٹر (۱۹۰۱ء) پہلے سیالکوٹ پھر لاہور میں وکالت شروع کی۔ انجمن حمایت اسلام اور اسلامیہ کالج لاہور کی خدمت گزاری۔ مسلم لیگ کے لیے خاص سرگرمی۔۱۹۲۱ء میں دوعملی کا نظام شروع ہوتے ہی تعلیم اور لوکل گورنمنٹ کی وزارت ملی۔ پسماندہ طبقوں کی امداد کے لیے اتحاد پارٹی کی بنیاد رکھی (۱۹۲۳) ریونیو ممبر پنجاب (۱۹۲۶-۱۹۳۰) وا۵سرا۵ے کی ایگزیکٹو کونسل کا رکن (۱۹۳۰-۱۹۳۵ء) وزیر تعلیم پنجاب بھی رہے۔ صحت کمزور تھی لیکن دل و دماغ مستعد، دور اندیشی کا یہ عالم تھا کہ سب پر فائق رہے۔ حد درجہ اول پرست اور حق شناس تھے۔۔۔میاں فضل حسین اقبال کے دوست اور کلاس فیلو تھے۔ فضل حسین کے فرزند عظیم حسین اپنے والد کی سوانح انگریزی بعنوان فضل حسین میں لکھتے ہیں۔۔۔"۱۸۹۷ء میں بی اے کے امتحان میں کل ۱۰۵ طالب علم کامیاب ہوئے جن میں سے چار نے فرسٹ ڈویژن حاصل کی۔ اقبال اور ان کے ہم جماعت میاں فضل حسین سیکنڈ ڈویژن میں آئے۔ اقبال مسلمانوں میں اول تھے اور میاں فضل حسین دوم۔۔۔"[۴۲] سر فضل حسین سے اقبال کے گہرے دوستانہ مراسم تھے علم الاقتصاد کے دیباچہ میں بھی اقبال نے جن سر فضل حسین بی اے کینٹب بیرسٹر ایٹ لا کا شکریہ ادا کیا ہے وہ یہی ہیں۔[۴۳]

۴۔مولانا شبلی نعمانی: ۱۸۵۷ء-۱۹۱۴ء

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ادیب نقاد اور شاعر۔موضع بدول ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم اپنے والد اور مولوی شکر اللہ سے پائی۔لکھنو، رام پور، سہارن پور اور لاہور میں مزید تعلیم کے لیے سفر کیے۔ مولانا شبلی نعمانی اپنے وقت کے بہت عالم فاضل آدمی تھے۔سرسید کے قریبی اور باعتماد رفقائے کار میں شمار ہوتے تھے۔علیگڑھ کالج میں فارسی کے پروفیسرز تھے۔۱۸۹۴ء میں ندوۃ العلماء کی بنیاد رکھی۔اسی سن میں شمس العلماء کا خطاب ملا۔سرسید کے بعد علی گڑھ چھوڑ کر حیدر آباد دکن چلے گئے اور ناظم تعلیمات مقرر ہوئے۔اردو فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔قومی سیاسی اور اخلاقی نظمیں بھی لکھیں۔۔۔۔الفاروق، شعر العجم، المامون، سیرۃ النعمان، الغزالی، الکلام، سوانح عمری مولانا روم، موازنہ انیس و دبیر، سیرۃ النبی کی پہلی جلد خود ختم کی باقی سید سلیمان ندوی نے مکمل کی۔۴۴

حوالہ جات
(پیش کش و دیباچہ منصف)

۱۔دانائے راز، ص۱۰۳، ۱۲۵
۲۔عروج اقبال، ص۴۲
۳۔زندہ رود، ج اول ص۶۷
۴۔سرگزشت اقبال ص
۵۔اقبال ایک مطالعہ ص۱۱
۶۔سرگزشت اقبال ص۲۷
۷۔زندہ رود ج اول ص۶۷
۸۔عروج اقبال ص۴۱
۹۔تذکار اقبال ص۷۷
۱۰۔روزگار فقیر جلد دوم ص۳۲۰
۱۱۔شبہ جبریل ص۵۷
۱۲۔زندہ رود ج اول ص۸۷
۱۳۔عروج اقبال ص۱۷۸

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

۱۴۔تصانیف اقبال کا تحقیقی وتوضیحی مطالعہ ص ۲۸۸
۱۵۔افکار اقبال ص ۲۳۴
۱۶۔برکات اقبال ص ۲۳۶
۱۷۔اقبال کا فنی ارتقا ص ۱۴
۱۸۔مئے لالہ فام ص ۲۶۳
۱۹۔ Guinness Encyclopedia, 1995, p. 272
۲۰۔ Modern Economic Theory p. 9
۲۱۔علم الاقتصاد ص
۲۲۔مئے لالہ فام ص ۲۶۳
۲۳۔دانائے راز ص ۱۰۹
۲۴۔عروج اقبال ص ۹۲
۲۵۔دانائے راز ص ۱۰۹
۲۶۔مئے لالہ فام ص ۲۶۳
۲۷۔روزگار فقیر ص ۳۲۰
۲۸۔سرگزشت اقبال ص ۴۳
۲۹۔مخزن اپریل ۱۹۰۴ء ص ۱
۳۰۔اردو جامع انسائیکلو پیڈیا ج اول ص ۱۵
۳۱۔عروج اقبال ص ۴۵
۳۲۔علم الاقتصاد ص
۳۳۔دانائے راز ص ۱۰۹
۳۴۔عروج اقبال ص ۱۰۳
۳۵۔تصانیف اقبال کا تحقیقی وتوضیحی مطالعہ ص ۲۸۹
۳۶۔علم الاقتصاد ص
۳۷۔دانائے راز ص ۱۰۲
۳۸۔اقبالنامہ ج اول ص ۳۴۰
۳۹۔A History of Govt. College p. 98

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

۴۰۔عروج اقبال ص۴۳
۴۱۔اردو جامع انسائیکلوپیڈیا ج دوم ص۱۰۸۶
۴۲۔زندہ رود ص۶۷ بحوالہ فضل حسین ص۱۲
۴۳۔علم الاقتصاد ص۳۴
۴۴۔شخصیات کا انسائیکلوپیڈیا ص

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

علم الاقتصاد کی ماہیت اور اس کا طریق تحقیق

علم الاقتصاد علم انسانی کے اس خاص حصّے کا نام جس کا موضوع دولت[1] ہے اور جس کا مقصد یہ معلوم کرنا ہے کہ دولت کی پیدائش، تقسیم، تبادلے اور استعمال کے اصول و اسباب و طریق کیا گیا ہیں۔ لہٰذا اس علم کے طالب کا یہ فرض ہے کہ اپنی تحقیق و تدقیق کو دیگر علوم کی تحقیق سے مخلوط نہ کرے۔ کیونکہ کسی علم کی ترقی اس امر پر منحصر ہے کہ اسے دیگر علوم کے سلسلہ سے منفرد سمجھ کر مطالعہ کیا جائے۔ بعض حکماء کی یہ رائے ہے کہ علم الاقتصاد وسیع علم تمدن کا ایک جزو ہے اور چونکہ تمدنی زندگی کی عام صورتیں ایک دوسرے سے وابستہ ہیں اس واسطے ان میں سے کسی ایک کا منفرد مطالعہ کرنا کچھ نتیجہ خیز نہ ہوگا۔ مگر یہ رائے قرین صواب نہیں معلوم ہوتی۔ کیونکہ انسانی افعال کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ عملی نظر کامل طور سے اس کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ اس کے علاوہ جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے کسی علم کے علم بننے کے لیے اس کی تخصیص[2] ضروری ہے۔

کیا علم الاقتصاد کا مطالعہ دولت کی محبت پیدا کرتا ہے؟ بعض لوگ اس بات پر مصر ہیں کہ اس علم کا مطالعہ اخلاقی لحاظ سے مفید نہیں ہے کیونکہ اس سے دولت کی محبت پیدا ہوتی ہے۔ جو انسان کو تمام اخلاقی نیکیوں کے ناقابل کر دیتی ہے اور اسے ایک سنگ دل دنیادار بنا دیتی ہے۔ اس لغو اعتراض کے جواب میں اول تو ہم[3] یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگرچہ انسان کی غرض صرف دولت ہی نہیں ہے تاہم یہ بڑی ضروری اغراض میں سے تو ہے۔ اور اس وجہ سے لازم ہے وہ اس کا مطالعہ کیا جاوے۔ اور اس کی پیدائش و تقسیم وغیرہ کے اسباب و طریق معلوم کئے جائیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی[4] کہا جا سکتا ہے کہ سرے سے یہ اعتراض ہی صحیح نہیں ہے۔ علم الاقتصاد کے مطالعہ سے دولت کی محبت نہیں پیدا ہوتی۔ کیونکہ اس کا مقصد تو صرف یہ معلوم کرنا ہے کہ حصول دولت کی خواہش جیسا کہ انسانی فطرت میں موجود ہے، انسانی افعال پر کس طرح اثر کرتی ہے۔ ممکن ہے کہ بعض میلان طبائع ایسے قوی ہوں کہ حصول دولت کی خواہش کو دبائے رکھیں۔ مگر علم اقتصاد کو ان سے تعلق نہیں ہے۔ اس کا کام یہ نہیں ہے کہ انسانوں کے چال چلن پر رائے زنی کرے یا یہ فیصلہ کرے کہ کون

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کون سے محرکات افعال اخلاقی لحاظ سے اچھے ہیں اور کون کون سے بُرے۔ یہ علم انسانی افعال کے وسیع دائرہ کے صرف اس حصہ پر غور کرتا ہے جس کا تعلق حصول دولت سے ہے۔ مزید برآں اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ علم اقتصاد حرص کی تعلیم نہیں دیتا۔ بلکہ حصول دولت کے صحیح اور مسلم اصولوں پر روشنی ڈالنے سے انسان کو یہ سکھاتا ہے کہ اس قوی خواہش کو ان اصولوں کے تحت میں رکھے اور جنگ وجدل لوٹ مار وغیرہ سے جو اس زبردست خواہش کا ضروری نتیجہ ہوا کرتے ہیں،[۴] احتراز کر کے امن وصلح کاری کے ساتھ زندگی بسر کرے۔

ہم نے لفظ ''دولت'' کئی جگہ استعمال کیا ہے۔[۵] مگر ابھی تک یہ بیان نہیں کیا کہ اس کی ماہیت اور تعریف کیا ہے۔ دولت میں یہ ممکن الحصول اشیاء شامل ہیں جو بالواسطہ یا بلاواسطہ انسانی ضروریات کو پورا کریں اور جن کی جائز اور مناسب طور پر خواہش کی جا سکے۔ مگر ظاہر ہے کہ ہر ممکن الحصول شے جس کی جائز اور مناسب طور پر خواہش کی جائے دولت نہیں ہے۔ پس اجزائے دولت کو معلوم کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ پہلے اشیا مطلوب کو معلوم کیا جائے۔ مطلوب[۶] اشیاء یا وہ تمام اشیاء جن کی ہر انسان جائز اور مناسب طور پر خواہش کر سکتا ہے، دو قسم کی ہوتی ہیں۔

۱۔ وہ ممکن الحصول اشیاء مادّی جن میں تمام مفید اشیاء اور ان کے حقوق استعمال شامل ہیں۔ مثلاً زمین، پانی، آب وہوا، زرعی پیداوار، معدنی پیداوار، مصنوعات، تعمیرات، کلیں، اوزار، رہن نامجات، پٹے وغیرہ۔

۲۔ اشیا ممکن الحصول غیر مادّی یا ذاتی۔ اس ضمن میں دو قسم کی اشیاء شامل ہیں۔

اوّل تو وہ فوائد جو انسان اوروں سے حاصل کرنے کا حق رکھتا ہے۔ مثلاً حق خدمت ملازمین۔

دوئم اس کے ذاتی اوصاف یا قابلیتیں جن کی وجہ سے وہ اپنے کاموں کو سرانجام دیتا ہے۔[۷] مقدم الذکر کو اشیاء غیر مادّی اندرونی، روشنی ہوا یا وہ حق جو اس کو بحیثیت ایک خاص ملک کا باشندہ ہونے کے حاصل ہیں۔[۸]

اشیاء مطلوب کی تقسیم اور طرح سے بھی ہو سکتی ہے یعنی اشیاء آزاد[۹] اور اشیاء[۱۰] قابل تبادلہ۔ اشیاء آزاد سے مراد ان اشیاء کی ہے جو نظام قدرت خود بخود مہیا کرتا ہے اور انسان کو ان کے حاصل کرنے کے واسطے کوشش نہیں کرنی پڑتی۔

اشیاء قابل تبادلہ میں وہ تمام اشیاء قابل انتقال شامل ہیں جن کی مقدار محدود ہو مگر یہ امتیاز عملی لحاظ سے کچھ بڑی وقعت نہیں رکھتا۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اب اصطلاح ''دولت'' کا مفہوم بالصراحت واضح ہوجائے گا۔ جب ہم کسی شخص کی نسبت لفظ دولت کا اطلاق کرتے ہیں تو اس کے معنوں میں دو قسم کی اشیاء مطلوب شامل سمجھی جاتی ہیں۔

اوّل وہ ممکن الحصول اشیاء مادّی وخارجی جن پر اس کو قانونا یا روا جا حق ملکیت حاصل ہے اور جو اس وجہ سے قابل انتقال اور قابل تبادلہ ہیں۔

دوم وہ ممکن الحصول اشیاء غیر مادّی وخارجی جو اس کی ملکیت میں ہوں ارجن کی وساطت سے اشیاء مادّی حاصل کی جاسکیں۔ مثلاً کسی شخص کے تجارتی تعلقات وغیرہ ظاہر ہے کہ ''دولت'' کے مندرجہ بالا مفہوم میں انسان کے فطری قویٰ شامل نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ یہ اس کی ذات سے خارج نہیں ہیں بلکہ اس کی ذات میں داخل ہیں۔ یا یوں کہو کہ یہ اشیاء غیر مادّی اندرونی ہیں۔ جو محاورہ متعارف کی رو[11] سے دولت میں شامل نہیں۔ پس دولت سے مراد ان خارجی اشیاء کی ہے جن کی جائز اور مناسب طور پر خواہش کی جاسکے ارجو انسان کی ذاتی ملک ہوں۔ اور جن کی قدر تبادلے میں زرنقد کے پیمانے سے متعین ہوسکتی ہو۔ یہ پیمانہ ایک طرف تو اس سعی وکوشش کو ظاہر کرتا ہے۔ جس کی وساطت سے یہ اشیاء پیدا ہوئی ہوں۔ اور دوسری طرف ان انسانی ضروریات کو جن کو یہ پورا کرتی ہیں۔ مختصر طور پر یوں کہہ دو کہ ''دولت'' میں انسانی ضروریات کو پورا کرنے کے وہ تمام جائز ومناسب اور ممکن الحصول وسائل داخل ہیں جو بالفعل یا بالقوۃ قابل انتقال ہوں۔ اس تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف وہی شئے دولت کہلاسکتی ہے۔

۱۔ جو کوئی خاص شے ہو، خواہ مادّی خارجی ہو، خواہ غیر مادّی خارجی۔

۲۔ جس کی خواہش انسانی ضروریات کو پورا کرنے کے خیال سے جائز اور مناسب طور پر کی جاسکتی ہو۔ افریقہ کا ایک وحشی اپنے دشمن کے سر کی خواہش کرسکتا ہے، مگر یہ خواہش اخلاقی لحاظ سے جائز اور مناسب نہیں ہے۔

۳۔ جو ممکن الحصول ہو۔

۴۔ جس پر انسان کو حق ملکیت حاصل ہو۔

۵۔ جس میں قابلیت انتقال ہو۔ یا یوں کہو کہ جس کی قدر تبادلے میں زرنقد کے پیمانے سے متعین ہوسکتی ہو۔

دولت[12] کی مندرجہ بالا تعریف میں ہم نے لفظ ''قدر'' کو استعمال کیا ہے، جو علم اقتصاد کی ایک ضروری اصطلاح ہے۔ دولت کی تعریف کما حصہ سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس اصطلاح

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کا مفہوم ذہن نشین ہو۔ فرض کرو کہ میرے پاس ایک گھڑی ہے۔ میں اسے بیچ کر اپنی ضروریات پورا کرنے یا اوروں سے خدمت لینے کی قدرت رکھتا ہوں۔ یہ قدرت مجھے کہاں سے حاصل ہوئی؟ پس ''قدر'' اس قدرت یا قوت کا نام ہے جو کسی شے کی وساطت سے اس شے کے قابض کو حاصل ہوتی ہے اور جس کو تبادلے میں دے کر وہ شخص بلا لحاظ جبر و اکراہ یا تاثرات ذاتی اوروں کی پیداوار محنت کو حاصل کر سکتا ہے۔ مختصر طور پر یوں کہہ دو کہ قدر قوت تبادلہ کا نام ہے۔

اس تعریف کے الفاظ پر غور کرو۔ ہم نے کہا ہے بلا جبر و اکراہ یا تاثرات ذاتی۔ کوئی مطلق العنان بادشاہ اپنی رعایا کو جہاں چاہے لڑنے مرنے کے لیے بھیج سکتا ہے۔ مگر یہ خدمات علم اقتصاد کے دائرہ میں نہ آئیں گی۔ کیونکہ ان کی بنا جبر و اکراہ پر ہے۔ برخلاف ان کے انگریزی سپاہی کی خدمات دائرہ علم اقتصاد میں داخل ہیں کیونکہ وہ اپنی مرضی سے ایک خاص تنخواہ کے عوض فوجی خدمت قبول کرتا ہے۔ اسی طرح اس ماں کی خدمات بھی دائرہ علم اقتصاد سے خارج ہیں جو اپنے بیمار بچے کی حفاظت میں بعض دفعہ جان بھی دے دیتی ہے۔ کیونکہ اس کی بنا ذاتی تاثرات یا محبت پر ہے۔

اس تعریف کو مختصر طور پر بیان کرتے ہوئے ہم نے کہا ہے کہ ''قدر'' قوت تبادلہ کا نام ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قدر کے تعین کے لیے تبادلہ ضروری ہے۔ مگر تبادلے کے لیے یہ ضروری ہے کہ کوئی اور فرد بھی ہو جس کے ساتھ تبادلۂ اشیاء کیا جائے۔ اب اس تعریف کے لحاظ سے دیکھو کہ آیا عقل، ہنر اور فطری قویٰ کو جنہیں انسان کے ذاتی اوصاف کے نام سے موسوم کیا جا سکتا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ یہ اشیاء نا قابل انتقال ہیں۔ یا بالفاظ دیگر ان کا تبادلہ نہیں ہو سکتا کیونکہ انسان کی ذات سے منفک نہیں ہو سکتے۔ بعض حکماء کا قول ہے کہ چونکہ قدر کے لیے اشیا میں قابلیت انتقال کا ہونا ضروری ہے۔ اس واسطے ذاتی اوصاف قدر سے معرّا ہیں اور دولت میں شامل نہیں ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ اگرچہ انسان کے ذاتی اوصاف یا فطری قویٰ میں قابلیت انتقال نہیں ہے تاہم ان کے استعمال میں یہ قابلیت موجود ہے۔ ہم اپنے فطری قویٰ کو کسی اور شخص کی خاطر استعمال کر کے اس سے حق الخدمت حاصل کر سکتے ہیں۔ بڑھئی کا ہنر نہ صرف اوروں کی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے بلکہ بالواسطہ اس کی اپنی ضرورتوں کے پورا کرنے کے لیے بھی ایسا ہی لازمی ہے جیسا کہ اس کے اوزار وغیرہ۔ یہی وجہ ہے کہ بعض محققین نے محاورہ متعارف کی رو سے اگرچہ لفظ ''دولت'' کا اطلاق اشیاء خارجی پر کیا ہے۔ تاہم انسان کے فطری قویٰ کو اس کی ذاتی دولت کے نام سے موسوم کیا ہے۔ اس رائے کے لحاظ سے کسی ملک کے لوگوں کا ہنر، دیانت داری وغیرہ بھی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اس ملک کی دولت میں شامل ہیں۔مگر بعض اہل الرائے نے بغیر کسی امتیاز کے ذاتی دولت کو بھی متعارف میں داخل سمجھا ہے۔ان کے نزدیک دولت میں تین قسم کی اشیاء داخل ہیں۔

۱۔ وہ ممکن الحصول اشیاء مادی خارجی جن کی جائز اور مناسب طور پر خواہش کی جا سکے اور جن پر انسان کو قانوناً یا رواجاً حق ملکیت حاصل ہو۔

۲۔ وہ ممکن الحصول اشیاء غیر مادی خارجی جن کی جائز اور مناسب طور پر خواہش کی جا سکے اور جو اس کی ملکیت میں ہوں۔ اور جن کی وساطت سے اشیاء مادی حاصل کی جا سکیں۔ مثلاً حقوق خدمت ملازمین اور تجارتی تعلقات وغیرہ۔

۳۔ وہ ممکن الحصول اشیاء غیر مادّی اندرونی جن کی جائز اور مناسب طور پر خواہش کی جا سکے۔ مثلاً انسان کے فطری قویٰ۔ ہمارے نزدیک پہلی رائے زیادہ قرین صواب معلوم ہوتی ہے۔ اگرچہ دونوں میں صرف ایک لفظی فرق ہے، معنوی فرق کوئی نہیں۔ قدر کے بیان سے یہ بات بھی سمجھ میں آ گئی ہوگی کہ دولت اور بہبودی مرادف الفاظ نہیں ہیں۔ اکثر اشیاء ہماری بہبودی کے لیے ضروری ہیں۔ تاہم دولت کے مفہوم میں شامل نہیں ہیں۔ مثلاً اگر آزاد دستکاروں کو غلام تصور کیا جائے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ دولت کی مقدار میں اضافہ ہوگا مگر انسان کی بہبودی کے لیے یہ امر مضرت رساں ہوگا۔ اسی طرح دولت کی مقدار کا مسئلہ ہے۔ بعض دفعہ کچھ عرصہ کے لیے ایسے اسباب فراہم ہو جاتے ہیں جو ملکی ترقی کے لیے ممد ہوں۔ مثلاً گلوں کی ایجاد چھوٹے چھوٹے اوزار استعمال کے دائرہ سے خارج ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ ملکی ترقی کا انحصار بہت کچھ اس قسم کی ایجادات پر ہے۔ پس معلوم ہوا کہ تہذیب وتمدّن کی ترقی کے ساتھ ساتھ دولت کی مقدار دن بدن کم ہونے کی طرف میلان رکھتی ہے۔ اگر آبادی بڑھتی نہ جاتی اور انسانی ضروریات اور حاجات کا دائرہ دن بدن کم ہونے کی طرف میلان رکھتی ہے۔ اگر آبادی بڑھتی نہ جاتی اور انسانی ضروریات اور حاجات کا دائرہ دن بدن وسیع نہ ہو جاتا تو علم الاقتصاد کے موضوعات کا احاطہ بھی تنگ ہوتا جاتا۔ یہاں تک کہ اس علم کی ضرورت ہی نہ رہتی۔ اس ضمن میں یہ واضح کر دینا بھی لازم معلوم ہوتا ہے کہ دولت اور جائیداد[۱۳] بھی ہم معنی الفاظ نہیں ہیں۔ کیونکہ اس امتیاز کا علم محصول آمدنی[۱۴] کی بحث میں کام آئے گا۔ فرض کرو کہ ایک قطعہ زمین ایک شخص کے لیے تو دولت ہوگی، جو اس کا لگان وصول کرتا ہے اور جو اپنے قرض کی عدم ادائیگی کی صورت میں اسے بیچ کر اپنی رقم وصول کر سکتا ہے مگر ملک کے لیے یہ زمین دولت نہ ہوگی۔ کیونکہ اگر فک الرہن ہو جائے تو ملک کی دولت میں کوئی تغیر نہ ہوگا۔ اس امتیاز کو زیادہ وضاحت سے یوں بیان کر سکتے ہیں کہ زمین مذکورہ تو دولت ہے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کیونکہ ایک خاص متعین قدر رکھتی ہے مگر رہن دولت نہیں۔ بلکہ جائیداد یا دولت کی ایک خاص مقدار کو حاصل کر سکنے یا استعمال میں لا سکنے کا حق ہے۔ جو مرتہن کو حاصل ہے۔ یعنی مالک زمین کی جائیداد کی مقدار اس زمین کی قدر منفی حق مرتہن کے برابر ہے۔ اس مثال میں دولت تو ایک ہی ہے مگر جائیدادیں دو ہیں۔ ایک تو اصل مالک کی جائیداد، دوسری مرتہن کی۔ زمین کی ملکیت خواہ ایک ہو خواہ کئی جائیدادوں پر منقسم ہو، ملک کی دولت میں کوئی تغیر واقع نہ ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ علم الاقتصاد کو لفظ جائیداد سے سروکار نہیں ہے۔ کیونکہ اس لفظ کا مفہوم اقتصادی نہیں، بلکہ قانونی ہے۔

علم الاقتصاد کی ماہیت کو واضح کرنے کے لیے اصطلاحات ''دولت'' و ''قدر'' کے معنی کا بالصراحت بیان کرنا ضروری تھا۔ اس واسطے مندرجہ بالا سطور ہم کو لکھنی پڑیں۔ اب ہم پھر اصل مضمون کی طرف عود کرتے ہیں اور یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ علم الاقتصاد کے ابتدائی اصول کیا کیا ہیں۔ اس ضمن میں کئی سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً وہ اصول اولیہ اور واقعات کیا ہیں جن کی بنا پر علم الاقتصاد کا ماہر اپنے استدلال کو قائم کرتا ہے؟ کیا اس استدلال میں ان تمام واقعات کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے، جو دولت پر اثر کرتے ہیں یا صرف چند ضروری واقعات پر قناعت کرنی چاہئے؟ کیا نتائج کلیہ پر پہنچنے کے لیے انسان کی حقیقی فطرت کا مطالعہ لازم ہے؟ یا اس غرض کے لیے ہمیں ایک خیالی انسانی فطرت کا تصور کرنا چاہئے جس کا ہر فعل اوروں کے لیے نمونہ ہو؟ کیا مختلف ممالک کے حالات زمین و آب و ہوا اور زرعی قابلیت اور لوگوں کے عادات اور ان کے اوضاع و اطوار کا معلوم کرنا ضروری ہے یا صرف انہی حالات و اوصاف کا علم ضروری ہے جو بالاشتراک ہر قوم میں پائے جاتے ہیں؟ ان سوالوں کے جواب پر علم اقتصاد کی ماہیت اور اس کا طریق تحقیق منحصر ہے۔ مگر اس بارے میں حکما کے درمیان بڑا اختلاف رائے ہے۔ بعض کے نزدیک اس علم کے ابتدائی اصول صرف چند واقعات ہیں جن کا تعلق انسانی فطرت، انسانی تمدن اور کرّہ ارض کی طبعی بناوٹ کے ساتھ ہے۔ اور بعض کے نزدیک علم الاقتصاد کے ماہر کا یہ فرض منصبی ہے کہ انسانی فطرت کے کسی ایسے واقعہ کو نظر انداز نہ کرے جس کا تعلق دولت یا دولت کی تقسیم اور پیدائش کے ساتھ ہو۔ لہٰذا ان حکماء کی رائے میں جوں جوں انسانی فطرت کا علم وسیع ہو جاتا ہے توں توں علم الاقتصاد بھی وسعت حاصل کرتا جاتا ہے۔ ایک محقق جوان حکماء کے طبقہ مؤخر الذکر میں داخل ہے کہتا ہے کہ ماہرین علم الاقتصاد کے فرائض مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ ان بڑے بڑے اصولوں کا معلوم کرنا جو حصول دولت پر اثر کرتے ہیں۔

۲۔ انسان کی دماغی بناوٹ کے بعض ضروری واقعات کا معلوم کرنا جن کا تعلق انسانی فطرت کے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ساتھ ہے۔
۳۔ پیدائش دولت کے قدرتی اسباب کے بڑے بڑے طبعی خواص معلوم کرنا۔
۴۔ دیگر اسباب کا تحقیق کرنا جو انسانی افعال پر اثر کرتے ہیں جن کا مقصود حصول دولت ہو۔ مثلاً ملکی اور تمدنی رسوم، جدید ضروریات کا پیدا ہونا یا قوانین متعلقہ زمین وغیرہ۔ مگر ہماری رائے میں دونوں فریق راستی پر ہیں۔ علم الاقتصاد کے لیے ضروری ہے کہ اوّل چند خاص اصول بطور بناء کے قائم کئے جائیں اور پھر یہ معلوم کیا جائے کہ انسانی زندگی کے موجودہ حالات و واقعات سے ان ابتدائی اصولوں میں عملاً کیا تغیر پیدا ہوتا ہے۔ بہرحال علاوہ اور باتوں کے ماہرین علم الاقتصاد کے لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ علم کی بنیاد انسانی فطرت کے صحیح اصولوں پر قائم کریں، ورنہ ان کو صحیح اور کلی نتائج کی توقع نہیں رکھنی چاہئے۔ فرضاً اگر اس بات کو تسلیم کر لیا جاۓ کہ انسان بالطبع خودغرض ہے یا اس کی فطرت قدرتاً وصف ایثار سے کلی طور پر معرّا ہے۔ اور اس ابتدائی اصول کو اقتصادی استدلال کی بنیاد قرار دیا جائے تو ظاہر ہے کہ وہ تمام استدلالات جو اس اصول پر مبنی ہوں گے، غلط سمجھے جائیں گے۔ [۱۵] کیونکہ حقیقتاً انسانی فطرت اس قسم کی نہیں ہے، بلکہ خودغرضی اور ایثار دونوں سے مرکّب ہے۔ اگر کسی قوم میں علم الاقتصاد کے ایسے اصول مروّج ہو جائیں جو اس قسم کے غلط مشاہدے پر مبنی ہوں تو وہ قوم ایک دو صدیوں کے عرصہ میں ہی ایک حیرت ناک اخلاقی تنزل کرے گی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس قوم کے ہر فعل میں بے جا خودغرضی اور زر پرستی کی بو آئے گی، جو اس کو کسی نہ کسی دن حضیض ذلّت میں گرا کر چھوڑے گی۔ لہٰذا بعض مصنّفین نے فطرت انسانی اور دیگر حالات طبعیہ کو ملحوظ رکھ کر علم الاقتصاد کے لیے چند ابتدائی مفروضات یا علوم متعارہ قائم کئے ہیں جن پر تمام استدلالات اقتصادیہ مبنی ہیں۔ ان میں سے بڑے بڑے اصول مندرجہ ہیں:-
ا۔ بالعموم ہر انسان کم وبیش دولت کی خواہش رکھتا ہے۔
۲۔ سرمایہ دار اور محنتی قدرتاً ان مشاغل کو ترک کر دیتے ہیں، جن میں نفع یا اجرت کم ہو اور ایسے مشاغل کی طرف رجوع کرتے ہیں جن میں منافع یا اجرت زیادہ ہو لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ یہ ابتدائی اصول اس صورت میں صحیح ہوسکتا ہے جب کہ ملک میں ہر طرح سے امن ہو، غلامی کا دستور نہ ہو اور وہ تمام اسباب معدوم ہوں جو سرمایہ داروں اور محنتیوں کو تجارت کی ایک شاخ سے دوسری شاخ میں منتقل ہونے سے روکتے ہوں۔ ناظرین خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ اب [۱۷] سے ایک صدی پہلے ہندوستان میں یہ بات مشکل تھی کہ کوئی شخص ایک شہر سے دوسرے شہر میں جا کر کاروبار کرے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

۳۔ زمین کمیت یا مقدار میں محدود ہے۔ لیکن کیفیت یا خواص میں بالعموم ایک ملک کی زمین دوسرے ملک کی زمین سے مختلف ہوتی ہے۔

۴۔ دنیا کی زمین بالعموم اس قدر زرخیز ہے کہ معمولی علم و ہنر کے کاشتکار کا حاصل محنت اس مقدار سے زیادہ ہوتا ہے جو صرف اس کے ذاتی گزارے کے لیے کافی ہو۔

مندرجہ بالا سطور سے واضح ہو گیا ہوگا کہ علم الاقتصاد منفرد واقعات کے مطالعہ سے قوانین کلیّہ بھی قائم کرتا ہے اور اپنے ابتدائی مسلّمہ اصولوں سے نتائج بھی پیدا کرتا ہے جن کی صحت یا عدم صحت واقعات کے ساتھ مقابلہ کرنے سے معلوم کی جاتی ہے یا بالفاظ اصطلاحی یوں کہو کہ یہ علم دیگر علوم کی طرح عمل استقراء [۱۸] اور عمل استخراج [۱۹] دونوں کے استعمال سے مستفید ہوتا ہے۔ اس مقام پر یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ تمام کلیہ قوانین واقعات پر مبنی ہوتے ہیں اور اس لحاظ سے ان کا عمل محدود ہوتا ہے۔ مگر علم الاقتصاد کے قوانین کلیہ خصوصیت کے ساتھ محدود ہیں۔ کیونکہ مختلف ممالک واقوام کے اقتصادی اور تمدّنی حالات و واقعات بعض صورتوں میں کم وبیش مختلف ہیں۔ مثلاً اس علم کے بعض قوانین مغرب کے ممالک کی نسبت تو صحیح ہیں، مگر ہندوستان کی صورت میں اختلاف حالات کی وجہ سے صحیح نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض حکماء علم الاقتصاد کو ریاضی اور دیگر علوم کا ہم پایہ [۲۰] تصوّر نہیں کرتے۔ اور اس کو اقوام اور ممالک کے ساتھ مختص سمجھتے ہیں۔ ایک مصنّف نے حال ہی میں ایک کتاب لکھی ہے جس کو اس نے ''اقتصاد ہندی'' کے نام سے موسوم کیا ہے۔ مگر ہماری رائے میں یہ غلطی علم کو فن [۲۱] سے متمیز نہ کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ علم کا کام صرف واقعات کے علل واسباب معلوم کرنا ہے۔ یہ کسی طریق عمل پر مستحسن یا مذموم ہونے کا حکم نہیں لگاتا۔ برخلاف فن کے کہ اس کا فرض منصبی خاص واقعات کو ملحوظ رکھ کر کسی مقصد کے حصول کے لیے خاص خاص قواعد اور طریق عمل پیش کرے یا کسی طریق پر حکم لگائے۔ لہٰذا ہم اس کو دیگر نظری علوم کی طرح ایک علم سمجھتے ہیں۔ اگرچہ یہ تسلیم کرنے میں عذر نہیں ہے کہ اس کے کلیہ اصولوں میں جدید واقعات کے لحاظ سے ایسا تغیّر آنا ممکن ہے۔ جس سے ان کی وسعت زیادہ ہو جائے۔ اور ان کے نئے نئے واقعات پر حاوی کر دے۔

علم الاقتصاد کا تعلق دیگر علوم سے

علم اقتصاد اپنی تحقیق میں دیگر علوم سے بہت مدد لیتا ہے۔ مثلاً علم الابدان سے اسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بقائے زندگی کے لیے ایک معین خوراک کی ضرورت ہے یا انسان کے شہوانی قویٰ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

آبادی کو زیادہ کرنے کی طرف میلان رکھتے ہیں۔ان ہر دو مسلّمات سے مسئلہ اجرت و آبادیٔ انسان کی بحث پر بہت کچھ روشنی پڑتی ہے۔علیٰ ہذاالقیاس علم کیمیا سے اسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمین کی قابلیت پیداوار[۲۲] کی ایک خاص حد ہے جس کو لگان[۲۳] کی بحث میں ملحوظ رکھنا چاہئے۔مگر یاد رہے کہ اگر چہ اس علم کے محقق کو دیگر علوم کی تحقیقات سے مدد لینی چاہئے۔تاہم یہ بھی لازم ہے کہ وہ علم اقتصاد کی ذاتی حدود کو مدنظر رکھے اور ان بحثوں میں نہ پڑ جائے۔جن کا تعلق دولت کی تقسیم و تبادلہ وغیرہ سے نہیں ہے۔

علم الاقتصاد اور علم اخلاق

اگر چہ علم الاقتصاد دیگر علوم میں سے بعض کے ساتھ ایک ضروری تعلق رکھتا ہے۔مگر علم اخلاق کے ساتھ اس کا تعلق بہت گہرا ہے۔اس علم کی طرح علم اخلاق کا موضوع بھی وہی اشیاء ہیں جو بعض انسانی مقاصد کے حصول سے وابستہ ہیں۔فرق صرف اس قدر ہے کہ علم اخلاق کا موضوع وہ افعال ہیں جو زندگی کے افضل ترین مقصد کے حصول کی شرائط ہیں اور علم الاقتصاد کا موضوع وہ اشیاء ہیں جو انسان کے معمولی مقاصد کے حصول کے لیے ضروری ہیں۔اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان کے معمولی مقاصد کی پوری قدر سمجھنے کے لیے ان پر اخلاقی مقاصد کے لحاظ سے نگاہ ڈالنی چاہئے۔مثلاً خوارک،لباس،مکان،ہماری زندگی کے لیے ضروری ہیں اور ان کی قدر ان مقاصد کی قدر پر منحصر ہے جن کو یہ پورا کرتے ہیں۔مگر زندگی کے ان معمولی مقاصد کی اصل وقعت صرف اس صورت میں معلوم ہوسکتی ہے جب ہم ان پر زندگی کے افضل ترین مقصد کے لحاظ سے غور کریں۔اس لیے علم الاقتصاد کو وضاحت کے ساتھ سمجھنے کے لیے کسی قدر مطالعہ علم اخلاق کا بھی ضروری ہے۔اکثر مصنفین نے اس صداقت کو محسوس نہیں کیا۔جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دولت بلا لحاظ زندگی کے افضل ترین مقصد کے بجائے خود ایک تصوّر کی گئی جس سے بعض تمدّنی اصلاحوں کے ظہور پذیر ہونے میں بے جا تعویق ہوئی اور دولت کے پیار کرنے والوں کی حرص و آز پہلے سے زیادہ تیز ہوگئی۔

علم الاقتصاد کا تعلق علم تمدّن سے

علم تمدّن وہ علم ہے جو انسانی زندگی کا افضل ترین مقصد اور اس کے حصول کے طریق معلوم کرتا ہے۔اس علم کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ تمام دیگر علوم اس کی تحقیقات سے متاثر ہوتے ہیں کیونکہ بلاواسطہ یا بالواسطہ تمام علوم کا موضوع ذات انسان ہے، جو خصوصیت کے ساتھ علم

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

تمدّن کا موضوع ہے۔ کسی شے کی حقیقی قدر و منزلت اس امر پر منحصر ہے کہ وہ کہاں تک ہماری زندگی کے اعلیٰ ترین مقصد کے حصول میں ہم کو مدد دیتی ہے یا یوں کہو کہ ہر شے کی اصلی وقعت کا فیصلہ تمدّنی لحاظ سے ہوتا ہے۔ دولت ہی کو لے لو۔ اگر یہ شے ہمارے افضل ترین مقاصد کے حصول میں ہم کو مدد نہیں دے سکتی، تو پھر اس کا کیا فائدہ؟ لہٰذا علم اقتصاد جس کا موضوع دولت ہے وسیع علم تمدّن پر مبنی ہے۔ جس کا منشاء ہر شے کی اصلی وقعت کا فیصلہ کرنا ہے۔ انسان کی زندگی کا اصلی مقصد کچھ اور ہے۔ اور یہ تمام اشیاء دولت، صحت اور فرائض کی انجام دہی وغیرہ اس مقصد کے حصول کے مختلف ذرائع ہیں۔ چونکہ علم تمدّن کا منشاء ہمارے اعلیٰ ترین مقصد کی حقیقت کا معلوم کرنا ہے۔ اور ہماری روزمرہ کی ضرورت کی چیزوں کی حقیقی قدر اس علم کے لحاظ سے فیصلہ پاتی ہے۔ اس واسطے علم اقتصاد اور دیگر انسانی علوم علم تمدّن سے ایک نہایت گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ بلکہ ایک معنی میں یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس پر مبنی ہیں۔

علم اقتصاد کے مختلف حصص

علم اقتصاد کی ماہیت اور اس کا طریق تحقیق بیان کر چکنے کے بعد اب ہم اس علم کے چار بڑے حصص بیان کرتے ہیں، جو تمام اقتصادی مسائل پر حاوی ہیں۔

۱۔ دولت کی پیدائش [۲۴]　　۲۔ دولت کا تبادلہ [۲۵]

۳۔ دولت کی تقسیم [۲۶]　　۴۔ دولت کا صرف یا استعمال [۲۷]

اس کتاب کے آئندہ حصص میں علی الترتیب ان کا ذکر ہوگا مگر یاد رکھنا چاہئے کہ علم الاقتصاد کے حصص کی مندرجہ بالا تقسیم ہم نے منطقی وضاحت کی غرض سے کی ہے۔ ورنہ جیسا کہ تمہیں آگے چل کر معلوم ہوگا۔ یہ سب حصص آپس میں ایک گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً اشیاء کے صرف یا استعمال سے معلوم ہوتا ہے کہ کون سی اشیاء ملک میں تیار کی جانی چاہئیں۔ اسی طرح پیدائش دولت کی کیفیت اور کمیت اس کی تقسیم سے متاثر ہوتی ہے اور اگر انقسام محنت [۲۸] کا اصول پورے طور پر مروج ہو جائے تو پیدائش دولت سے تبادلہ لازم آتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس دولت کی تقسیم تبادلے سے متاثر ہوتی ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

تحشیہ

۱۔ دولت کے مفہوم میں ذاتی خدمات روپیہ، ساکھ اور دیگر دستاویزات بھی شامل ہوتی ہیں جن میں قوت خرید موجود ہو۔ جے این کینز کے خیال میں

Wealth consists of all potentially exchangeable means of satisfying human needs."

رانز کے الفاظ میں۔۔۔

"Weath is not wealth because of its substantial qualities, it is wealth because it is scarce."

معاشیات کو دولت کا علم قرار دیتے ہوئے آدم سمتھ، ڈیوڈ ریکارڈ اور دیگر کلاسیکی معاشین نے کہا کہ انسانی بھاگ دوڑ کی بنیادی وجہ دولت کمانے کی خواہش ہے لیکن مارشل نے دولت کے ساتھ بہتر انسانی زندگی کی خواہش کو مربوط کر دیا۔

۲۔ پروفیسر مارشل کی نظر میں معاشیات کا تعلق انسان کی تمدنی زندگی سے ہے۔ اس لیے علم معاشیات کسی ایک فرد کے مسائل کا جائزہ نہیں لیتا بلکہ اس کا تعلق پورے معاشرے سے ہے جس میں لوگ باہم مل جل کر دولت کماتے ہیں اور خرچ کرتے ہیں۔ معاشی اور تمدنی صحت مندی میں چولی دامن کا ساتھ ہے صرف طلب اور رسد کے جابرانہ قوانین ہی اہمیت نہیں رکھتے انسانوں کی معاشی پسماندگی کو دور کرنا بھی علم الاقتصادیات کی ذمہ داری ہے۔ پروفیسر رابنز ایل کے خیال میں:

"Economics is a science that studies lvinen behariour as a relationship between ends and searee mcans with atternative uses"[3]

بعض حکما، جن کا ذکر علم الاقتصاد ص پر کیا گیا ہے وہ الفرڈ مارشل، رابنز ایل، کینز، ہیکو، ڈربن، فشر، ووٹن اور بیوریج ہیں جن کا نقطہ نظر اکنامکس کو علم تمدن کا جز و ثابت کرنا ہے۔

علم الاقتصاد کے مطالعے کی اہمیت:

عہد حاضر میں انسان کو بے شمار مسائل درپیش ہیں۔ غربت، بھوک، ننگ، بیماری، جہالت، مہنگائی اور بیروزگاری مسائل نے دنیا بھر کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے اپنے وقت اور محنت کا بیشتر حصہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اس کوشش میں صرف کرتا ہے کہ اپنے وسائل کو بہترین انداز سے استعمال کر کے زیادہ آمدنی حاصل کرے اور اپنی ضروریات بہتر انداز سے پوری کرے۔ ایک پرسکون اور پرآسائش زندگی اپنی تمنا پر انسان کا مطمع نظر ہے اور معاشیات کی علم انسان کو وہ سلیقہ عطا کرتا ہے کہ وہ اپنے ذرائع کو بروئے کار لا کر اپنی ان گنت حاجات کس طرح بہترین انداز میں پوری کر سکتا ہے۔ حاجات کی کثرت اور وسائل کی قلت جیسے مسائل سے نپٹنے کے لیے معاشی منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔ علم معاشیات کے جدید اصولوں سے فائدہ اٹھا کر اقتصادی ترقی کی راہ ہموار کی جا سکتی ہے۔ انفرادی اور اجتماعی دونوں طریق پر علم الاقتصاد کے مطالع کی اہمیت مسلم ہے۔ موجودہ دور میں معاشی مسائل سے نپٹنا قوموں اور حکومتوں کی اولین ترجیح بن گئی ہے۔ معاشیات ایک معاشرتی علم ہے جو قومی خوشحالی کے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے معاشی ذرائع اور وسائل کو اس طرح استعمال کرنے کا درس دیتا ہے کہ کم سے کم ذرائع سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کیا جا سکے اور محدود ذرائع سے محدود حاجات کو پورا کیا جا سکے؛ اس مقصد کے لیے اس علم کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ:

۱۔ پیداواری ذرائع کا بھرپور استعمال کیونکر ممکن ہے؟
۲۔ کون سی اشیاء کتنی مقدار میں پیدا کی جائیں؟
۳۔ پیداوار اشیاء کے طریقے کیا ہوں؟
۴۔ پیداوار کو افرادِ معاشرہ میں کس طرح تقسیم کیا جائے؟
۵۔ پیداوار اشیاء کی صلاحیت کو کس طرح فروغ دیا جائے؟
۶۔ اشیات کے مطالعے سے ہمیں علمی اور عملی دونوں قسم کے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

علم الاقتصاد کے علمی فوائد:

۱۔ ذہنی نشوونما
۲۔ مفید معلومات

علم الاقتصاد کے عملی فوائد:

۱۔ معاشی مسائل کا حل
۲۔ معاشی منصوبہ بندی
۳۔ تقسیم دولت میں مساوات
۴۔ غربت کا علاج

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

روپیہ

زرنقد ہے خواہ سکے کی شکل میں ہو یا زرکاغذی کی شکل میں۔ زرمسکوک اور زرکاغذی زرنقد کہلاتے ہیں۔

"---- meney is a medium of enchangi
---- It has got instrinctive value, is seavce and exchangeabale ---- It cmbodies Power".[4]

قدر، معاشیات کی معروف اصطلاح ہے۔ معاشیات کے مطالعے کے دوران یہ اصطلاح اکثر اوقات امر متنازعہ ثابت ہوئی ہے۔ مختلف ماہرین اقتصادیات نے اسے مختلف انداز میں استعمال کیا ہے۔ آدم سمتھ کے الفاظ ہیں۔۔۔

"The wald 'ratue' has two different meanings and sometime expresses the utility of some particuler objeet and sometimes the power of purchasing other goods which the possession of the object conveys".[5]

جدید دور میں لفظ value یا قدر کا مفہوم ایڈم سمتھ کے پیش کردہ مفہوم سے کافی حد تک مختلف ہے۔ اب اکنامکس میں قدر کا مفہوم 'قدر در تبادلہ' کے معنوں میں رائج ہے۔ ایڈم سمتھ نے قدر، کو value in use اور value in exchange دونوں معنوں میں استعمال کیا ہے جبکہ آج کے دور میں value in use کی بجائے Utility یا 'افادہ' کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے اور قدر کو صرف value in exchange کے معنوں میں ہی استعمال کیا جاتا ہے۔ 'قدر' کو جب 'روپے' کے مفہوم میں استعمال کیا جاتا ہے تو اسے 'قیمت' کا نام دیا جاتا ہے:۔

"velue is the Power of a Commodity to Command other things in exchange for itself ---- when value is expressed in term of money, it is called Price."6

متحرک عمرانی علم

معاشیات ایک ایسا متحرک عمرانی علم ہے جو پچھلی دو صدیوں سے انسانی معاشرے کے بدلے ہوئے معاشی اور سائنسی موحول کے حوالے سے نئے نئے نظریات وضع کرتا رہا ہے اور اس سلسلے میں اس نے دوسرے علوم سے استفادہ کرنے سے بھی گریز نہیں کیا۔ معاشی نظریات غیر تغیر پذیر نہیں ہوئے۔ معاشیات خواہ دولت کا علم سمجھا جائے، مادی فلاح کا علم تصور کیا جائے یا قومی آمدنی اور روزگار کے تعین کا نظریہ گردانا جائے یہ امر مسلمہ ہے کہ علم الاقتصاد انسانی زندگی کے عملی پہلوؤں سے بحث کرتا ہے اور افراد و اقوام کی خوشحال زندگی کا ضامن ہے مزید یہ کہ علم الاقتصاد جامد اصولوں پر مبنی علم نہیں کیونکہ اس کا تعلق انسانی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

زندگیوں سے اور انسانی رویے کے بارے میں کوئی جامد اصول وضع کرنا ناممکنات میں سے ہے۔ کینز نے اقتصادیات کے بارے میں سچ کہا ہے کہ:۔

"Political economy is said to hare strangled itself with definitions."[7]

نظام تجارت یا مرکنٹائل ازم ایک ایسا نظام ہے جس میں یہ رجحان ظاہر کیا جاتا ہے کہ برامدات کی زیادہ سے زیادہ حوصلہ افزائی اور درآمدات کی حوصلہ شکنی قومی ترقی وخوشحالی کے لیے ناگزیر ہے اور دیگر ممالک سے اشیا خریدنا زرنقد ضائع کرنے کے مترادف ہے۔ آدم سمتھ اپنی کتاب 'دولت اقوام' میں مرکنٹائل ازم پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"Its ultimate object is to enrich the Country by an adrantageous balance of trade. It discovrages the expertation of the materials of manufacture, and of the instrumants of trade, in order to gine out own warkman an admntage, and to enable then to undersell those of other nations in all foreizn markets."[8]

بہرحال نظام تجارت میں قطعی طور پر یہ کہنا ناممکن ہے اور کسی ملک سے صرف اشیا برآمد ہی کی جائیں کیونکہ درآمدات سے قطعی طور پر استفادہ کشی اختیار کرنا ممکن نہیں۔

"Trade is a tworay process involrings imparts and exporte. Countrics receve and make payments from tcading portners for domestic goods and services exported."[9]

الفرڈ مارشل نے اپنی کتاب انڈسٹری اینڈ ٹریڈ میں ایڈم سمتھ کے نظام تجارت یا مرکنٹائل ازم پر تنقید کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

"Adam Smith's Criticism of the Tlercantism colonial System of the various countries of Western Europe and his pictuce of the general relations between the old world and the News are of fascinate interest eren now: Thouh perheps sirves light are a little too ligh and his shadows a little too deel. In particntar he was Certainly wrong, as Ricards Pointed out in his masterly chapter on the colonial Trade, in supposing that the mathe Country could get no benefit by compelling a colony to deal exclusively with her."[10]

دولت اور جائداد:

دولت جائداد نہیں کہلا سکتی جبکہ جائداد بھی ہر صورت میں دولت کہلانے کی مستحق نہیں ہے۔ کیونکہ دولت فی الحقیقت value in exchang کی صلاحیت کی حامل ہوتی ہے۔ یہ شخص اگر ایک ایکڑ زمین کا مالک ہے تو یہ قطعہ زمین اس کی جائداد ہے جب وہ اسے فروخت کر کے رقم وصول کر لیتا ہے تو یہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

جائداد زمین کے لیے دولت ہے۔ کے کے ڈیوٹ نے اس اصطلاح کی وضاحت بہت احسن انداز میں کی ہے۔

"A Person saving property warth 5 lakhs get therefrom an annual income of Rs.25000. The 'Property' is 'weath' and what it yields is income."[11]

ان سطور سے 'جائداد'، 'دولت' اور 'آمدنی' تینوں کی وضاحت ہو جاتی ہے۔

دور جدید میں ہر حکومت کا اولین فرض ہے کہ وہ اپنے شہریوں کی بہبود و آسائش کے لیے ہر طرح کے اقدامات کرے اور ان کی ہر ممکن طریق پر اجتماعی سہولیات مہیا کرنے کی کوشش کرے ان تمام امور کی بطریق احسن انجام دہی کے لیے حکومت کو روپے کی ضرورت ہوتی ہے وہ اپنے ذرائع سے حاصل کرتی ہے معاشیات کی اصطلاح میں ان ذرائع آمدنی میں سے اہم ترین ذریعہ کو پبلک ریونیو، محصول یا ٹیکس کا نام دیا گیا ہے:۔

"Tax is a Compulsory contribution to the Public antherity to cover the Cost of services rendered by state for the genetal benefit of its People."[12]

ریونیو کے ذرائع میں پرائیویٹ آمدنی کا ٹیکس بے قائدہ ٹیکس اور حکومت کی ملکیتی اشیا کے استعمال پر ٹیکس، مثلاً ریلوے، ڈاکخانہ جات، گورنمنٹ عمارات سے آمدنی وغیرہ شامل ہیں۔

اس کی اقسام میں ہر قسم کی فیس، حکومتی اشیا کی قیمت فروخت، افادات و سہولیات کی فراہمی کا معاوضہ مثلاً پانی و بجلی کے بل، گلیوں اور سڑکوں کے استعمال کا ٹیکس اور دیگر محصولات وغیرہ۔

ٹیکس عائد کرتے ہوئے متعدد اصولوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ مثلاً ٹیکس کی رقم آمدنی کی رقم کے تناسب سے مقرر ہو۔ ٹیکس ایک مخصوص عرصے کے لیے وصول کیا جائے۔ ٹیکس ایسے وقت عائد کی جائے اور اس انداز سے عائد ہو کہ ٹیکس دہندہ آسانی سے ادا کر سکے۔ ٹیکس جمع کرنے پر اخراجات اتنے زیادہ نہ ہوں کہ ٹیکس کی وصول کردہ رقم سے بھی بڑھ جائیں۔ ٹیکس کے اصول لچک پذیر ہوں۔ بوقت ضرورت ٹیکس کا ریٹ کم یا زیادہ کیا جا سکے وغیرہ وغیرہ۔

علم الاقتصاد کی اصطلاح میں پیدائش دولت کے چار عناصر ہیں۔ زمین، محنت، سرمایہ، تنظیم۔ ان میں سے تیسرے عوامل 'سرمایہ' کی فراہمی کے ذمہ دار افراد کو 'سرمایہ دار' کا نام دیا جاتا ہے۔ اگر فراہمی سرمایہ کا فریضہ انجام دے کہ یہ پیدائش دولت کا باعث بنتے ہیں لیکن عام طور پر سرمایہ دار پیدائش دولت کے عمل میں Active Portner نہیں ہوتا۔ بلکہ سرمایہ مہیا کر کے منافع یا مقدار بن جاتا ہے۔ سرمایہ دار کی یہ حیثیت اشتراکیت کے لیے قابلِ اصول بنتی ہے اس نقطہ نظر سے اقبال بھی سرمایہ داری کے بہت

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

بڑے ناقد ہیں۔

ایک عرصہ تک زیر بحث رہا ہے کہ اکنامکس یا اقتصادیات سائنس ہے یا آرٹس یا علم محض ہے یا فن بھی ہے۔ کچھ ماہرین علم الاقتصاد کو اسے ایک علم کی حیثیت دیتے ہیں اور کچھ علم کے ساتھ ساتھ فن کا نام بھی دیتے ہیں۔ معاشیات کے سائنس ہونے کا ثبوت یہ پیش کیا جاتا ہے کہ علوم سائنس کی طرح معاشیات میں سائنٹفگ Mathods کے لیے نتائج اخد کیے جاتے ہیں۔ ان Scientific Methods کو عمل استقرا (Inductive Method) اور عمل استخراج (Deductive Method) کا نام دیا جاتا ہے۔

عمل استخراج (Deductive Method)

کلاسیکل ماہرین معاشیات مثلاً ریکارڈ، سینیئر، جے، ایس، مل، مالتھن اور مارشل وغیرہ اپنی معاشی تحقیقات میں عمل استخراج سے نتائج اخذ کرنے اور عام سے خاص کی طرف پیش قدمی کے قائل تھے اسے تجزیاتی طریق تحقیق بھی کہتے ہیں۔

> "The deductive method is also name as a 'analytical','abstract' or 'Principle' method. The deductive method consists in deriving conclusions from general truths. It takes a few general Principles and applies them to draw conclussions. In applying the deductives method of economics analysis we proceed from genarat to Particulars."[13]

عمل استخراج کے طریق تحقیق کی مثال اس طرح دی جاسکتی ہے کہ۔۔۔فرض کریں ہم ایک اصول وضع کرتے ہیں کہ 'انسان خودغرض واقع ہوا ہے'۔۔۔رشید ایک انسان ہے اس لیے ثابت یہ ہوا کہ رشید بھی خودغرض ہے۔ اس طریق تحقیق میں ہم ایک عام اصول وضع کر کے اسے خاص سے apply کرتے ہیں۔

عمل استقرا (Inductive Method)

عمل استخراج کے برعکس عمل استقراء 'خاص سے عام' کی طرف آتا ہے اور تجربے اور مشاہدے کی بنیاد پر اصول وضع کرتا ہے۔ فریڈرک، ہلڈ برانڈ اور روشر اس طریق کے حامی ہیں۔

> "Inductive method which is also called empirical method was adopted by the historical school. It involves the process of reasoning from pacticular facts to generat."[14]

عمل استقراء کے طریق تحقیق کی مثال اس طرح دی جاسکتی ہے کہ مارکیٹ میں ۲۰۰ سو صارفین

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کے روپے کا تجزیہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ ۱۹۵ لوگ ایسے ہیں جو سستی ترین دکان سے خریداری کرنا پسند کرتے ہیں باقی ماندہ پانچ لوگوں میں سے چار اشخاص ایسے ہیں جو مقامی مصنوعات خریدنا پسند کرتے ہیں خواہ وہ مہنگے داموں ملیں تا کہ اپنے ملک کی مصنوعات کو فائدہ پہنچ سکے جبکہ پانچواں شخص اتنی عقل ہی نہیں رکھتا کہ سستے اور مہنگے میں فرق کر سکے۔ان مشاہدات کی رو سے ہم آسانی یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ لوگ سستی دکان سے اشیاء خریدنا پسند کرتے ہیں اِلا یہ کہ حب الوطنی مانع ہو یا اپنے مفاد کے شعور کا فقدان ہو۔

عمل استقراء ہو یا عمل استخراج ہر دو طریق میں کچھ خامیاں موجود ہیں۔ہم کلی طور پر کسی ایک پر بھی انحصار نہیں کر سکتے۔غلطی کا امکان دونوں میں موجود ہے اس لیے جدید ماہرین معاشیات دونوں کو لازم وملزوم قرار دیتے ہیں۔

"Inductive and deductive are both needed for scientific thought as the right and lift are both needed for walking----truc solulion of the contest about method is not to be fund in the selection of 'deduction' or 'induction' but in the acceptance of deduction and induction."[15]

دونوں میں سے کسی طریق کے انتخاب کا انحصار تحقیق کی نوعیت اور دستیاب معلومات پر ہوتا ہے۔مشاہدے اور عمل وشعور کے استعمال سے جو نتائج اخذ کیے جاتے ہیں بعد میں ان کا تجزیہ بھی کیا جانا چاہیے تا کہ یقینی طور پر درست حقائق دستیاب ہوسکیں۔

علم ریاضی صحت اور قطعیت کے اعتبار سے اٹل حقائق کا حامل علم ہے۔اس کے اصول وقوانین ہر حال میں اور ہر شے یکساں ہوتے ہیں۔مثلاً دو اور دو ہمیشہ چار ہوتے ہیں۔تین ہو سکتے ہیں نہ پانچ۔۔۔

"Methematics may be considered as the very general study of systems. Methematical theory does devolop in the abstcact; it need lave no deoendence on anything aut side itself. The truth of the theory is measueed by logic rather tham experiment."[16]

اس لحاظ سے فی الحقیقت علم الاقتصاد کو علم ریاضی کے ہم پایہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔

علم الابدان (physyolozy) سے مراد ہے علم عضویا [یعنی علم Z عما Zv فعا W عضا یا فعلیات اعضا۔اس علم کے ذریعے اعضا کی بناوٹ اوران کے افعال کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ یہ علم نباتات وحیوانات کے اعضا سے c کرتا ہے۔[17]

"Chemistry is decived from the word 'kheem' which is the old name of Ezypt."[18]

"Chemistry is a branch of Seience which deats with the Composition and properties of matter and the chemical changes

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

inrolred in it."[19]

کیمیا جوہروں کے باہمی عمل کا علم ہے جس سے نئے سالمی امتزاجات وقوع میں آتے ہیں یہ باہمی عمل جو کیمیائی تعاملات کہلا D ہیں جوہروں کے مشمولہ برقیوں کے تغیرات سے ظہور میں آتے ہیں۔[۲۰]

پیدائش دولت (Production)

سے مراد انسان کی وہ جدوجہد ہے جس سے کسی شے میں 'قیمت' یا 'قدر' پیدا کی جاسکے۔ جو کسی انسانی حاجت کو پورا کرنے کا وصف رکھتی ہوں اور جن کے بدلے قیمت دینی پڑتی ہو۔ ہر قسم کی معاشی جدوجہد سے دولت پیدا ہوتی ہے۔ بڑھئی کا فرنیچر بنانا ñ چ« جوتے بنانے« عمل اور مدرس دھوبی اور باورچی کی خدمات مزدور کا اینٹیں بنانا یہ سب پیدائش دولت کی مثالیں ہیں کیونکہ ان اشیاء وخدمات کے عوض معاوضہ حاصل کیا جاتا ہے۔

"Production should be defined, not as creation of 'utility' but creation (or addition) of 'value."[21]

'خرید وفروخت' بھی کہہ سکتے ہیں۔ انقسام محنت کی وجہ سے انسان اس امر پر مجبور ہوجاتا ہے کہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے 'کچھ لو اور کچھ دو' کا رویہ اختیار کرے۔

"Connodities are bought and sold in a market where each selles finds many customers for his products and each customer many sellers---In economics the term market reffers to an area within which buyers and sellers are in connunication with one anather and within which exchange take place of a commodity."[22]

یہ تبادلہ کبھی منہ در منہ ہوتا ہے کبھی ٹیلیفون پر اور کبھی بذریعہ خط وکتابت۔ یہ مارکیٹ کی وسعت پر منحصر ہے۔ اگر مارکیٹ بہت محدود ہو تو باہم ملاقات کے ذریعے تبادلہ ممکن ہے لیکن اگر مارکیٹ بہت وسیع ہو تو ٹیلیفون، ٹیلیگرام اور دیگر ذرائع استعمال کرنے پڑتے ہیں تبادلہ دولت کے سلسلے میں مکمل مقابلہ اور نامکمل مقابلہ کے تحت اشیا کی قیمتوں کا تعین ہوتا ہے۔

"In market buyers and sellers are in suer free intercouese with one another that the price of the same goods tends to equility easily and quickly."[23]

۳۔ عاملین پیدائش کی خدمات کی قیمت کا تعین ''تقسیم دولت (Division) کہلاتا ہے۔ چاروں عاملین پیدائش کے معیاری اشتراک سے پیداواری عمل مکمل ہوتا ہے جو شے بھی تیار ہوتی ہے اس پر ان چاروں کا حق ہے اور ملک میں تیار ہونے والی تمام اشیا (یعنی قومی آمدنی) انہی میں سے اپنے اپنے حصے کے مطابق تقسیم ہوجاتی ہے۔ گویا زمین، محنت، سرمایہ اور تنظیم چار عاملین پیدائش ہیں اور

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

یہی مل کر قومی آمدنی پیدا کرتے ہیں اور بالترتیب لگان، اجرت، سود اور منافع کی شکل میں اپنا اپنا حصہ وصول کرتے ہیں۔ پہلے تین عاملین کا معاوضہ ناظم ادا کرتا ہے اور ان کا حصہ ادا کرنے کے بعد قومی آمدنی میں سے جو بچ جاتا ہے وہ خود لے لیتا ہے۔" عاملین پیدائش کے صلہ کا تعین طلب و رسد کے توازن سے ہی طے پاتا ہے اور ہر عامل پیدائش کی شرح معاوضہ اس کی مختتم پیداواری صلاحیت سے مقرر ہوتی ہے۔[۲۴]

"The Economics of distribution or the pricing of factors accounts for the sharing of the wealth produeed by a comminity among the azents or the owners of the agents which have been active in the production."[25]

صرف دولت (Consumption)

عاملین پیدائش اپنی اپنی محنت کے عوض جو رقم وصول کرتے ہیں وہ اپنی اشیائے ضرورت پر خرچ کر دیتے ہیں چنانچہ کل آمدنی کل خرچ کے برابر ہوتی ہے اس لیے کہ ایک شخص کا خرچ دوسرے کی آمدنی ہوتی ہے۔ سنترے خریدنے والا خرچ کرتا ہے لیکن بیچنے والا آمدنی حاصل کرتا ہے سو خرچ کے بڑھ جانے سے آمدنی بڑھ جاتی ہے اور خرچ کے کم ہونے سے آمدنی بھی کم ہو جاتی ہے اس نظریہ کا ایک اور پہلو بھی ہے کہ آمدنی زیادہ ہو تو خرچ زیادہ ہوتا ہے اور آمدنی کم ہو تو خرچ بھی کم ہوتا ہے۔ اس کو ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ:۔

"Consumption is a function of Income"

کم آمدنی والے طبقوں کا میلان صرف زیادہ ہوتا ہے اور زیادہ آمدنی والے امیر طبقے کا میلان صرف کم ہوتا ہے (اگرچہ ان کا مجموعی خرچ غریب طبقے کے مقابلے میں زیادہ ہوتا ہے)۔ لارڈ کنیز نے صرف دولت کے بارے میں ایک اصول پیش کیا ہے۔۔

Keynes laiv of Consumption bosed on the analysis of Consumption Function. This laiv related Propositions.

(a) When income increases, expenditure also incrcases.

(b) When income increases, savings and Consumption both increase.

(c) When income increase, saving and Consumption go side by side.

۲۔ انقسام محنت (Division of labout)

عاملین پیدائش کے معیاری اشتراک کے لیے تقسیم کار بہت نتیجہ خیز عمل ہے۔ زیادہ سے زیادہ پیداوار حاصل کرنے کے لیے ہر شخص کی صلاحیت کے مطابق کام تفویض کرنے کا عمل اسی وقت بطریق احسن انجام پا سکتا ہے جب تقسیم کار کے اصول پر عمل ہو۔ موزوں ترین افراد کو ذمہ داری تفویض کرنا

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

پیداوار کے عمل کو آسان اور تیز کر دیتا ہے۔

"Division of labour may be simple or leccitorial. When different group of peaple speeialize in different kinds of works, the division is said to the simple. When a work is split up into different processes and subprocesses, it is complex division and when a certain locality spccialises in production of a commodity it in said to the territarial division."[27]

حوالہ جات

1- The Scope and method of Political Economy, P
2- In Essay on the Niture and Significance of Economics Scicnce. P
3- Do
4- Modern Economic Theory. P.19
5- An Inquiry into the Nature and Causes of Nations V.I P.17
6- Modern Economic Theory P.27
7- The Scope and Method of Political Economy P.153
8- Weath of Nations V.II P.157
9- Guinness Encyclopedia P.278
10- Industry and Trade P.734
11- Modern Economic Theory P.30
12- Modern Economic Theory P.385
13- Modern Economic Theory P.14,15
14- Modern Economic Theory P.14.15
15- Modern Economic Theory P.17
16- Guinness Encyclopedia P.62

۱۷۔ فیروز اللغات اردو جامع نیا ایڈیشن، ص ۹۰۲

۱۸۔ ڈکشنری

۱۹۔ کیمسٹری، ص ۲

۲۰۔ اردو انسائیکلوپیڈیا، ص ۱۲۵۹

21- Economics Theory and Language
22- Modern Economic Theory P.159
23- Elements of Economics of Indistry P.134

۲۴۔ اصول معاشیات، ص ۴۱۴

25- Outlines of Political Economy P.278
26- Modern Economic Theory P.417,418
27- Modern Economic Theory P.108

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

حصہ دوئم
پیدائش دولت

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

زمین
محنت
سرمایہ
قابلیت

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

باب۔۔ا

زمین

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ انسان دولت پیدا کرتا ہے تو ہمارا مفہوم یہ نہیں ہوتا کہ انسان کسی شے کا خالق ہے یا اُسے عدم سے وجود میں لاتا ہے۔ دولت پیدا کرنے سے مراد محنت اور سرمائے کی مدد سے اشیاء میں صرف ایک خاص قدر کا پیدا کرنا ہے، جو اپنی اصلیت کے لحاظ سے مندرجہ ذیل اقسام میں منقسم کی گئی ہے۔

(الف)۔ قدر مختص بالمکان یعنی وہ قدر جو کسی شے کو ایک مقام سے جہاں وہ پیدا ہوتی ہے دوسرے مقامات میں جہاں اس کی ضرورت ہے، منتقل کرنے سے اُس شے میں پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً کشمیر میں برف کی کوئی قدر نہیں لیکن اگر پنجاب میں منتقل کی جائے تو اس میں قدر پیدا ہو جائے گی۔

(ب)۔ قدر مختص بالزمان یعنی وہ قدر جو کسی شے کو ایک خاص میعاد تک مخصوص رکھنے اے اُس شے میں پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً سردی میں برف کا ایک ٹکڑا کچھ قدر نہیں رکھتا۔ لیکن اگر موسم گرما کی آمد تک اس کو کہیں دبا کر محفوظ رکھ دیا جائے تو اس میں ایک خاص قدر کا پیدا ہو جانا ممکن ہے۔

ج۔ قدر مختص بالہیئۃ۔ یعنی وہ قدر جو کسی شے میں ایک خاص ہیئت پیدا کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ مثلاً لوہے کی تلوار جو کسی مشین کی مدد سے تیار کی جائے۔

اس مختصر تمہید کے بعد اب ہم اصل مطلب شروع کرتے ہیں۔ دولت کی پیدائش کے تین بڑے وسائل ہیں۔ یعنی زمین، محنت اور سرمایہ۔ مگر بعض کی رائے میں تنظیم محنت بھی پیدائش دولت کی بڑی مد ہے۔ لہٰذا بعض محققین نے اس کو بھی وسائل پیدائش میں شمار کیا ہے۔ اس باب میں ہم صرف زمین کے متعلق کچھ لکھنا چاہتے ہیں۔

زمین انسان کے لیے ایک قدرتی عطیہ ہے جس کے استعمال پر نہ صرف اس کی موجودہ زندگی اور آسائش کا انحصار ہے بلکہ اس کی وسعت نسل انسانی کی زیادہ سے زیادہ آبادی اور اس کی مدت بقا کو بھی متعین کرتی ہے۔ چونکہ زمین کی مختلف قسموں کی قابلیت پیداوار مختلف ہے۔ اس

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

واسطے مختلف مقامات میں انسانی محنت کا معاوضہ بھی مختلف ہے۔

مگر اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہر انسانی ضرورت بلا واسطہ یا بالواسطہ اس قدرتی عطیئے کے مناسب استعمال سے پوری ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان دولت کے اس وسیع سرچشمہ کو زیادہ زرخیز کرنے یا اپنی ضرورت کے مطابق اُس کی قابلیتوں میں تبدیلی پیدا کرنے کے لیے نئے نئے وسائل دریافت کرتا ہے۔ پیداوار زمین کی کمی بیشی، اس کی زرخیزی اور دیگر مقامی خصوصیات مثلاً آب وہوا، پانی کی افراط وغیرہ پر منحصر ہے لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ یہ ایک اہم اور نہایت ضروری قانون کے ساتھ وابستہ ہے جس کا اچھی طرح ذہن نشین کر لینا طالب علم کے لیے ضروری ہے۔

اس قانون کو علم الاقتصاد کی اصطلاح میں قانون تقلیل حاصل کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہر زمین کی قابلیت پیداوار کی ایک خاص حد مقرر ہے یا یوں کہو کہ پیداوار کی زیادہ سے زیادہ مقدار جو سرمائے اور محنت کے عوض میں کسی خاص زمین سے حاصل ہو سکتی ہے، ایک خاص معین اندازہ رکھتی ہے۔ جب کوئی زمین ہمارے سرمائے اور محنت کے عوض میں زیادہ سے زیادہ پیداوار دے تو ہم کہتے ہیں کہ اس کی پیداوار نقطہ تقلیل پر پہنچ گئی ہے۔ یعنی اس معین مقدار کے حاصل کر چکنے کے بعد سرمائے اور محنت کے دُگنا کر دینے سے یہ ضروری نہیں کہ زمین مذکور کی پیداوار بھی دُگنی ہو جائے۔ بلکہ دُگنی پیداوار حاصل کرنے کے لیے دُگنے سے زیادہ سرمائے اور محنت کی ضرورت ہوگی۔ اگر محنتیوں کی تعداد میں اضافہ کر دیا جائے تو ہر محنتی کا حصہ پیداوار کم ہو جائے گا اور اس کی کم تر معاوضے پر قناعت کرنی پڑے گی۔ اسی طرح اگر سرمائے میں اضافہ کر دیا جائے تو پیداوار کی زیادتی اس زیادتی سے کم ہوگی جو کاشت کے نقطۂ تقلیل تک پہنچنے سے پیشتر اس اضافہ سے حاصل ہوتی۔ مثلاً فرض کرو کہ ایک قطعۂ زمین پر جس کی وسعت سوا ایکڑ ہے اور جس کی سالانہ پیداوار دو ہزار من غلہ ہے، دس آدمی مشترک طور پر کام کرتے ہیں۔ اس حساب سے ایک ایکڑ کی پیداوار بیس من ہوئی اور فی کس دو سو من آئے۔ لیکن محنتیوں کی مذکورہ جماعت میں دو آدمی اور شامل ہو جائیں اور فن زراعت کی ترقی سے زمین کی زرخیزی کی کوئی نئی راہ نکل آئے تو کیا اس زمین کی پیداوار مندرجہ بالا حساب سے دو ہزار چار سو من ہوگی یا اس سے کم و بیش اس سوال کا جواب دینے کے لیے پہلے اس امر کا دیکھنا ضروری ہے کہ آیا پہلے دس آدمیوں کی محنت اور سرمائے سے زمین مذکور کی کاشت نقطۂ تقلیل تک پہنچ گئی تھی۔ اگر کاشت اس نقطہ تک نہیں پہنچی تو آیندہ سال کی پیداوار دو ہزار چار سو من سے زیادہ بھی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ انقسام محنت کی وجہ سے جس کے فوائد کا ذکر باب چہارم میں آئے گا۔ دس آدمیوں کی نسبت بارہ آدمی زیادہ غلہ پیدا

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کر سکتے ہیں۔لیکن اگر کاشت نقطہ تقلیل تک پہنچ چکی ہے تو دو آدمیوں کی زیادتی سے پیداوار دو ہزار چار سو من سے کم ہو جائے گی۔جس کا نتیجہ یہ ہوگا بارہ آدمیوں میں ہر آدمی کو دو سو من سے کم پر قناعت کرنی پڑے گی۔اس طرح سرمائے اور محنت کی زیادتی سے پیداوار ہر سال زیادہ ہوتی جائے گی اور حصہ فی کس کم ہوتا جائے گا۔ یہاں تک کہ زمین کی کاشت کے نقطہ تقلیل تک پہنچ جانے سے پیداوار پھر کم ہونی شروع ہو جائے گی اور حصہ فی کس پہلے سے بھی کم ہوتا جائے گا۔یہ کمی اوّل اوّل تو بتدریج ہوگی،مگر بعد میں اس کی سُرعت میں یہاں تک ترقی ہوگی کہ زمین مذکورہ کا قطعہ موجودہ محنتیوں کے گزارے کے لیے بالکل ناکافی ہوگا۔غالباً اس قانون کے عمل نے آریہ ہندوؤں سے وسط ایشیا کے میدان چھڑوائے اور حضرت لوط علیہ السلام کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جدا کیا جیسا کہ تورات میں مذکور ہے۔اگر زمین کی کاشت میں سرمائے اور محنت کے بڑھتے جانے سے بالآخر نقطہ تقلیل تک پہنچ جانے کا میلان نہ ہوتا،تو ہر مزارع تھوڑے سے قطعہ زمین کی کاشت پر قناعت کرتا اور اس پر اپنا سرمایہ اور محنت صرف کر کے بہت سی پیداوار حاصل کر لیا کرتا اور لگان کے ایک بہت بڑے حصے کی ادائیگی سے بچ رہتا جو اب وسیع قطعات کی کاشت سے اس کو ادا کرنا پڑتا ہے۔

اس قانون کی مزید وضاحت کے لیے ایک محقق سرمائے اور محنت کی زیادتی کو دوا کی خوراک سے تعبیر کرتا ہے اور زمین کو مریض قرار دیتا ہے ہے۔اگر کسی زمین کے ایک قطعہ پر کچھ سرمایہ اور محنت صرف کی جائے اور اس کی پیداوار صرف خرچ ہی کے برابر ہو تو اس محقق کی اصطلاح میں ایسی زمین کی نسبت یہ کہا جائے گا کہ وہ کنارہ زراعت پر ہے۔رفتہ رفتہ زیادہ سرمائے اور محنت کے صرف سے پیداوار زیادہ ہو جائے گی۔ یہاں تک کہ کاشت نقطۂ تقلیل تک پہنچ جائے گی اور مزید سرمائے اور محنت سے پیداوار میں کوئی متناسب زیادتی نہ ہوگی۔یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ سرمائے اور محنت کا حاصل جو مندرجہ بالا قانون کی تحت میں ہے، پیداوار کی مقدار سے متعین ہوتا ہے۔جو اس سرمائے اور محنت کے عوض میں دستیاب ہوتی ہے۔ پیداوار مذکور کی قیمت کے گھٹنے بڑھنے کو اس حاصل کی تعیین میں دخل نہیں ہے۔ہاں جب ہم اس قانون سے نتائج استخراج کریں گے اور بالخصوص اس اثر پر بحث کریں گے جو آبادی کی زیادتی سے وسائل زندگی پر ہوتا ہے۔اس وقت قیمت کے تغیرات پر بھی بحث کرنا لازم ہوگا۔ان تغیرات کو نفس قانون سے واسطہ نہیں۔کیونکہ اس کا تعلق پیداوار کی قدر سے نہیں ہے بلکہ اس کی مقدار سے ہے۔

اس قانون کا عمل عام ہے اور یہ ہر ملک کے حالات پر صادق آتا ہے۔اس کا اثر صرف

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

مزروعہ زمین تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ چراگاہوں، جنگلوں اور سمندروں کی پیداوار بھی اس قانون کے احاطہ عمل میں ہے۔ اگرچہ بعض حالات میں کلوں اور دیگر ایجادات کی وجہ سے اس کا اثر چنداں ظاہر نہیں ہوتا۔ مصنوعی اشیاء بھی اس کے اثر سے آزاد نہیں ہیں۔ کیونکہ اُن کا ہیولیٰ یا مصالح جس سے وہ تیار ہوتی ہیں زمین یا سمندر ہی سے برآمد ہوتا ہے۔ مگر مصنوعات کی مختلف اقسام پر اس کا اثر اس محنت کی مقدار کے لحاظ سے ہوتا ہے جو ان کی تیاری میں صرف کی جائے۔ قینچی کو ہی دیکھ لو۔ لوہے کو زمین سے نکالنے کا خرچ اس محنت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں جو اس کی تیاری میں صرف کی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کان کی مشکلات بڑھ جانے کی وجہ سے لوہے کی قیمت دُگنی بھی ہو جائے تو قینچیوں کی قیمت پر زیادہ اثر نہ ہوگا۔ کیونکہ ان کی قیمت کے تعین میں اس محنت کو دخل ہے جو ان کی تیاری میں صرف ہوتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ جو قومیں اس قسم کی دستکاری میں مصروف ہیں جو مصالح پر اپنا عمل کرتی ہیں، اُن کو اس قانون سے متاثر ہونے کا اندیشہ نہیں ہے۔ کیونکہ اُن کی مصنوعات کی قیمت کم وبیش ان کی دستکاری اور محنت سے متعین ہوتی ہے۔ جس میں مصالح کے خرچ پیداوار کو بہت کم دخل ہے۔ مگر جو ملک زیادہ تر مصالح پیدا کرتے ہیں اور مضوعات کی تیاری عاری ہیں، اُن کی اس قانون کے نتائج پر غور کرنا چاہیے۔ بالخصوص ہندوستان کے لوگوں کو۔ کیونکہ ابھی اس ملک کو صنعتی ملک کے نام سے موسوم نہیں کر سکتے۔ اگر اس ملک کے لوگ زیادہ تر صنعت کی طرف توجہ کریں، تو ان کی مالی حالت روز افزوں ترقی کرے گی اور مفلسی کے عذاب اور دیگر مصائب سے نجات ملنے کی صورت نظر آئے گی۔ کیونکہ اور ملکوں کی طرح اس ملک کو مصالح باہر سے منگوانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

ہم نے اوپر بیان کیا ہے جب کہ زمین کی کاشت نقطہ تقلیل تک پہنچ جاتی ہے تو اس کی قابلیت پیداوار کم ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ صرف یہی نہیں کہ معمولی کاشت ہی اُس کے اندرونی خواص کو زائل کرتی ہے بلکہ بعض چند ایسے قدرتی اسباب بھی پیدا ہو جاتے ہیں جو اس کی زرخیزی کو انتہا درجہ کا نقصان پہنچاتے ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ علم طبعی کے نتائج کی رو سے کوئی شے عدم محض نہیں ہو سکتی بلکہ صرف اُس کی ماہیت تبدیل ہو جاتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ عدم محض محال ہے تاہم کوئی مفید شے بدل کر ایسی ہیئت یا صورت اختیار کر سکتی ہے جو انسان کے لیے بالکل کارآمد نہ ہو۔ مثلاً جب کوئی مکان جل کر خاک ہو جاتا ہے تو بالکل معدوم نہیں ہوتا بلکہ ایک مفید ہیئت سے ایک غیر مفید ہیئت اختیار کر لیتا ہے۔ اسی طرح زمین کے مفید اندرونی خواص انسان کے معمولی کاشت یا دیگر مضرت رساں قدرتی اسباب سے حقیقی طور پر فنا نہیں ہو جاتے بلکہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ایسی صورت اختیار کر لیتے ہیں جو ہماری ضروریات کے لحاظ سے غیر مفید ہوتی ہے۔

زمین کے اس خاصے کی بنا پر بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہندوستان چونکہ صنعتی ملک نہیں ہے، اس واسطے یہ دیگر ممالک کے لیے ایک طرح کا ذخیرہ بن گیا ہے، جہاں سے وہ اپنے صنعتی کارخانوں کے لیے مصالح حاصل کرتے ہیں اور پھر اُس مصالح کو اپنی دستکاری کے عمل سے نئی نئی مصنوعات کی صورت میں تبدیل کر کے دیگر ممالک اور ہندوستان میں بھیج کر بے انتہا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ہمارے ملک میں چونکہ قانون تقابل حاصل کے عمل کو روکنے کے اسباب قلیل ہیں۔ لہٰذا جو اشیاء ہندوستان میں دیگر ممالک سے آتی ہیں ان پر قانوناً بہت سا محصول لگنا چاہیے۔ جس کا فائدہ یہ ہوگا کہ دیگر ممالک کے تاجر اپنی صنعتی اشیاء اس ملک میں نہ بیچ سکیں گے۔ اگر بیچیں گے تو اُن کو کچھ فائدہ کی توقع نہ ہوگی۔ کیونکہ زیادہ محصول کی وجہ سے اُن اشیا کی قیمت گراں ہو جائے گی اور یہاں کے لوگ اُن کو خریدنے سے باز رہیں گے۔ اس طرح ہمیں اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے خود اپنا محتاج ہونا پڑے گا اور ہماری صنعت کو ترقی ہوگی۔ اس طریق عمل کو ''حفاظت تجارت'' یا ''تامین تجارت'' کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور اس کا مقصد یہ ہے کہ تمام ممالک باہمی ایک دوسرے کے دست نگر نہ ہوں۔ بلکہ اپنی ضرورت کی چیزیں اپنے اپنے ملک کے پیدا کردہ مصالح سے خود تیار کریں۔ اس دلیل سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ مندرجہ بالا طریق عمل کا مقصد قوموں کے باہمی تعلقات کو قطع کرنا ہے۔ یہ نتیجہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ تامین تجارت کے مویدوں کا مقصد ہر ملک کے لوگوں کو صنعت کی طرف مائل کرنا ہے نہ کہ اُن کے باہمی تعلقات کو زائل کرنا۔ جو شے کسی ملک میں سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتی وہ بمجبوری دیگر ممالک سے حاصل کی جائے گی اور اس طرح تجارتی تعلقات بدستور قائم رہیں گے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ مصالح پیدا کرنے والوں کو باہمی خرید و فروخت کرنے میں پوری آزادی حاصل ہے۔ اس واسطے کسی قسم کا محصول لگانا گویا انسان کی آزادی پر حملہ کرنا ہے۔ مگر ان کو یہ معلوم نہیں کہ بسا اوقات کسی خاص فرد کا فائدہ عام افراد قوم کے فوائد سے متناقص ہوتا ہے تاہم مذکورہ بالا دلیل میں دو امور نظر انداز کئے گئے ہیں۔ جن پر غور کرنا نہایت ضروری ہے۔

۱۔ اوّل تو یہ کہ نظام قدرت خود بخود اس کمی کو پورا کرتا ہے جو زمین کی قابلیت پیداوار کے رفتہ رفتہ کم ہوتے جانے سے لاحق ہوتی ہے۔ مثلاً بڑی بڑی چٹانوں کا تحلیل ہو کر وسیع قطعاتِ زمین کی صورت میں متبدل ہوتے جانا۔

۲۔ دوئم زمین کے انسانی استعمال میں اس کے کچھ نہ کچھ حصے کا ضائع ہونا ضروری ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

بلکہ بڑے بڑے تجارتی قصبوں کی تعمیر سے بھی یہ بات رُک نہیں سکتی اور کچھ نہیں تو ایسے قصبوں میں کچھ حصہ زمین ان نہروں کی تیاری ہی میں صرف کرنا پڑے گا جن کی وساطت سے کوڑا کرکٹ وغیرہ سمندر میں پھینکا جاتا ہے۔

قصہ کوتاہ یہ بحث بڑی دلچسپ ہے اور اس کے نتائج مختلف ممالک کے حالات پر منحصر ہیں۔ ہم اس پر زیادہ خامہ فرسائی نہیں کرنا چاہتے بلکہ اس کا فیصلہ ناظرین کی رائے پر چھوڑتے ہیں۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

باب۔۲

محنت

دولت کی پیدائش کا دوسرا وسیلہ محنت ہے جس سے مراد وہ جسمانی یا غیر جسمانی (دماغی) سعی ہے جو کسی مقصد کے حصول کے لیے کی جاتی ہے۔ قطع نظر اس خوشی یا لذت کے جو اس سعی کے دوران میں حاصل ہو۔ قدرت مصالح یا ہیولیٰ مہیا کرتی ہے۔ مگر محنت اس کی مختلف اقسام پر اپنا عمل کرنے سے یا ان کو مطلوبہ ہیئت میں تبدیل کرنے سے اس ہیولیٰ کو انسانی ضروریات کے پورا کرنے کے قابل بنا دیتی ہے۔ اس قمیص کو ہی لو جو تم پہنتے ہو۔ اس کو موجودہ مفید صورت میں لانے کے لیے محنت کے مختلف اعمال کا کس قدر طویل سلسلہ درکار ہے۔ اعلیٰ ہذا القیاس مصنفین اور علماء کی تصانیف جن کا منشاء قوم کی اصلاح کرنا یا علوم کی اشاعت وغیرہ ہو، خالص دماغی محنت کی مثالیں ہیں۔

تہذیب وتمدن کے اقل درجہ کی حالت میں انسان کی ضروریات قدرت کی فیاضی سے خود بخود پوری ہو جاتی ہیں۔ محنت کی احتیاج نہیں ہوتی اور جب تک یہ حالت قائم رہتی ہے، اشیاء میں وہ خاصیت بھی پیدا نہیں ہوتی جس کی قدر کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ انسان دیگر حیوانات کی طرح خود رو پھلوں پر یا شکار پر گزران کرتا ہے۔ اس حالت کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ آبادی کم ہو، قحطوں کا تواتر ہو اور زندگی کو قائم رکھنے کے لیے قبائل انسانی میں باہمی جنگ وجدل کا سلسلہ قائم رہے۔ مگر جب انسان اس وحشیانہ حالت سے ترقی کر کے حالت شبانی تک پہنچتا ہے، تو اقتصادی معنوں میں محنت کا ظہور ہوتا ہے۔ اس حالت میں بنی آدم قدرت کی فیاضی کے بھروسے ہی نہیں رہتے، بلکہ مختلف جنگلی حیوانوں کو اپنے قبضے میں لاتے ہیں۔ پانی کے غیر مستقل ذخیرے کے لیے نہریں کھودتے ہیں۔ بلکہ آیندہ خشک سالی کی فکر سے خورد ونوش کا سامان جمع کرنا اور اپنے حیوانوں کی حفاظت کرنا بھی سیکھتے ہیں۔ غرض کہ محنت کی مندرجہ بالا صورتوں کی وساطت سے وہ تمام اشیاء

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

دولت بن جاتی ہیں، جو انسان کی وحشیانہ حالت میں اس خاصیت سے معرّا تھیں۔ تمدن کی اس حالت میں آبادی دن بدن زیادہ ہوتی ہے اور خورد و نوش کا سامان صرف کثیر ہی نہیں ہوتا بلکہ بیرونی خطرات سے محفوظ بھی ہو جاتا ہے۔ کیونکہ انسان کی ذاتی محنت سے قحطوں کا تواتر رُک جاتا ہے اور ان کے گزارے کی سبیل یقینی ہو جاتی ہے۔ آخر کار یہ مرحلہ بھی طے ہو جاتا ہے اور انسان ترقی کر کے اس حالت تک پہنچتا ہے جس کو حالت زراعتی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ خانہ بدوشی چھوٹ جاتی ہے۔ آبادی زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ اور محنت کا ہاتھ زمین کے مخفی خزانوں کو غلہ اور دیگر اجناس کی صورت میں نکالنا شروع کرتا ہے۔

اوپر کی سطور سے واضح ہو گیا ہوگا کہ پیدائش دولت کے لیے محنت لازم ہے۔ مگر یاد رکھنا چاہیے کہ ہر محنت دولت آفریں نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ محنت کی دو بڑی اصناف قرار دی گئی ہیں۔ یعنی

۱۔ محنت بارآور

۲۔ محنت غیر بارآور

مقدم الذکر سے مراد وہ محنت ہے جو بالواسطہ یا بالا واسطہ مسلسل طور پر مزید دولت پیدا کرتی رہے اور آخر الذکر سے مراد اُس محنت کی ہے جو مسلسل طور پر مزید دولت پیدا نہ کر سکے۔ مثلاً مفید اور ضروری اشیاء تیار کرنے والے معماروں، آہن گروں یا سپاہیوں اور استادوں کی محنت بار آور ہے۔ برخلاف اس کے آتش بازی بنانے والے کی محنت غیر بارآور ہے۔ کیونکہ آتش بازی کا دستکاری بجائے اس کے کہ مسلسل طور پر مزید دولت پیدا کرے قومی دولت کو کم کرتا ہے۔ مثال کے طور پر فرض کرو کہ کسی جگہ صرف دو آدمی آباد ہیں۔ ایک کے پاس دس روپے ہیں اور دوسرے کے پاس پانچ۔ یعنی اُن کا کل سرمایہ پندرہ روپے ہے۔ فرض کرو کہ جس شخص کے پاس پانچ روپے ہیں وہ اپنا سرمایہ آتش بازی کی تیاری میں صرف کرتا ہے اور شے مذکور کے تیار ہونے پر اُسے اپنے تماشہ پسند ساتھی کے پاس لے جاتا ہے جو آتش بازی کو دس روپیہ پر خرید لیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ دونوں کا سرمایہ جو پہلے پندرہ روپے تھا، اب صرف دس روپے رہ گیا ہے۔ جو آتش باز کے قبضہ میں ہے۔ کیونکہ آتش بازی اپنے مالک کو ایک عارضی خوشی دے کر تھوڑی دیر کے بعد بالکل معدوم ہو جائے گی۔ لہٰذا تمام غیر بارآور محنت جو اسباب تن آسانی پر صرف ہوتی ہے۔ اگرچہ بادی النظر میں سرمایہ داروں کو محنت بارآور کے مانند منافع غیر معلوم ہوتی ہے (جیسا کہ مثال بالا میں ہمارے آتش باز کو اپنی تجارت سے پانچ روپیہ منافع معلوم ہوتا ہے) تاہم انجام کار قومی دولت کی مقدار کو

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کم کرتی ہے۔ کیونکہ یہ محنت اور سرمایہ جو اس پر صرف ہوتا ہے گویا ایسی اشیاء کی تیاری میں صرف ہوتا ہے جو کچھ عرصہ بعد قدرے معرا ہو کر بالکل معدوم ہو جاتی ہیں اور اس وجہ سے مسلسل طور پر مزید دولت کے پیدا کرنے کا ذریعہ نہیں بن سکتیں۔ اگر غور سے دیکھو گے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ نجیلوں اور عشرت پسندوں کا وجود قومی دولت کے لیے یکساں مضرت رساں ہے نہ بخیل بھی عشرت پسندوں کی طرح دولت کو ایک طرح سے فنا ہی کرتا ہے کیونکہ جو دولت صندوق میں بند رہے اور مزید دولت کے پیدا کرنے میں صرف نہ ہو اُس کا عدم اور وجود برابر ہے۔ غرض کہ محنت کا بارآور غیر بارآور ہونا اور سرمایہ کا بارآور یا غیر بارآور طور پر استعمال ہونا مزید دولت پیدا کر سکنے یا نہ کر سکنے کی قابلیت پر منحصر ہے۔ معلم کی محنت بارآور ہے کیونکہ وہ اوروں کو اس قابل بناتا ہے کہ مزید دولت پیدا کریں۔ علیٰ ہذا القیاس سپاہی کی محنت بھی بالواسطہ بارآور ہے کیونکہ وہ اپنے ملک کی حفاظت کرتا ہے جو مزید دولت پیدا ہونے کی ایک ضروری شرط ہے۔ اسی طرح دیگر دستکاروں یعنی معماروں، آہنگروں وغیرہ کی محنت بھی بشرطیکہ اسباب تن آسانی پر صرف نہ ہو بارآور ہے۔ کیونکہ اُن کی محنت سے ایسی اشیاء تیار ہوتی ہیں، جن سے سلسلہ وار مزید دولت پیدا ہوتی رہتی ہے۔ برخلاف گوٹا بنانے والے کی محنت کے کہ اُس کا نتیجہ ایک ایسی شے ہے جو خریدنے والے کو ایک عارضی خوشی یا آسائش تو دیتی ہے لیکن کچھ عرصہ کے بعد فنا ہو کر دولت کی آیندہ پیدائش کے سلسلہ کو یک قلم منقطع کر دیتی ہے۔ مندرجہ بالا امتیاز کی بناء اس امر پر ہے کہ ہر ملک میں بعض دستکار اور سرمایہ دار تو ایسے ہوتے ہیں جو اپنی محنت اور سرمائے کو ضروریات زندگی کے پیدا کرنے میں صرف کرتے ہیں اور بعض صرف اسباب عشرت وتن آسانی ہی کو پیدا کرتے ہیں۔ لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ تہذیب وتمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ انسان کے حالات زندگی، اس کے خیالات وقویٰ میں ایک قسم کا تغیر آتا رہتا ہے جس سے یہ امکان ہو جاتا ہے کہ جو چیز سو سال پہلے اسباب تن آسانی میں سے تصور کی جاتی تھی اب اخلاقی حالات کی وجہ سے ضرورت زندگی میں شمار کی جائے لہٰذا تہذیب وتمدن کے اعلیٰ مدارج میں ضروریات زندگی اور اسباب تن آسانی یا بالفاظ دیگر یوں کہو کہ محنت بارآور اور غیر بارآور میں تمیز کرنا ذرا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس ضمن میں یہ بیان کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مندرجہ بالا توضیح پر دو اعتراض ہو سکتے ہیں:۔

۱۔ فرض کرو کہ ایک استاد بیس لڑکوں کو تعلیم دیتا ہے جن میں سے آخر کار دس طلبا معزز عہدوں پر ممتاز ہوئے مگر باقیوں نے مرنوالحال ہونے کی وجہ سے کوئی ملازمت یا تجارت وغیرہ کی۔ ظاہر ہے کہ محنت بارآور کی تعریف کی رو سے استاد کی محنت کا وہ حصہ جو پہلے دس کی تعلیم پر

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

صرف ہوا ہے، بارآور ہے۔ کیونکہ اُس سے مسلسل طور پر مزید دولت پیدا ہو رہی ہے لیکن وہ حصہ جو باقی دس کی تعلیم پر صرف ہوا ہے، غیر بارآور ہے کیونکہ اس سے مسلسل طور پر مزید دولت پیدا نہیں ہوتی۔ یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ ایک ہی قسم کی محنت ایک حالت میں بارآور اور دوسری حالت میں غیر بارآور ہو؟ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ کم علم اقتصادواقعات کے اسباب وعلل معلوم کرتا ہے اور اس بات پر بحث کرتا ہے کہ اگر بعض مانع اسباب نہ پیش آئیں تو فلاں واقعہ اس طرح پر ظہور پذیر ہوگا۔ استاد کی محنت دونوں صورتوں میں بارآور ہونے کا میلان رکھتی ہے لیکن چونکہ دوسری صورت میں طلبا کی بے پروائی یا دگر موانع پیش آ گئے ہیں، اس واسطے غیر بارآور ہوگئی ہے۔

۲۔ تم شاید یہ کہو گے کہ اگر کسی شے کے بارآور اور استعمال سے یہی مراد ہے کہ اس سے مسلسل طور پر مزید دولت پیدا ہوتی جائے تو جو روپیہ ہم لنگڑوں، اپاہجوں اور معذوروں کو بطور خیرات کے دیتے ہیں، وہ بھی غیر بارآور طور پر صرف ہوتا ہے کیونکہ اس سے کوئی مزید دولت پیدا نہیں ہوتی۔ بے شک یہ خیال صحیح ہے اور اسی خیال سے ایک مشہور انگریزی مصنف لکھتا ہے کہ علم الاقتصاد کے اصول اور نتائج انسان کے ذاتی تاثرات کے صریح مخالف ہیں۔ لیکن یہ یاد رہے کہ اگر اس علم کے اصول کی رو سے خیرات کا روپیہ غیر بارآور طور پر صرف ہوتا ہے تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا ہے کہ خیرات دینی ہی نہیں چاہیے علم الاقتصاد واقعات پر بحث کرتا ہے نہ کہ فرائض انسان پر۔ نظری طور پر کسی امر کا صحیح ہونا اس بات کا مستلزم نہیں ہے کہ وہ امر اس وجہ سے ہمارے فرائض سے ہی خارج ہے۔ فرائض انسان کی تعیین علم الاقتصاد کا کام نہیں ہے۔ بلکہ ان کا فیصلہ علم اخلاق کے اصول پر ہوتا ہے۔ جو بحیثیت ایک علم ہونے کے علم الاقتصاد سے الگ ہے بلکہ اگر تم غور کر کے دیکھو گے تو معلوم ہوگا کہ نظام تمدن کے بقاء اور اس کے استحکام کے لیے یہ ضروری ہے کہ قومی دولت کا کچھ حصہ فنا بھی ہوتا رہے۔

اس امتیاز کا اصلی مفہوم ذہن نشین کر لینے کے بعد یہ جاننا ضروری ہے کہ کسی ملک میں محنت کی پیداوار کا کم وبیش ہونا مندرجہ ذیل اسباب پر منحصر ہے۔ خواہ وہ ملک حالت شبانی میں، خواہ زراعتی حالت میں، خواہ تہذیب وتمدن کے اس درجہ پر موجب کہ صنعت وتجارت انتہائے عروج پر ہوتی ہیں۔

۱۔ دستکاروں یا محنتیوں کی کارکردگی۔

۲۔ انقسام محنت یا محنت کے مختلف اعمال اور حصص کا مختلف افراد پر تقسیم کرنا اور اس طریق

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

سے اُن کی تخصیص و تنظیم کرنا۔

محنت کی کارکردگی

محنتی کی کارکردگی کئی اسباب پر منحصر ہے۔

اوّل اس کی موروثی ہمت یا قویٰ جو فطرت نے اُسے عطا کئے ہوں۔ قدرت کا عطیہ مختلف اقوام کی حالت میں مختلف ہے۔ بعض قومیں قدرتاً قوی اور مضبوط ہوتی ہیں بعض قدرتاً دُبلی پتلی اور مقابلتاً ضعیف۔ یہی حال افراد کا ہے مگر اس اختلاف کی علت پر بحث کرنا علم الاقتصاد کا کام نہیں ہے۔

دوم۔ محنتی کی غذا کی کیفیت اور کمیت۔

سوم۔ محنتی کا سامان حفظ صحت، صاف اور ہوادار مکانوں میں رہنے سے اس کی صحت پر ایک نمایاں اثر ہوگا۔ جس سے اس کی ہنرمندی ترقی کرے گی۔

چہارم۔ محنتی کی فطرتی ذہانت۔ ذہن محنتی بہ نسبت غبی محنتی کے کئی وجوہ سے زیادہ اچھا کارکن ہوتا ہے۔

۱۔ تو اسے اس امر کی ضرورت نہیں ہوتی کہ اُس کی شاگردی کی مدت طویل ہو۔

۲۔ اس پر نگرانی کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی۔

۳۔ وہ اشیاء کی تیاری میں کم نقصان کرتا ہے۔

۴۔ وہ کل کا استعمال جلد سیکھ جاتا ہے۔

۵۔ زندگی کی دوڑ میں بڑھنے کی آرزو، جو سچی خودداری اور غیرت سے پیدا ہوتی ہے اور اس امر کا یقین کہ پیداوار محنت کی افزائش کے ساتھ ساتھ اس کا حصہ بھی بڑھتا جائے گا۔

مندرجہ بالا اسباب میں سے پہلے تین اسباب طبعی ہیں۔ چوتھا عقلی اور پانچواں اخلاقی ہے۔ تم کو معلوم ہے غلاموں کی محنت آزاد محنتیوں کی محنت کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ غلاموں کی محنت کارکردگی کی وقعت سے کیوں معرا ہے؟

صاف ظاہر ہے کہ آزاد محنتیوں کی طرح اسے زندگی کی دوڑ میں آگے بڑھنے اور اپنے ہمراہیوں پر فوقیت لے جانے کی کوئی خواہش ہوتی اور نہ ہوسکتی ہے۔ تازیانہ کا خوف ان قویٰ کو حرکت میں نہیں لاسکتا جن کی تحریک صرف تمنائے دولت اور خودداری کی خلش سے ہوتی ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

آزاد محنتیوں کی صورت میں بھی اُجرت کا قطعی اور یقینی ہونا ان کے لیے انتہا درجہ کا قوی محرک ہوتا ہے اور اگر کسی مالک کا نہیں بلکہ اپنا کام کر رہے ہوں تو اپنی محنت کی کارکردگی کے زیادہ کرنے میں اور بھی کوشش کرتے ہیں۔ وجہ صرف یہی ہے کہ وہ اپنے آپ کو اپنی محنت کی پیداوار کا پورا مالک تصور کرتے ہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:۔

''حقِ ملکیت ایک اکسیر ہے جو تانبے کو سونا بنا دیتا ہے''۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ بعض ممالک میں قانون ہی اس ڈھب کے وضع کئے جاتے ہیں کہ قوم کے دستکار اُن کے اثر سے دن بدن سُست ہوتے جاتے ہیں۔ کیونکہ بسا اوقات یہ قانون اُن کی اپنی محنت کا پورا فائدہ اٹھانے سے روکتے ہیں۔ کچھ عرصہ گزرا ہے ملک سکاٹ لینڈ میں قوانین متعلقہ مزارعین اس طرح سے وضع کئے گئے تھے کہ ان بے چاروں کی جانکاہی کو کندن و کاہ برآوردن کی مصداق تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اُن لوگوں کے مزاج میں دن بدن کاہلی ترقی کرتی گئی۔ مگر جب اس قسم کے بیہودہ قوانین منسوخ کر دیئے گئے تو انھوں نے اپنی جبلی چستی اور استقلال کو پھر حاصل کر لیا۔ پس یہ تمام اسباب ہیں جو محنت کی کارکردگی میں اختلاف پیدا کرتے ہیں۔

انقسامِ محنت

کسی قوم کی قوتِ محنت کا دوسرا جز وانقسامِ محنت ہے۔ تہذیب وتمدن کے ابتدائی مراحل میں ہر انسان اپنی ذاتی ضروریات کے پورا کرنے کے لیے سارا کام خود کرتا ہے۔ اپنی جھونپڑی کا معمار بھی آپ ہی ہوتا ہے اور اپنے شکار کے لیے تیر وکمان اور دیگر اوزار بھی آپ ہی تیار کر لیتا ہے۔ مگر اس حالت میں بھی کسی نہ کسی حد تک انقسامِ محنت کا اصول عمل میں ضرور آتا ہے۔ عورت سوت کاتتی ہے۔ پہننے کے لیے کپڑے تیار کرتی ہے کھانا پکاتی ہے۔ لیکن مرد اور کام کرتا ہے جن میں قوت اور چستی کی زیادہ ضرورت ہے رفتہ رفتہ محنت کا انقسام جنسیت کے امتیاز پر مبنی نہیں رہتا۔ بلکہ ذاتی قابلیت کے اختلاف پر مبنی ہو جاتا ہے۔ افراد میں سے کوئی لوہار، کوئی زرگر، کوئی بڑھئی بن جاتا ہے اور اس طرح آخر کار ہر پیشہ کے مختلف حصے مختلف محنتیوں کے ساتھ مختص ہوتے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اکثر ممالک میں ذات پیشہ کے لحاظ سے قرار دی جاتی ہے۔ ہندوستان کو ہی لو ہمارے ہاں اصول انقسامِ محنت کا اثر اس درجہ تک ہوا کہ درزی، لوہار، بڑھئی وغیرہ ذاتیں قرار پا گئیں اور اس امتیاز پر اس قدر بے جا زور دیا گیا کہ اس کے مضرت رساں نتائج بالکل نظر انداز کر دیئے گئے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تہذیب وتمدن کے ابتدائی مراحل میں یہ امتیاز قوموں کے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

لیے مفید ہوسکتا ہے لیکن کسی شے کے ایک خاص صورت میں مفید ہونے سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ وہ شے ہر حالت میں مفید ہے۔

انقسامِ محنت سے دولت کی پیداوار روز افزوں ترقی کرتی ہے۔

۱۔ اس کی وجہ سے شاگردی کی مدت کم ہو جاتی ہے کیونکہ جب محنتی کو کسی پیشے کا صرف ایک خاص حصہ ہی سیکھنا ہوگا تو ظاہر ہے کہ اس کے سیکھنے کی مدت اس مدت سے بہت کم ہوگی جو اس پیشہ کی تمام شاخوں کے سیکھنے میں صرف ہوتی۔

۲۔ ایک خاص شاخ کی مزادلت سے اس کے ہاتھ کی صفائی بڑھ جائے گی۔

۳۔ جب ایک محنتی کسی پیشے کی ایک خاص شاخ کے لیے مختص ہو جائے گا تو اُس کو اس پیشے کی دیگر شاخوں سے کوئی سروکار نہ ہوگا اور عدم انقسام کی صورت میں جو وقت ایک شاخ سے دوسری شاخ کی طرف جانے اور پیشے کے مختلف اعمال کی ادل بدل میں صرف ہوتا تھا، انقسامِ محنت کی صورت میں بچ جائے گا۔

۴۔ چونکہ ہر محنتی کی توجہ پیشے کی کسی خاص شاخ یا عمل پر مبذول رہا کرے گی، اس واسطے وہ اپنے مقررہ کام کو سہولت، آسانی اور صفائی کے ساتھ سرانجام دینے کی راہیں ایجاد کرنے کی کوشش کرے گا۔ اگرچہ دنیا کی بڑی بڑی ایجادات علمی ترقی کا نتیجہ ہیں۔ تاہم اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ان کا بہت سا حصہ اصول انقسامِ محنت کے اثر سے ظہور میں آیا ہے۔

۵۔ انقسامِ محنت کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوگا کہ کام محنتیوں کی قابلیت کے مطابق تقسیم ہوگا لہٰذا بچے اور عورتیں بھی اپنی اپنی قابلیت کے مطابق ملک کی دستکاری سے بہرہ ور ہوں گی۔

مندرجہ بالا سطور سے یہ تو تمہیں معلوم ہو گیا ہوگا کہ انقسامِ محنت کسی ملک کی صنعت کے لیے کہاں تک مفید ہے۔ لیکن اگر اسی اصول کو دنیا کی تمام اقوام و ممالک پر وسعت دی جائے تو یا یوں کہو کہ محنت کی مقامی تقسیم کی جائے تو اس کے فوائد اور بھی نمایاں معلوم ہوں گے۔ ہر ملک وہی شے پیدا کرنے کی قابلیت اسے حصوصیت کے ساتھ حاصل ہے اور اس طرح رفتہ رفتہ وہ ملک اس خاص شے کے پیدا کرنے میں کمال حاصل کرتا جائے گا۔

جو لوگ اصول ''تامین تجارت'' کے مخالف ہیں۔ اُن کی بڑی دلیل یہی ہے کہ قوموں کے تجارتی تعلقات پر کسی قسم کی روک پیدا کرنا گویا لوگوں کو اُن بڑے بڑے فوائد سے محروم کرنا ہے جو محنت کی مقامی تقسیم کا نتیجہ ہیں۔ کیونکہ ہر شخص یہ حق رکھتا ہے کہ اپنی ضرورت کی چیزیں اسی ملک یا بازار سے خرید لے، جہاں وہ کم سے کم قیمت پر دستیاب ہوسکتی ہیں۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

تم جانتے ہو کہ ہر قوم کے تمدنی اور ملکی حالات کم و بیش مختلف ہیں۔ لہٰذا اُن کی دستکاری میں بھی کم و بیش اختلاف ہے۔ کسی کو کسی شے کی تیاری میں کمال حاصل ہے۔ یا ملکی اور قومی حالات کی وجہ سے ہوسکتا ہے اور کسی کو کسی اور شے کی تیاری میں۔ اگر اس قدرتی امر کو ملحوظ خاطر رکھ کر دیا کی محنت کو اس طور پر مرتب و منظّم کریں کہ ہر ملک انہیں اشیا کے پیدا کرنے میں مصروف رہے جن کے تیار کرنے میں اُسے خاص طور پر قابلیت حاصل ہے یا یوں کہو کہ دستکاری کی مختلف شاخیں ایک نہ ایک قوم یا مقام کے ساتھ مختص سمجھی جائیں، تو ظاہر ہے کہ اس تنظیم سے بے انتہا فوائد منتج ہوں گے۔ محنت کی کارکردگی پر ایک نمایاں اثر ہوگا۔ بنی نوع انسان ایک بڑے جسم کی طرح ہیں کہ مختلف ممالک یا اقوام اس کے اعضا ہیں، جو اپنے اپنے مقررہ فرائض کی انجام دہی سے ''بنی آدم اعضائے یک دیگر اند'' کا پورا مفہوم ظاہر کرتے ہیں۔ اور اس طرح جسم کی پرورش اور ترتیب کرے ہیں۔ پس قطع نظر ان فوائد کے جو انقسام محنت سے پیدا ہوتے ہیں اور جن کا اُوپر ذکر کیا گیا ہے۔ تنظیم محنت کا اوّل تو یہ فائدہ ہوگا کہ دستکاری کی مختلف شاخوں کی تقسیم سے مختلف پیشہ وروں کے کام کی خوبی کا مقابلہ ہو سکے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کے درمیان ایک قسم کا رشک پیدا ہو جائے گا اور پیشہ ور اس رشک کے جوش میں سعی کرے گا کہ اس کا کام خوبی میں اوروں کے کام سے بہتر ہو۔ علاوہ اس کے تنظیم محنت کی وجہ سے مالکوں یا کارخانہ داروں کی ایک ایسی جماعت پیدا ہو جائے گی، جو اپنی ذاتی منفعت کی خاطر ہمیشہ یہ سوچتے رہیں گے کہ ملک کی دستکاری مفید ترین راہوں میں صرف ہو۔ اگرچہ مالکوں کی ایک علیحدہ جماعت کے قائم ہو جانے سے اوّل اوّل کسی قدر نقصان ہوگا۔ کیونکہ دستکار کو اپنے کام میں وہ ذاتی دلچسپی نہ رہے گی، تاہم مجموعی طور پر اس جماعت کا اثر مفید ہوگا۔

مگر یاد رکھنا چاہیے کہ تنظیم محنت کے لیے یہ ضروری ہے کہ دستکاری کے مختلف مرکزوں کے درمیان پیام رسانی اور ارتباط کے دیگر ذرائع کا پورا انتظام ہو، ورنہ بیگانگی اور عدم تعلق سے بعض اوقات خوفناک نتائج پیدا ہونے کا اندیشہ ہوگا۔

۱۸۶۰ء میں جب کہ ممالک مغربی و شمالی ایک ہیبت ناک قحط کی مصیبت سے پامال ہو رہے تھے، بعض اضلاع میں چاول کا نرخ چار روپیہ فی من تھا مگر بعض اضلاع میں دو روپیہ من سے بھی کم تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مختلف اضلاع کے درمیان تجارتی تعلقات کو قائم رکھنے کے لیے کافی سڑکیں موجود نہ تھیں، جن کی وجہ سے قحط زدہ اضلاع اُن اضلاع کی پیداوار سے فائدہ اٹھا سکتے جن میں مقابلتاً ارزانی تھی۔ موجودہ حکام ہندوستان کی دور اندیشی سے اب اس ملک کے مختلف حصص

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

میں تجارتی تعلقات پیدا ہونے کا سامان دن بدن زیادہ ہوتا جاتا ہے اور امید کی جاتی ہے کہ آیندہ اس قسم کے دردناک مصائب کا تواتر نہ ہوگا۔ اس ضرورت کے لحاظ سے ایک محقق اس بات پر زور دیتا ہے کہ بستیاں آباد کرنے والوں کے قطعاتِ زمین قریب قریب ہونے چاہئیں ورنہ ہر جماعت صرف وہی اشیاء پیدا کرے گی، جو اُن کی ذاتی ضروریات کے پورا کرنے کے لیے کافی ہوگی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اُن کے درمیان تجارتی تعلقات پیدا نہ ہوں گے اور اُن کو ان تمام خطرات کا اندیشہ رہے گا جو عدم سلسلہ آمدورفت سے پیدا ہوتے ہیں۔

اب تمام مختصر طور پر گزشتہ دو باتوں کی بحث کا نتیجہ تحریر کرتے ہیں تاکہ مندرجہ بالا امور وضاحت کے ساتھ ذہن نشین ہو جائیں۔ باب دوئم میں تمہیں معلوم ہو چکا ہے کہ پیدائش دولت کے قدرتی اسباب ایک بڑے قانون کے تابع ہیں جس کو قانون تقلیل حاصل کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ مگر باب سوم میں ہم نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ یہ واضح کریں کہ تنظیم محنت سے پیدائش دولت انتہا درجہ کی ترقی کرتی ہے۔ اگر قانون تقلیل حاصل کی رو سے پیداوار دولت میں نقطہ تقلیل تک پہنچ کر دن بدن کم ہوتے جانے کا میلان ہے، تو تنظیم محنت فن زراعت کی ترقی اور اس فن کی دیگر متعلقہ ایجادات اور سرمایہ کا زیادہ دوراندیشی سے استعمال کرنا اس کی افزائش کے اسباب ہیں۔

انسان کی آبادی دن بدن بڑھتی جاتی ہے اور تہذیب وتمدن کی ترقی کے ساتھ اس کی ضروریات بھی بڑھتی جاتی ہیں۔ لہٰذا اگر وہ صرف قدرتی اسباب کی پیدائش کے بھروسہ پر رہتا اور اپنی روزافزوں ضروریات کے پورا کرنے کی نئی نئی راہیں نہ نکالتا۔ یا بالفاظ دیگر یوں کہو کہ اپنی عقل کے زور سے قانون تقلیل حاصل کے اثر کا مقابلہ نہ کرتا، تو اس امن وآسائش میں انتہا درجہ کا خلل پیدا ہوتا، بلکہ اس کی نسل کا بقا ہی محال ہو جاتا۔ پس ظاہر ہے کہ اصول تنظیم محنت اور اصول تقلیل حاصل ایک دوسرے کے حریف ہیں جن میں ایک قسم کی جنگ چلی جاتی ہے۔ جس سے پیدائش دولت میں اعتدال قائم رہتا ہے اور اعتدال ہی ہر شے کی جان ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

باب۔۳

سرمایہ

نوع انسان کے ابتدائی مراحل تہذیب میں سرمایہ کا وجود مطلق نہ تھا۔ پیداوار دولت کے صرف دو وسائل تھے۔ یعنی محنت اور زمین۔ مگر موجودہ نظام تمدن میں سرمایہ دولت کی پیدائش کے لیے ایسا ہی ضروری ہو گیا ہے۔ جیسا کہ محنت اور دیگر قدرتی اسباب۔ اس لیے دولت کی پیدائش ناممکن ہے، جب تک کہ موجودہ صرف میں سے کچھ حصہ بچا کر مزید دولت کے پیدا کرنے میں استعمال نہ کیا جائے۔ لہٰذا نظام تمدن کی موجودہ صورت میں کسی ملک کا سرمایہ اس ملک کی دولت کا وہ حصہ ہے جو دولت کی آیندہ پیدائش کے لیے الگ رکھا جائے۔ کسی ملک کی دولت کا وہ حصہ جو اسباب تن آسانی پر صرف کیا جاتا ہے یا اسباب تن آسانی کی تیاری میں لگایا جاتا ہے، بادی النظر میں تو سرمایہ دار کو نفع دیتا ہے لیکن چونکہ انجام کار قومی دولت پر اس کا اثر اچھا نہیں ہوتا، اس واسطے علم اقتصاد کے اصول کی رو سے ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ حصہ بطور سرمایہ صرف ہوا ہے بلکہ اس کے استعمال کو غیر بارآور ہی کہا جائے گا۔ بشرطیکہ یقینی اور قطعی طور پر یہ معلوم ہو جائے کہ وہ اشیا جو اس حصہ دولت کی وساطت سے تیار ہوئی ہیں یا خریدی جاتی ہیں، واقعی اسباب تن آسانی میں داخل ہیں۔ غرض کہ سرمایہ بچت کا نتیجہ ہے اور سرمایہ دار کے کم خرچ اور کفایت شعار ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

بعض مصنفین کہتے ہیں کہ کسی ملک کی آب و ہوا بھی جہاں تک کہ مزید دولت کی پیداوار میں مدد دیتی ہے، اس ملک کے سرمائے کا حصہ ہے۔ لیکن چونکہ دولت وہ شے ہے، جو تبادلے میں کوئی معین قدر رکھتی ہو۔ اس واسطے کسی ملک کے مفید قدرتی اسباب مثلاً آب و ہوا یا اس کا جغرافی مقام وغیرہ، اس ملک کے سرمائے میں داخل نہیں تصور کئے جا سکتے، اگرچہ یہ پیدائش دولت کے مد ضرور ہیں۔ سرمائے کی اصلیت مندرجہ ذیل مثال سے واضح ہو سکتی ہے۔

فرض کرو کہ انسانوں کا ایک قبیلہ سمندر کے کنارے پر آباد ہے اور مچھلی پر گزارا کرتا

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ہے۔ جب مچھلی کثرت سے پیدا ہوتی ہے تو ان کے دن بھی اچھے گزر جاتے ہیں۔ مگر برعکس حالات میں ان لوگوں کو قحط کی مصیبت کا سامنا ہوتا ہے۔ اب فرض کرو کہ ان میں سے ایک آدمی اپنے ہم جنسوں کی نسبت امیرانہ گزارہ کرنے کی خاطر مچھلی کا ایک ذخیرہ جمع کرتا ہے۔ یہ ذخیرہ دولت تو ضرور ہے مگر اس کا سرمایہ ہونا اس کے استعمال پر منحصر ہے۔ اگر غیر بارآور طور پر استعمال ہوگا تو بطور سرمایہ صرف نہ ہوگا۔ لیکن اگر مزید دولت کی پیدائش میں صرف ہوگا تو سرمایہ کہلائے گا۔ بالفرض قحط کے موسم میں یہ شخص اپنے ذخیرے کو ساتھ لے کر کسی جنگل کی طرف نکل جاتا ہے اور وہاں جا کر فراغت سے ایک کشتی تیار کرتا ہے جس کی وساطت سے سمندر کے دور و دراز حصوں میں اس کی رسائی ہو سکتی ہے، جہاں ساحل کی نسبت زیادہ مچھلی مل سکتی ہے۔ اس صورت میں کشتی مذکور سرمایہ کہلائے گی اور یہ شخص سرمایہ دار ہوگا۔

اب اس شخص کے لیے تین راہیں کھلی ہیں:۔

اوّل ۔۔ تو یہ کہ اپنی کشتی خود استعمال کرے اور ماہی گیری کی آمدنی سے اپنے ہم جنسوں کی محنت ایک خاص معاوضے کے بدلے خریدے اور اس طرح آرام میں بسر کرے۔

دوم ۔۔ یا اپنی کشتی کسی اور کو اجارے پر دے دے اور خود ہاتھ پر ہاتھ دھرے گھر میں بیٹھا رہے۔

سوم ۔۔ یا اپنی کشتی کسی اور کو اجارے پر دے دے اور خود اور کشتیاں تیار کرنے میں مصروف رہے۔ فرض کرو کہ کشتی بنانے والا تیسری راہ اختیار کرتا ہے اور اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی صنعت کے گاہک بہت ہیں۔ جوں جوں وہ زیادہ کشتیاں تیار کرے گا توں توں اُس کا ہاتھ بھی صاف ہوتا جائے گا اور وہ دن بدن اس قابل ہوتا جائے گا کہ اُجرت کے معاہدے پر اپنے دیگر ہم جنسوں کو بھی اپنے ساتھ کام میں لگائے۔ کیونکہ خریداروں کی کثرت کی وجہ سے وہ اکیلا اتنی کشتیاں نہیں تیار کر سکے گا۔ اب اس کی روز افزوں ترقی دیکھ کر اوروں کو بھی کشتیاں بنانے کی تحریک ہوگی اور کشتی گروں میں ایک قسم کی تجارتی رقابت ہو جائے گی اور منافع کی شرح کم ہوتی جائے گی۔ آخر کار یہاں تک نوبت پہنچے گی کہ کشتیوں کی مزید مانگ نہ رہے گی اور اس وجہ سے سرمایہ دار کمی منافع کے خیال سے کشتی گری کو چھوڑ کر معماری کے کام پر اپنا سرمایہ صرف کرنے لگیں گے یا قبیلے کی دیگر ضروریات کا سامان مہیا کریں گے۔ اس طرح جوں جوں قبیلے کی ضروریات بڑھتی جائیں گی یا یوں کہو کہ جوں جوں قبیلہ مذکور تہذیب و تمدن میں ترقی کرتا جائے گا توں توں اس کا سرمایہ بھی مختلف صورتیں اختیار کرتا جائے گا۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

مثال مندرجہ بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ سرمایہ اول اول ذخیرے کی صورت میں ظاہر ہوا کیونکہ کشتی بنانے والے کے لیے یہ ضروری تھا کہ پہلے ایام کشتی گری کے لیے اپنی خوردونوش کا سامان مہیا کرے۔اس کے بعد سرمایہ کشتی گری کے اوزاروں کی صورت اور بالآخر اس مصالح کی صورت میں جس سے کشتیاں تیار ہوتی ہیں، منتقل ہو گیا۔غرض کہ ہم مختصر طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ کسی قوم کا سرمایہ اس قوم کی دولت کا وہ حصہ ہے جو دولت کی نئی نئی صورتیں پیدا کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور جس کی تقسیم مندرجہ ذیل طریقہ پر ہو سکتی ہے۔

۱۔ وہ سرمایہ جو مزید دولت کی پیدائش کے ایام میں سرمایہ داروں اور محنتیوں کی خوردونوش میں صرف ہو۔

۲۔ اوزار یعنی مختلف پیشوں کے ہتھیار۔آلات اور کلیں وغیرہ

۳۔ مصالح۔جس میں دولت کی وہ تمام صورتیں شامل ہیں جو سامان معاش اور اوزاروں کے علاوہ ہوں۔

مقدم الذکر صورت میں اسے سرمایہ دائر کہتے ہیں کیونکہ یہ ایک ہیئت سے منتقل ہو کر دوسری ہیئت اختیار کر لیتا ہے۔مثلاً محنتیوں کی اُجرت ان کی اشیاء خوردونوش کی چیزیں قویٰ حیات کی صورت میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔موخر الذکر دو صورتوں میں اسے سرمایہ قائم کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔کیونکہ سرمایہ مذکور ایک مستقل اور غیر متبدل ہیئت اختیار کر لیتا ہے جس سے رفتہ رفتہ مزید دولت پیدا ہوتی رہتی ہے۔اگرچہ تہذیب وتمدن کی عام حالتوں میں سرمایہ انہی تین صورتوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔لیکن زمانہ حال کے مہذب ممالک میں اشیاء مادیہ کے علاوہ اعتبار اور حقوق مجردہ مثلاً حق نالش وغیرہ بھی سرمایہ کے طور پر مستعمل ہوتے ہیں۔زمانہ حال میں ہزار ہا سوداگر اپنے ذاتی اعتبار پر تجارتی اشیا خرید کرتے اور ان کی فروخت سے نفع اٹھاتے ہیں۔علیٰ ہذا القیاس زمانہ حال کی تجارت کا بہت بڑا حصہ حقوق نالش اور دیگر حقوق مثلاً حق تصنیف وغیرہ کی خرید وفروخت کے متعلق ہے۔

دنیا میں بہت سے ملک ہیں جن کی قدرت نے صنعت وحرفت اور دستکاری کے دیگر اقسام کے لیے نہایت موزوں پیدا کیا ہے۔لیکن سرمائے کی کمی یا عدم موجودگی کے باعث ان کی تجارت چمک نہیں سکتی۔ہمارے ہندوستان کو بھی اس مصیبت کا سامنا ہے۔یہاں کی تجارت بیشتر مغربی سوداگروں کے ہاتھوں میں ہے جو اپنے سرمایہ کو ہندوستانی تجارت کی مختلف شاخوں میں لگا کر نفع عظیم حاصل کرتے ہیں۔لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ غیر ملکی سوداگروں کا ہمارے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ملک میں سرمایہ لگانا ہمارے لیے مضر ہے۔اس میں کچھ شک نہیں کہ اگر سرمایہ ہمارا اپنا ہوتا تو نفع جو اس سے پیدا ہوتا ہے اور جو موجودہ صورت میں غیر ملکی سوداگروں کے ہاتھوں میں جاتا ہے، ہمارے ملک میں ہی رہتا ہے۔لیکن ظاہر ہے کہ ان مغربی سوداگروں کے سرمائے کی وساطت سے بالخصوص نیل، غلہ، شکر، کافی اور سونے کی پیدائش کے وسائل پہلے کی نسبت بہت ترقی کر گئے ہیں۔ یا یوں کہو کہ ان لوگوں نے اپنی سرگرمی اور ہمت سے ہماری سرزمین کے مخفی خزائن کے دروازے کھول کر ہمارے لیے آیندہ تجارت کی راہیں کھول دی ہیں۔ بشرطیکہ ہمارے پاس سرمایہ موجود ہو۔اس بیان سے ظاہر ہے کہ سرمایہ کسی ملک کے وسائل پیدائش کی ترقی، دستکاری اور تجارت کی مختلف شاخوں کے قیام کے لیے کہاں تک ضروری ہے۔لہٰذا ہمیں معلوم کرنا چاہیے کہ وہ کون کون سے اسباب ہیں جن سے یہ زیادہ ہوسکتا ہے۔

۱۔ یہ بیان ہو چکا ہے کہ سرمایہ بچت کو نتیجہ ہے اور سرمایہ دار کی کفایت شعاری پر دلالت کرتا ہے۔لہٰذا تعلیم یا دیگر حالات جو کسی ملک کے لوگوں کو کفایت شعار بنانے کے ممد ہیں، سرمائے کی زیادتی کا پہلا سبب ہیں۔دولت بچانے کی خواہش لوگوں کے حقوق کی حفاظت اور شرح سود کی کمی بیشی پر منحصر ہے۔البتہ جو قومیں سود لینا خلاف مذہب تصور کرتی ہیں، ان پر یہ محرک اثر نہیں کر سکتا۔

۲۔ پیداوار دولت کی مقدار کے زیادہ ہونے سے بھی سرمایہ کی مقدار بڑھتی ہے۔اگر کسی ملک میں چالیس ہزار من غلہ پیدا ہوتا ہے اور اس میں سے دس ہزار من بطور سرمایہ جمع کر لیا جاتا ہے، تو ظاہر ہے کہ ساٹھ ہزار من غلہ پیدا ہونے کی صورت میں زیادہ مقدار بطور سرمایہ جمع ہونی ممکن ہو سکے گی۔

۳۔تجارت اور تبادلہ سے بھی سرمائے کی مقدار بڑھتی ہے کیونکہ ان دونوں صورتوں میں پیداوار دولت کی مقدار بڑھتی ہے جس سے (دیکھو مسئلہ نمبر۲) سرمائے کی مقدار میں زیادتی ہوتی ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

باب ۔۴

کسی قوم کی قابلیت

پیدائش دولت کے لحاظ سے

کسی قوم کی قابلیت پیدائش دولت کے لحاظ سے اس قوم کی زمین، محنت اور سرمائے کے حسن استعمال اور ان کے مفید طریقوں میں صرف ہونے پر انحصار رکھتی ہے۔ خواہ زمین کی کاشت نقطۂ تقلیل تک نہ پہنچی ہو، خواہ پہنچ گئی ہو۔ محنتی کی ہنرمندی، ذہانت، فن زراعت کی ترقی، تنظیم محنت، سرمائے کو زیادہ دور اندیشی سے نئی نئی مفید صورتوں میں صرف کرنے اور اسی قسم کے دیگر اسباب سے دولت کی پیداوار انتہا درجے کی ترقی کرتی ہے یہاں ایک بڑا ضروری اور اہم اقتصادی سوال پیدا ہوتا ہے کہ پیداوار دولت زمین، محنت اور سرمائے کی قوت پیداوار سے متعین ہوتی ہے، تو کیا وجہ ہے کہ کوئی قوم اس قدر دولت پیدا نہیں کر سکتی جو اُس کے وسائل پیدائش کے مطابق ہو؟ یا بالفاظ دیگر یوں کہو کہ وسائل پیدائش میں خواہ کسی قدر قوت ہو دولت کی پیداوار اس قوت کے لحاظ سے کم رہتی ہے۔ یعنی اس قدر پیدا نہیں ہوتی جس قدر کہ ہونی چاہیے۔ اس اختلاف کا باعث کیا ہے۔

اس سوال کا جواب علم الاقتصاد کے تمام حصص کے مطالعہ کے بغیر محال ہے۔ دولت کے صرف یا استعمال کے بیان میں تمہیں معلوم ہوگا۔ بعض دفعہ دولت کا استعمال قوم کی قوت سرمایہ اور محنت کو انتہا درجے کا نقصان پہنچا دیتا ہے۔ اسی طرح تقسیم دولت کے بیان میں تم معلوم کرو گے کہ بعض دفعہ دولت اپنے پیدا کنندوں کے درمیان ایسے بے اصول طور پر تقسیم ہوتی ہے کہ بعض افراد کو ایک مستقل نقصان پہنچ جاتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس تبادلے کے باب میں اس امر کے اسباب واضح ہوں گے کہ بعض دفعہ پیدائش دولت کیوں رُک جاتی ہے یا دستکاری کی چلتی گاڑی میں کیوں روڑا اٹک جاتا ہے جس سے پچھلے سالوں کی پیدا کردہ دولت ان بے کاری کے دنوں میں صرف ہو جاتی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ہے۔لہٰذا مندرجہ بالا سوال کا شافی جواب اس وقت تک نہیں دیا جا سکتا جب تک علم الاقتصاد کے تمام حصص کا غور سے مطالعہ نہ کرلو۔ یہاں ہم صرف اُن اسباب کا ذکر کرنا چاہتے ہیں، جو پیدائش دولت کے سدراہ ہیں جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔اس امر کا ایک سبب تو یہ ہے کہ قدرتی طور پر زمین کی زرخیزی (بشرطیکہ انسان اپنی عقلمندی کے زور سے قانون تقلیل حاصل کے اثر کا مقابلہ نہ کرتا رہے) دن بدن کمی کی طرف میلان رکھتی ہے۔لیکن اس کے علاوہ اور بھی اسباب ہیں جو ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:۔

۱۔محنت اور سرمایہ کسی حد تک ناقابل انتقال ہیں۔تمام مہذب قوموں میں محنت اور سرمایہ دونوں کچھ اس طرح خاص خاص صورتیں اختیار کر لیتے ہیں کہ اگر اُن کو ایک صورت سے دوسری صورت میں منتقل کرنا چاہیں تو کئی قسم کی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔مثلاً جس تاجر نے لاکھوں روپیہ کی رقم کلوں پر صرف کر دی اُس کے واسطے یہ امر کس طرح ممکن ہے کہ اپنا کثیر سرمایہ بغیر خرچ اور دیگر نقصان کے کسی اور صورت میں منتقل کر دے یا جس دستکار نے ایک خاص پیشہ بڑی جانفشانی سے اور روپیہ خرچ کر کے سیکھا ہے۔اس کے واسطے کس طرح ممکن ہے کہ اُس پیشے کو چھوڑ کر کسی اور پیشے کو اپنا ذریعہ معاش بنائے؟

۲۔محنت اور سرمائے کا ناعاقبت اندیشی سے استعمال کیا جانا۔اگر ان ہر دو وسائل کو دور اندیشی سے استعمال نہ کیا جائے تو ان کی قوت پیدائش میں ایک نمایاں فرق محسوس ہوتا ہے۔ممکن ہے کہ کسی کارخانے کے مالک کی وفات پر اس کا جانشین اپنی خامی اور ناتجربہ کاری کے باعث دور اندیشی سے کام نہ لے اور اس طرح اس کی بدانتظامی کی وجہ سے وسائل مذکور کی قوت پیدائش میں ایک معتدبہ کمی پیدا ہو جائے۔تم کو معلوم ہے کہ موجودہ زمانے میں ضروریات کے تقاضے سے تمام مہذب ملکوں میں محنت اور سرمائے کا انتظام افراد کی ایک خاص جماعت کے ہاتھوں میں ہے جس کو جماعت مالکان یا کارخانہ داراں کہتے ہیں۔اس جماعت کا وجود سرمائے اور محنت کے مفید انتظام کے لیے ایسا ہی ضروری ہے جیسے فوج کے لیے اعلیٰ افسروں کا وجود۔جس قدر اصول انقسام پر زیادہ عمل ہوتا جاتا ہے اسی قدر مالک یا کارخانہ دار کا وجود نہ صرف تنظیم، محنت اور دستکاری کو مفید راہوں میں لگانے کے لیے بلکہ دستکاروں کے درمیان حسن انتظام قائم رکھنے کے لیے زیادہ ضروری ہوتا جاتا ہے۔مالک کے سوا اس امر کا فیصلہ کون کر سکتا ہے کہ کون سی شے تیار کی جائے گی۔ اور کس قیمت پر فروخت کی جائے گی؟ غرض کہ دنیا کی موجودہ دستکاری اس بات کی طرف میلان رکھتی ہے کہ اس کا انتظام دن بدن ایک خاص جماعت افراد کے ہاتھوں میں آتا جائے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

بعض ماہرین علم الاقتصاد کی رائے ہے کہ پیدائش دولت کے نظام میں مالک یا کارخانہ دار کا وجود ضروری نہیں ہے، بلکہ ان حکما کے خیال میں اس کی موجودگی دستکاروں اور کارخانہ داروں کے درمیان ایک قسم کی بے جا تجارتی رقابت پیدا کر دیتی ہے جس کے نتائج پیدائش دولت کے حق میں مضرت رساں ہوتے ہیں۔ اس وقت کے رفع کرنے کی کئی راہیں بتائی گئی ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ ایک ہی پیشے کے دستکار مشترک سرمائے سے مل کر کام کیا کریں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اس قسم کی باہمی معاونت کئی حیثیتوں سے مفید ہے۔ مثلاً اگر یہ معرض عمل میں آ جائے تو

۱۔ دولت کی وہ مقدار جو موجودہ اقتصادی حالات میں مالک کی جیب میں جاتی ہے، دستکاروں کے قبضے میں آئے گی۔

۲۔ دستکار ہر طرح سے خود مختار ہوگا اور دولت کی جو صورت چاہے گا پیدا کرے گا۔

۳۔ موجودہ حالات تمدن میں بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ دستکار مالکوں سے زیادہ اجرت لینے پر ضد کرتے ہیں اور اگر ان کو اجرت کی مطلوبہ مقدر نہ ملے تو کام کاج چھوڑ دیتے ہیں۔ لیکن اگر اس طریق کو عمل میں لایا جائے تو ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ کیونکہ جس فریق سے ضد پیدا ہو جانے کا امکان ہے وہ فریق ہی نہ رہے گا۔

۴۔ دستکار کو کفایت شعار کی تحریک ہو گی اور اپنا کام تندہی سے کرے گا۔ یہ طریق معاونت عملاً دو صورتیں اختیار کر سکتا ہے:۔

اول۔ وہ صورت جس میں دستکار متحد ہو کر کسی خاص تجارتی شاخ میں آمدنی پیدا کرنے کی غرض سے کام کریں۔

دوم۔ وہ صورت جس میں دستکار اپنی حاصل کردہ دولت باحسن وجود صرف کر سکیں۔ مثلاً چند دستکار مل کر کھانے پینے کی چیزوں کی ایک دکان کھولیں اور آپس میں یہ عہد کر لیں کہ وہ اپنی ضرورت کی چیزیں معمولی منافع پر اسی دکان سے خرید کیا کریں گے۔ اس طریق سے ایک تو یہ فائدہ ہوگا کہ کہ ضرورت کی چیزیں کسی قدر سستی مل جایا کریں گی اور علاوہ اس کے مصارف دکان وغیرہ نکال کر جو سال بھر کے بعد منافع ہوگا، وہ سب دستکاروں پر ہر ایک کے حصے کے مطابق تقسیم ہو جایا کرے گا۔ مقدم الذکر صورت میں کچھ بہت بڑی کامیابی کی امید نہیں ہو سکتی، کیونکہ دستکار متحد ہو کر وہ تجارتی قابلیت نہیں دکھاتے، جو کارخانہ داروں میں بالخصوص پائی جاتی ہے۔ اُن میں سے اکثر صرف کل کی طرح کام کرنا جانتے ہیں اور اس تجارتی مذاق سے قطعاً معرا ہوتے ہیں، جس کے ذریعے سے کارخانہ دار تجارت کے جذر و مد کو ایک نگاہ سے معلوم کر لیتے ہیں، البتہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

مؤخرالذکر میں کامیابی کی امید ہوسکتی ہے۔خصوصاً ہندوستان میں جہاں اس قسم کے اتحاد کی سخت ضرورت ہے۔

سوم ۔اس مختصر سی گریز کے بعد جاننا چاہیے کہ پیدائش دولت کا تیسرا مانع بعض قدرتی حوادث سے دولت کا برباد ہو جانا ہے۔مثلاً آندھی کے طوفان سے جہازوں کی تباہی، آتش زدگی اور ریلی کے دیگر حادثات وغیرہ

اس باب کے ضمن میں ایک اور ضروری مسئلے کی تحقیق بھی لازم ہے۔تم جانتے ہو کہ مختلف ممالک میں پیداوار دولت کی مقدار مختلف ہوتی ہے بلکہ اگر ایک ہی ملک کی تاریخ پر نظر ڈالو تو معلوم ہوگا کہ مختلف زمانوں میں اس ملک کی پیداوار دولت کی مقدار مختلف رہی ہے۔بسا اوقات دو ملک تہذیب و تمدن کے ایک ہی درجے پر ہوتے ہیں اور ان کے دیگر حالات بھی قریباً قریباً یکساں ہوتے ہیں۔تاہم مذکورہ بالا اختلاف اس صورت میں بھی موجود ہوتا ہے۔اس واقعہ پر غور کرنے سے دو ضروری سوال پیدا ہوتے ہیں۔

۱۔وہ کون سے اسباب ہیں جن سے یہ اختلاف پیدا ہوتا ہے؟

۲۔یہ اسباب کون سے اقتصادی قوانین کے تابع ہو کر عمل کرتے ہیں؟

پیدائش دولت ایک پیچیدہ عمل ہے جس کے بالعموم تین مدارج ہو سکتے ہیں:۔

الف۔وہ محنت جو کسی مادی شے پر قبضہ حاصل کرنے میں عارض ہوتی ہے۔مثلاً جنگل سے درختوں کا کاٹنا۔

ب۔وہ محنت جو اُس قدرتی شے میں ایسے تغیرات پیدا کرنے پر صرف ہوتی ہے جو اس کو انسانی استعمال کے قابل کر دیتے ہیں۔مثلاً لکڑی کی چوکیاں تیار کرنا۔

ج۔وہ محنت جو مصنوعات کو ایک مقام سے دوسرے مقام پر لے جانے میں صرف ہوتی ہے۔

صاف ظاہر ہے کہ جس ملک میں محنت نسبتاً زیادہ مساعد حالات میں صرف کی جائے گی یا جہاں محنتیوں کی تعداد یا ان کی محنت کی کارکردگی زیادہ ہوگی وہاں پیدائش دولت کا عمل نہایت نتیجہ خیز ہوگا۔مختلف ممالک کا مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ

ا۔۔۔بعض ممالک میں محنت کے واسطے حالات نسبتاً زیادہ مساعد ہوتے ہیں۔مثلاً کہیں قدرت نے اپنی فیاضی سے کوئلے کی وسیع کانیں رکھ دی ہیں اور کہیں مفید دھاتوں کے بیش بہا خزانے زمین کے اندر پوشیدہ کر دیئے ہیں۔علیٰ ہذا القیاس بعض ممالک میں کئی اشیا قدرتی طور پر

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

پیدا ہوتی ہیں۔ حالانکہ دیگر ممالک انہی اشیا کو محنت شاقہ سے حاصل کرتے ہیں۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس قسم کے فوائد ہمیشہ یکساں نہیں رہتے۔ مغلوں کے زمانے میں دریاؤں کا ایک فائدہ اور فائدوں کے علاوہ یہ بھی تھا کہ مختلف شہروں اور قصبوں میں تجارتی اور دیگر تعلقات کا سلسلہ انہی کی وساطت سے جاری تھا۔ ہمارے زمانے میں یہ سب کام ریل گاڑی کی وساطت سے سرانجام پاتے ہیں۔ مزید برآں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ قدرت کے مخصر خزائن سے ہم صرف اسی صورت میں مستفید ہو سکتے ہیں، جب کہ ہم کو ان کا علم ہو۔ تہذیب وتمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ اشیا مادیہ کے مخفی خواص اور زمین کے پوشیدہ اسرار روز بروز زیادہ معلوم ہوتے جاتے ہیں اور انسان اُن سے مستفید ہو کر بے انتہا فائدہ اٹھاتا جاتا ہے۔ جن قوموں کو یہ علم نہیں، ضرور ہے کہ وہ پیدائش دولت میں اُن اقوام سے پیچھے ہوں جن کو ان اسرار کا علم ہے۔ معدنیات کو ہی لو۔ جس ملک کے لوگوں کو یہ معلوم ہی نہیں کہ معدنیات کس طرح دریافت ہوا کرتی ہیں ان کو کچھ فائدہ نہیں پہنچ سکتا، خواہ ان کے ملک کی زمین قیمتی دھاتوں کے خزانوں سے معمور ہو۔

۲۔ بعض ممالک میں دستکاروں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے جو پیدائش دولت پر ایک نمایاں اثر ڈالتی ہے۔ ہمارے ہندوستان میں دستکاروں کی تعداد کثیر ہے۔ صرف سرمائے کی کسر ہے ورنہ پیدائش دولت میں ہم اور قوموں سے اس قدر پیچھے نہ ہوتے۔ کمیت کے علاوہ مختلف ممالک کے دستکاروں کی عادات جبلی طور پر قوانین صحت کے خلاف ہوتی ہیں۔ کہیں پانی اور صاف ہوا دستیاب نہیں ہو سکتی۔ کہیں اور اس قسم کے طبعی اسباب ہوتے ہیں جن سے دستکاری کی کیفیت پر اثر پڑتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس جسمانی قوت کے اختلاف کے علاوہ مختلف مقامات کے دستکاروں کی ہنر مندی، سمجھ اور دور اندیشی میں بھی فرق ہوتا ہے۔ بعض اقوام قدرتاً دیگر اقوام کی نسبت زیادہ ذکی اور چُست ہوتی ہیں۔ بعض قدرتاً سُست اور آرام طلب۔ اس قسم کے نقائص کا دور کرنا ملک کے مصلحوں اور معلموں کا فرض ہے۔

۳۔ محنت کے محرکات میں بھی بالعموم اختلاف ہوتا ہے۔ فطرتاً ہر انسان دولت کا خواہشمند ہے اور یہ فطری خواہش محنت کا سب سے بڑا محرک ہے۔ لیکن بعض اوقات دیگر محرکات زیادہ زبردست ثابت ہوتے ہیں اور دولت کی خواہش کو انسان کی زندگی پر پورا پورا اثر کرنے سے روکتے ہیں۔ بعض مذاہب میں دولت کی تحقیر ایک مسلم اصول ہے، جو ضرور ہے کہ ان مذاہب کے مخلص پیروؤں پر اپنا اثر کرے۔ بالعموم مشرقی اقوام کے لوگ تقدیر کے اس قدر قائل ہیں کہ کل کی فکر کرنا جانتے ہی نہیں اور توکل کے بھروسے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے ہیں۔ یہاں یہ اعتراض ہو سکتا

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ہے کہ دولت کی خواہش ایک خاص حد تک ہی محرک محنت ہوسکتی ہے۔ کیونکہ محنت سے اصل مدعا یہی ہوتا ہے کہ تمام ضروریات پوری ہو جائیں۔ جب تمام ضروریات پوری ہوگئیں تو پھر یہ محرک اپنا عمل نہیں کرسکتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب انسان کی ضروری حاجات پوری ہو جاتی ہیں، تو قدرتاً جدید ضروریات پیدا ہو جاتی ہیں۔ مثلاً مکان کو آراستہ کرنے اور دیگر آسائش کے سامان کی خواہش۔ علم وادب اور دیگر علمی مشاغل سے لذت اٹھانے کی خواہش بھی اسی ضمن میں شامل ہے۔ یہ محرکات ثانی ہیں جو مختلف اقوام کی حالت میں اور تہذیب وتمدن کے مختلف مدارج میں مختلف طور پر اپنا اثر کرتے ہیں۔ اسی طرح ذاتی ضروریات کے پورا ہونے پر قدرتاً ہر انسان کو اولاد کے لیے کچھ نہ کچھ پیچھے چھوڑ جانے کا بھی خیال پیدا ہوتا ہے جو محنت کا ایک مزید محرک ہے۔

۴۔ مختلف ممالک کے دستکاروں کے اخلاقی حالات مختلف ہوتے ہیں۔ دستکار کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ دیانت دار ہو۔ کام چور نہ ہو اور اپنی طبیعت کے غیر نافع جذبات پر قدرت رکھتا ہو۔ جس قدر عاقبت اندیشی اور دیانت داری اس میں ہوگی۔۔۔۔ جس قدر اپنے مقررہ فرض کی انجام دہی کا خیال اس میں ہوگا۔ اس قدر اس کی محنت قومی دولت کو زیادہ کرے گی۔ سُست اور آرام طلب دستکار اپنے ملک اور قوم کے لیے ایک مضرت رساں وجود ہے۔ کیونکہ اس کا وجود قوم کی دولت کو دن بدن گھٹاتا ہے۔ تعلیم وتربیت کا سب سے ضروری فرض یہی ہے کہ عوام میں دیانت داری چستی، عاقبت اندیشی اور دیگر ضروری اوصاف پیدا ہوں اور ان کے دلوں پر یہ بات نقش ہو جائے کہ تمام قوم کا فائدہ بحیثیت مجموعی اور کسی خاص فرد قوم کا فائدہ متغائر چیزیں نہیں ہیں بلکہ ایک دوسرے سے وابستہ ہیں اور جو دستکار اپنے حیوانی جذبات کی پیروی کر کے اپنے جسمانی اور روحانی قویٰ کو نقصان پہنچاتا ہے، وہ نہ صرف اپنی ذات پر بلکہ اپنے ملک اور قوم پر بھی ظلم کرتا ہے۔

۵۔ مختلف ممالک میں دستکاروں کی محنت کی کارکردگی مختلف ہوتی ہے اور اکثر ممالک میں اس کارکردگی کو زیادہ کرنے اور سرمائے کے زیادہ دور اندیشی سے استعمال کئے جانے کے وسائل اختیار کئے گئے ہیں۔ کہیں طریق اشتراک مروج ہے کہیں طریق معاونت (جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے) سے کام لیا جاتا ہے اور کہیں دیگر اقسام کے تجارتی اتحاد پر عمل کیا جاتا ہے۔ ہمارے ہندوستان میں بھی طریق اشتراک یعنی مشترک سرمائے سے کام کرنا اب مروج ہوتا جاتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ طریق ان ممالک کے لیے نہایت مفید ہے جہاں مجموعی طور پر سرمائے کی مقدار کم ہو۔ اگر کوئی شخص سو روپیہ سرمائے کے ساتھ کوئی تجارت شروع کرے تو اس کو کچھ منافع

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کی توقع نہ ہوگی۔لیکن سو سو روپیہ سرمائے والے ہیں آدمی مل کر کام شروع کریں تو بہت زیادہ منافع کی امید ہوگی۔ یہ اسباب اختلاف مختلف ممالک میں حقیقتاً موجود تو ہیں لیکن ان کا اثر دیگر اسباب کی عمل سے زائل ہورہا ہے۔

ہم نے اپنے پہلے سوال کا جواب دے دیا ہے۔اب ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ مندرجہ بالا اسباب اختلاف کون سے اقتصادی قوانین کے تابع ہوکر عمل کرتے ہیں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ ان اسباب میں سے بعض مثلاً سبب نمبر ا کا عمل کسی قانون کلیہ کے تابع نہیں ہے تاہم بعض کا عمل قوانین کے تابع ہے۔مثلاً دستکاروں کی تعداد اور اُس کے متعلقہ اسباب کا عمل قانون کلیہ آبادی کی تحت میں ہے اور علیٰ ہذا القیاس محنت کی کارکردگی وغیرہ کا عمل قانون سرمایہ کے احاطہ اثر میں داخل ہے۔ماہرین علم الاقتصاد نے اس بارے میں تین کلیہ قوانین دریافت کئے ہیں جن کو ہم سلسلہ وار بیان کرتے ہیں۔

قانون آبادی

اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی قوم کے افراد کے زیادہ ہونے سے اس قوم کے دستکاروں کی تعداد بڑھتی ہے۔مگر اس وقت یہ امر محل بحث نہیں ہے۔ہم قانون آبادی پر اس تعلق کے لحاظ سے نگاہ ڈالنا چاہتے ہیں جو افزائش افراد اور پیداوار دولت کے درمیان ہے۔محققین کہتے ہیں کہ یہ قانون تین قضایا پر منقسم ہوسکتا ہے۔

اوّل۔یہ کہ آبادی ہمیشہ بڑھنے کا میلان رکھتی ہے اور اس کی افزائش اس امر کا خیال نہیں کرتی کہ آیا مزید آبادی کے گزارے کے لیے کافی سامان معیشت موجود ہوگا یا نہیں۔حکماء نے تخمینہ لگایا ہے کہ بڑے بڑے قحط اور وبائیں نہ آئیں تو آبادی تیس سال میں دوگنی ہوجائے گی۔

دوم۔اگر زمین کے کسی قطعہ میں آبادی اس طرح دُگنی، تگنی ہوتی جائے اور دیگر اسباب اس کی افزائش کی سدراہ نہ ہوں (مثلاً وبا، قحط، جنگ اور شادیوں کی کمی وغیرہ) تو ایک خاص میعاد کے بعد قطعہ مذکور کی پیداوار وہاں کے آدمیوں کے لیے مشکل سے کافی ہوگی اور بالآخر مطلق کفایت نہ کرے گی یا بالفاظ دیگر یوں کہو کہ آبادی کی مفروضہ افزائش کا سلسلہ جاری نہیں رہ سکے گا۔

سوم۔ ہمارا گزشتہ تجربہ جو ہم کو صنعت وحرفت کی ترقی کا مشاہدہ کرنے سے حاصل ہوا ہے، اس امر کی تصدیق نہیں کرسکتا کہ فن زراعت کی آئندہ ترقی سے ہم اپنی آبادی کی مفروضہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

افزائش کے مطابق خوراک کی زیادہ مقدار پیدا کرسکیں گے۔

قضیہ نمبر۲ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قانون تقلیل حاصل بھی جس کا ذکر ہم پہلے کر آئے ہیں قانون آبادی کے ساتھ گہرا تعلق رکھتا ہے اور ان دونوں کے اجتماع سے یہ نتیجہ قائم ہوتا ہے کہ آبادی کے ایک خاص حد بڑھ جانے کے بعد زرعی دستکاروں کی مزید آبادی سے محنت کی قابلیت پیداوار کم ہوتے جانے کا میلان رکھتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جس قدر آبادی زیادہ ہوگی اور ایک حد معین سے بڑھتی جائے گی (یہ حد معین مختلف ممالک کی صورت میں مختلف ہوسکتی ہے کیونکہ مختلف اقوام وممالک میں صنعت وحرفت وفن زراعت اور دیگر ایجادات کی ترقی کے مدارج مختلف ہیں۔ مثلاً ممکن ہے کہ ایک چھوٹا سا ملک اپنے ایجادات زرعی کے بل پر ۲۰ کروڑ آبادی کا متحمل ہو سکے اور ایک ملک جو اس سے وسعت میں بہت زیادہ ہو لیکن ایجادات میں کم ہو اُس سے آدھی آبادی کا بھی متحمل نہ ہو سکے) اسی قدر زمین مزروعہ کی کاشت نقطۂ تقلیل تک جلد پہنچے گی جس کا نتیجہ جو کچھ پیداوار دولت پر ہوگا ظاہر ہے۔

محنت کی کارکردگی

محنت کی کارکردگی کے اختلافات اور ان کے اثر کے متعلق کوئی کلیہ قانون وضع نہیں ہوسکتا کیونکہ دستکاروں کے طبعی، عقلی اور اخلاقی اوصاف کے فرق بیان کرنے اور ان کے محرکات محنت کی تشریح کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم کو تہذیب وتمدن کے خفی در خفی اسباب کا پورا پورا علم ہو، جو موجودہ صورت میں ناممکن ہے۔ لہٰذا ہم یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ مختلف ممالک کے درمیان مختلف افراد کے ذاتی سرمائے کی افزائش جس پر پیداوار دولت کا ایک حد تک انحصار ہے کس قانون کے تحت میں ہے۔ یا بالفاظ دیگر یوں کہو کہ قانون افزائش سرمایہ شخصی کیا ہے؟ اس امر کے متعلق محقق مل ایک قانون وضع کرتا ہے کہ سرمایہ جمع کرنے کی خواہش شرح سود کے ساتھ نسبت مستقیم رکھتی ہے۔ جس ملک میں شرح سود زیادہ ہوگی وہاں کے لوگوں کو روپیہ جمع کرنے کی تحریک زیادہ ہوگی اور جہاں شرح سود کم ہوگی وہاں جمع کی تحریک مطلق نہ ہوگی یا نہایت کم ہوگی۔ مگر یاد رکھنا چاہیے کہ مل کا یہ قانون کامل طور پر صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ جمع کرنے کی تحریک صرف شرح سود کی مقدار سے ہی نہیں ہوتی، بلکہ اس کے اور بھی کئی ایک اسباب ہیں۔ بلکہ بعض دفعہ تو ایسا ہوتا ہے کہ شرح سود کے کم ہو جانے سے جمع کرنے کی تحریک زیادہ ہو جاتی ہے۔ کیونکہ شرح مذکور کی کمی کی صورت میں ضروری ہے کہ زیادہ رقم بطور سود لینے کی غرض سے زیادہ سرمایہ دیا جائے جس کا پہلے جمع

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ہونا لازم ہے۔

۳۔ قانون سرمایہ شخصی تو کسی قدر وضاحت سے بیان ہوسکتا ہے لیکن قانون سرمایہ قومی (سرمایہ قومی سے مراد پیدائش دولت کے وہ وسائل ہیں جو کسی قوم کی گزشتہ محنت سے پیدا ہوت ہیں۔ مثلاً پرانے تعمیر شدہ مکانات، سڑکیں وغیرہ) کا وضاحت کے ساتھ بیان کرنا بہت مشکل ہے۔ کسی فرد واحد کی نسبت تو ہم کسی قدر رائے لگا سکتے ہیں کہ اس کا سرمایہ کس اصول کے مطابق کم وبیش ہوتا ہے مگر کسی قوم کے سرمائے کی نسبت بحیثیت مجموعی اس قسم کا قانون وضع کرنا نہایت دشوار ہے۔ ظاہر ہے کہ سرمایہ قومی کی زیادتی سے محنت کی مانگ یا یوں کہو کہ اجرت کی مقدار بڑھتی ہے اور اس طرح مختلف ممالک کی پیداوار دولت میں اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ لیکن یہ معلوم کرنا دشوار ہے کہ سرمایہ مذکور کا اصلی اصول کیا ہے۔ اگر کسی طرح سے کوئی اصول معلوم بھی ہو جائے تو اس سے صحیح مستخرج نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ بسا اوقات اور بالخصوص زمانہ حال میں اکثر قومیں اتنا سرمایہ خود نہیں استعمال کرتیں بلکہ دیگر اقوام کو مستعار دے دیتی ہیں۔ اگرچہ سرمائے کو اس طرح پر مستعار دے دینے سے اُن اقوام کو دنیا کی پیداوار محنت میں زیادہ حصہ ملتا ہے۔ لیکن اس سے اُن قوموں کی ذاتی محنت کی قابلیت پیداوار میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ سوائے اس کے کہ ان کی خارجی تجارت کے فوائد میں کسی قدر زیادتی ضرور ہو جاتی ہے۔ مزید برآں اکثر اوقات بعض ممالک کے ارکانِ سلطنت جنگ وغیرہ کے اغراض کے لیے قوم سے قرض لیتے ہیں، جس سے قومی سرمائے میں کمی عارض ہوتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس رفاہ عام مثلاً تعلیم وحفظان صحت وغیرہ کے کاموں پر جو محنت صرف ہوتی ہے اُس سے کسی خاص فرد کو کوئی نفع نہیں ہوتا بلکہ اُن کا فائدہ عام بلا خصوصیت ہوتا ہے۔ نیز وہ محنت جو اکثر افراد حب وطن کے خیال سے نظام سلطنت کی حفاظت اور اس کی اندرونی قوت کو برقرار رکھنے کے لیے کرتے ہیں اکثر مالی فائدہ کی آمیزش سے معرا ہوتی ہے۔ غرض کہ ان وجود سے کسی ملک کے سرمایہ قومی کی کمی بیشی کا کوئی وسیع اور کامل اصول قائم کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

دور مختص بالمکان: Place Utility

شے کی وہ قدر جو کسی ایک مقام سے (جہاں وہ پیدا ہوتی ہو) دوسرے مقام پر (جہاں اس کی ضرورت ہو) منتقل کرنے سے اس شے میں پیدا ہو جائے اسے قدر مختص بالمکان کہا جاتا ہے مثلاً پنجاب کے ضلع سیالکوٹ میں چاول بہت اچھے اور بہت وافر ہوتے ہیں لیکن بہاولپور کے نواح میں چاول کاشت نہیں ہوتے جب سیالکوٹ سے چاول وہاں بھیجے جائیں گے تو لامحالہ ان کی قدر سیالکوٹ کی نسبت بہت بڑھ جائے گی۔

دور مختص بالزمان: Time Utility

شے کی وہ قدر جو کسی شے کو ایک خاص وقت میں استعمال کرنے سے اس میں پیدا ہو مثلاً سردی میں ٹھنڈے شربت کا گلاس وہ افادہ نہیں رکھتا جو شاید گرمی میں رکھتا ہے۔

"Time Utility is the Sum total of the units of utility which an individual decives from the consumple of all the units of a Commodity during a spccified of time."[1]

۱۔ قدر مختص بالیت: Farm Utality

شے کی وہ قدر جو چیز کو کسی ایک شکل سے دوسری شکل میں منتقل کرنے کی وجہ سے اضافی طور پر پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً سوتی دھاگے میں وہ قدر موجود نہیں جو اس سے تیار کیے ہوئے کپڑے میں پیدا ہو جاتی ہے۔ پٹ سن خام شکل میں اتنا افادہ نہیں رکھتی لیکن اس کے مصنوعات کی تیاری کے بعد وہی پٹ سن زیادہ افادہ کی حامل ہو جاتی ہے۔

۲۔ زمین: Land

عاملین پیدائش میں سے پہلا اور اہم ترین عامل پیدائش۔ کیونکہ ہر منصوبے کی بنیاد 'زمین' ہی پر رکھی جاتی ہے۔ زمین سے مراد صرف سطح زمین ہی نہیں بلکہ اس میں تمام قدرتی ذرائع شامل ہیں مثلاً پہاڑ، دریا، ساحل، نخل وقوع، آب و ہوا اور روشنی وغیرہ۔ جو شے بھی انسان پیدا کرتا ہے یا ہمارے استعمال میں آتی ہے ان کے بنانے میں زمین کا حصہ ضرور ہوتا ہے اسی لیے پیداوار اشیا کے عمل میں زمین کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

"Land means the materials and the forces which neture gives freely for man's aid in land and water, in aic and light and heat."[2]

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

زمین کی خصوصیات باقی تمام عاملین پیدائش سے مختلف ہیں مثلاً

Land is nature gift
Land is fixed in quantity
Land is Permanent
Land locks mobility
Land Provides infinite rariation of situation

۳۔ سرمایہ:

سرمایہ پیدائش دولت کا تیسرا عامل ہے۔اس سے مراد وہ دولت ہے جو مزید آمدنی پیدا کرنے کی غرض سے استعمال ہوتی ہو مثلاً مشین، ٹریکٹر، کرائے پر دیا ہوا مکان اور کارخانہ وغیرہ۔۔۔مشہور ماہر معاشیات ایل ایم فریزر کے الفاظ ہیں:۔

"Capital is a factor of Production. It is an agency distmguishable from other agencies in the process where by weath is Created and as such it has a value and is capable of yielding an income to its owners or Users."[4]

ایک ہندوستانی مصنف کے این پرشاد ''سرمائے'' کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"Capital is a factor of production. It is a part of wealth combiner income and capital. Capital is income discounted by the rate of interest. It is wealth which yietds an income. It is wealth, saved and applied to fiture production and anvestment."[5]

۴۔ محنت:Labour

معاشیات کی اصطلاح میں محنت سے مراد انسان کی وہ دماغی اور جسمانی کاوش ہے جس کے معاوضہ میں اسے زر یعنی روپیہ ملتا ہے۔محض تفریح طبع کے طور پر کیا گیا کام یا معاوضہ کا م علم الاقتصاد کی رو سے 'محنت' شمار نہ ہوگا۔خواہ اسے کتنی ہی جانفشانی سے انجام دیا جائے۔

"Labour is the collective name given to the productive services embodied in human physical efforts, skill, intellecttual powers ets."[6]

"Labour reffers to all human attribites, physical and mental, that are used up in production. It denotes any kind of physical and mental efforts exected in production, supplied by human beings, contribited to the creation of wealth, commanding an axchange value."[7]

عمل پیدائش دولت میں زمین کی طرح محنت بھی بہت زیادہ اہمیت کا حامل عامل پیدائش ہے۔ قدرتی ذرائع سے فائدہ اٹھانے کے لیے باشندوں کا محنتی اور جفاکش ہونا بہت ضروری ہے اس کے بغیر کوء

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ملک معاشی خوشحالی کی منزل پر نہیں پہنچ سکتا۔۔۔پسماندہ ممالک میں محنت کی کیفیت ترقی یافتہ ممالک سے مختلف ہوتی ہے اور اجرت میں بھی نمایاں فرق ہوتا ہے۔

"Labour is a key factor of Prodaction in low income countries, the capital is the scarcest input, but the labour is plentyful. We can say that developing countries are capital poor and labour rich."[8]

کسی ملک میں محنت کی سپلائی کا تعین کرنے میں دو عوامل کا ہاتھ ہے۔

Supply of labour:

"The labour foree is deternined by the total population and the porticipation rate. Both determinants being subjact to complex socid and institutional factors as well as economics ones."[9]

قابلیت پیداوار: Productivity

قابلیت پیداوار Productivity سے مراد Productive Capacity یعنی عاملین پیدائش کی پیداواری صلاحیت ہے۔زیادہ ذرخیز زمین کی قابلیت پیداوار ایک عام زمین سے زیادہ ہوگی اس طرح اگر ایک منتظم زیادہ باصلاحیت ہے وہ عاملین پیدائش کے بہترین اشتراک واستعمال کی صلاحیت رکھتا ہے تو لازماً اس کی Productivity بہت زیادہ ہوگی۔اس طرح بہتر اور ٹیکنیکل لیبر زیادہ پیداواری صلاحیت کی حامل ہوگی۔ Productivity کو 'out put por emloyee' بھی کہا جاسکتا ہے کیونکہ۔

"A better edvcated and skilled workforce helps to incrcase productivity."[10]

لیکن یہ بات بھی قابل غور ہے کہ عاملین کے بہترین اشتراک کے باوجود پیداواری قابلیت ایک خاص حد تک ہی بڑھتی ہے اس کے بعد اگر محنت اور سرمایہ کی زیادہ اکائیاں بھی استعمال کی جائیں تو پیداواری صلاحیت میں قابل ذکر اضافہ نہیں ہوتا۔

۶۔مختلف مقامات میں انسانی محنت کا معاوضہ بھی مختلف ہے:

چونکہ زمین کی مختلف قسموں کی قابلیت پیداوار مختلف ہے اس لیے مختلف مقامات میں انسانی محنت کا معاوضہ بھی مختلف ہے۔

"Land Provides infinite rariation of dogrees of fertility and situetuetion, so that no two live prices of land are exactly alike. This puctiarity explains the concept of margin of cultivation."[12]

اس حقیقت کے پیش نظر جب زمین کی پیداواری صلاحیت کم ہوتی ہے تو اس پر کام کرنے والے مزدور کی اجرت بھی کم ہو جاتی ہے۔اگر پیداواری صلاحیت زیادہ ہو تو زیادہ آمدنی حاصل ہوگی اور اجرت

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

بھی زیادہ ہوگی۔ دوسرے پہلو سے دیکھا جائے تو زمین کی مختلف پیداواری صلاحیت میں اس کی آب و ہوا اور ماحول بہت اثر انداز ہوتے ہیں۔ ٹھنڈی آب و ہوا والے ممالک میں لیبر زیادہ مستعد ہوتی ہے اس لیے اس کا معاوضہ بھی زیادہ ہوتا ہے۔ شدید آب و ہوا والی زمین پر کام کانے والے مزدور کم محنتی اور جلد تھک جانے والے ہوتے ہیں اس لیے ان کی محنت کا معاوضہ بھی کم ہوتا ہے۔

"A cool bracing climate is conducive to read wark where as the tropical climate is enerating."[13]

قانون تقلیل حاصل:(Law of diminashing returns)

اگر زمین کاشت کرتے وقت ہم محنت اور سرمایہ کی اکائیاں کسی خاص نسبت سے زیادہ کرتے چلے جائیں تو پیداوار میں اضافہ اس نسبت سے کم ہوگا بشرطیکہ فن ذراعت کے حالات میں کوئی تبدیلی نہ ہو۔[۱۴]

زمین زرخیزی گھٹنے پر پہلی مرتبہ ڈاکٹر فیل کرنے ۱۸۹۱ میں بحث کی۔ انھوں نے ہندوستانی زراعت پر پہلی رپورٹ لکھی اور کہا کہ اجناس کی برامد کا زمین کی زرخیزی پر اثر پڑے گا۔ مگر ہندوستانی زراعتی کمیشن کے صدر وائسرائے لینتھ یگو نے ۱۹۲۸ میں کہا کہ زمین کی زرخیزی جتنی گھٹتی تھی مدت ہوئی گھٹ چکی اگر کھیتی باڑی کے طریقے نہ بدلیں تو آیندہ زرخیزی گھٹنے کا ڈر نہیں قدرت خود کمی پوری کرتی رہتی ہے۔ نئی زمین میں بیج بونہ تو پہلے پیداوار اچھی ہوگی پھر آہستہ آہستہ گھٹے گی اور گھٹ کر ایک دو پر قائم ہوجائے گی۔[۱۵]

"It shows what happens of successive units of a 'variable' facter on added to a given quanlity of a fixen fictor--- it will in the end lead to a decline in the additional output---"[16]

نقطۂ تقلیل:

معاشیات کی اصلاح میں 'قانون تقلیل حاصل' اس صورتحال کا نام ہے ''جب زمین کاشت کرتے وقت ہم محنت اور سرمایہ کی اکائیاں کسی خاص نسبت سے زیادہ کرتے چلے جائیں تو پیداوار میں اضافہ اس نسبت سے کم ہو بشرطیکہ فن زراعت کے حالات میں کوئی تبدیل نہ ہو''۔ وہ خاص نقطہ جس پر پہنچ کر محنت اور سرمایہ کی زائد اکائیاں لگانے کے باوجود زمین کی پیداوار بڑھنے کی بجائے گھٹنا شروع کردے اسے نقطۂ تقلیل کہا جائے گا۔ ''نقطۂ تقلیل وہ نقطۂ پیداوار ہے جہاں عاملین پیدائش کا بہترین اشتراک عمل میں آچکا ہو۔''

"Optimum point is "The name given to the situation in which increase in the oue of a product is less than proportionalt the

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

increase in the use of some of its factor prodiction."[17]

نقطۂ تقلیل کے موضوع پر بحث کرتے ہوئے پروفیسر برج نارائن لکھتے ہیں۔''محنت اور سرمایہ کو دگنا کرنے سے زراعتی پیداوار فی ایکٹر دگنی نہیں ہوتی یا لاگت فی من بڑھتی جاتی ہے۔اگر محنت اور سرمایہ کو بڑھانے سے کھیتوں کی پیداوار اسی نسبت سے بڑھتی جائے تو ایک جھوٹے سے باغ میں یا جھوٹی سی تحصیل یا ضلع میں ہندوستان کے لیے ہی نہیں دنیا کے بھر کے لیے کنگ (گندم) کیوں نہ پیدا کی جائے؟''[18]

حضرت لوط علیہ السلام:

ناران کے فرزند، تارخ کے پوتے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے اور ندا کے پیغمبر۔اہل موتفکہ کی طرف مبعوث کیے گئے چونکہ ماران تارخ کی زندگی میں فوت ہو گیا تھا اس لیے حضرت لوطؑ پہلے دادا کی نگرانی میں رہے۔پھر حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ کنعان گئے۔مصر کے سفر میں بھی ساتھ تھے۔وہاں سے ہوتے تو حضرت ابراہیمؑ سے الگ ہو کر سدوم میں جا بسے جو زرخیز اور سرسبز وادی میں واقع تھا۔ایک مرتبہ شاہ جیلام کدرلاعمر کے ہاتھ قید بھی ہوئے اور حضرت ابراہیمؑ نے رہائی دلائی۔[19]

قصبات سلام اور عمورہ کے لوگ جب فعل بد سے باز نہ آئے تو خدا نے ان کو تباہ و برباد کر دیا لیکن اپنی رحمت سے حضرت لوطؑ اور ان کی دو صاحبزادیوں کو بچا لیا جبکہ ان کی بیوی نمک کا کھمبا بن گئی۔سدوم و عمورہ کی تباہ کے بعد حضرت لوطؑ صغر نام شہر میں چلے گئے لیکن وہاں بھی بدی کی افزائش ہوئی تو وہ شہر بھی آگ میں بہم ہو گیا اور حضرت لوطؑ اپنی بیٹی کے ساتھ ایک غار میں رہنے لگے۔[20]''

حضرت لوطؑ کا ذکر قرآن مجید میں تیس مقامات پر سورہ اعراف، ہود، نمل اور الحمر میں آیا ہے۔ ان کے دو بیٹے تھے۔ایک عمون اور دوسرا موالی۔دونوں کی نسل میں بڑی برکت ہوئی۔[21]

حضرت ابراہیم علیہ السلام

پیدائش ۲۱۰۰ ق م

ابوالانبیاء، دنیا کے تین بڑے مذاہب، یہودیت، عیسائیت اور اسلام کے پیشوا اور تینوں مذاہب کے پیغمبروں حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کے جد اعلیٰ۔قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کم و بیش پینسٹھ مقامات پر آیا ہے اور ایک سورت آپ ہی کے نام پر ہے۔[23]

قدیم کلمدانی سلطنت کے بڑے شہر اور (اعراق زیرین) میں دو ہزار ایک سو سال قبل مسیح پیدا ہوئے اور بائیبل کے بیان کے مطابق ۱۷۵ سال عمر پا کر انتقال کیا۔جبرون فلسطین میں دفن کیے گئے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

آپ ہی کی نسبت سے اس شہر کا نام ''الخلیل'' رکھا گیا۔ بڑے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو حجاز میں اور چھوٹے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کو فلسطین میں بسایا۔ حج کا قدیم و اسلامی تہوار حضرت اسماعیلؑ کے مسکن مکہ مکرمہ میں برابر منایا جاتا ہے۔ انہی نے خدا کے سچے پرستاروں اور اپنے حقیقی پیروؤں کے لیے ''مسلمین'' کا نام تجویز کیا۔ امت محمدی کو خدا نے ''ملت ابراہیم'' قرار دیا ہے۔[۲۴]

خدا نے اولاد ابراہیم کی کثرت اور قوی عظمت کا وعدہ کیا تھا۔ ''اور میں تجھے ایک بڑی قوم بناؤں گا اور برکت دوں گا اور تیرا نام سرفراز کروں گا سو تو باعث برکت ہو'' ۲۵۔۔۔قرآن پاک میں بھی بالکل انہی الفاظ میں حضرت ابراہیمؑ سے وعدہ کے الفاظ دہرائے گئے ہیں۔[۲۶]

کنارہ زراعت:

یہاں ''کنارہ زراعت'' سے مراد Margin of Cultivation ہے یعنی کسی زمین میں کاشت کی ابتدا کی جائے تو پیداوار کم ہوتی ہے۔ سرمائے اور محنت کی کچھ اکائیاں صرف کرنے سے جو پیداوار حاصل ہوتی ہے وہ اس خرچ کے برابر ہے جو اس زمین پر پیداوار حاصل کرنے کی غرض سے کیا گیا تھا یعنی کل خرچ اور حاصل شدہ کل آمدنی مساوی ہیں اور کوئی منافع حاصل نہیں ہوا۔ ایسی حالت میں کہا جائے گا کہ مذکورہ زمین کنارہ زراعت پر ہے۔ اگر اس پر مزید محنت کی جائے اور زیادہ سرمایہ خرچ کیا جائے تو اس کی پیداوار اور آمدنی بڑھ سکتی ہے اور ایک خاص مقام تک آمدنی سرمایہ اور محنت زیادہ کرنے کی بنا پر زیادہ ہوتی جائے گی۔ حتیٰ کہ نقطہ تقلیل یعنی Optimum Point تک پہنچ جائے گی اور اس کے بعد مزید سرمایہ اور محنت صرف کرنے کے باوجود آمدنی نہیں بڑھے گی۔ اور زمین ایک دوسرے 'کنارہ زراعت' پر پہنچ جائے گی۔ اقبال نے یہ اصطلاح ''کنارہ زراعت'' خود وضع کی ہے۔ ''آج کل یہ اصطلاح استعمال نہیں کی جاتی بلکہ اس کی جگہ موجودہ دور میں ''اختتام کاشت'' کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔[۲۷]

مزروعہ زمین: Cultivated Land

مزروعہ زمین سے مراد وہ زمین ہے جس پر عمل زراعت جاری ہو اور کاشت کاری کا دستور ہو۔ چراگاہ، جنگل اور سمندر جیسی قدرتی اشیاء اس مفہوم سے خارج ہیں۔ مزروعہ زمین پر فصلیں اگائی جاتی ہیں اور زمین کاشتکاری کے قابل ہوتی ہے۔۔کسی بھی ملک کی زمین ایک سی کیفیت کی حامل نہیں ہوتی۔ اس میں ایسی زمین بھی ہوتی ہے جس پر کاشتکاری ہو رہی ہوتی ہے یہ مزروعہ زمین کہلاتی ہے۔ ایسی زمین بھی ہوتی ہے جو کاشتکاری کے قابل نہیں ہوتی۔ بنجر ہوتی ہے۔ یہ زمین غیر مزروعہ کہلائے گی۔ مزروعہ زمین (Cultivated Land) صرف وہی ہوتی ہے جو فصل اگانے کے عمل میں استعمال ہو رہی ہو۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

تامین تجارت:Protection

تامین تجارت سے مراد ملکی تجارت کو تحفظ فراہم کرنا ہے۔ درآمدات پر کثیر ٹیکس لگانے اور ان کی جگہ اپنے ملک کی ساختہ اشیاء کی حوصلہ افزائی کی پالیسی کو ''حفاظت تجارت یا تامین تجارت'' کا نام دیا جاتا ہے۔ انٹرنیشنل ٹریڈ میں دو طرح کی صورتحال متوقع ہوتی ہے ا۔ آزادی تجارت۔۔۔۲۔ تامین تجارت۔۔۔آزادی تجارت سے مراد یہ ہے کہ ہر قسم کی تجارت محصول سے آزاد ہو۔ نہ درآمد پر محصول لگایا جائے اور نہ برامد پر۔[۲۸]

"To denote a policy of encouraging the lane industies by the use of boudeics or by the imposition of high customs duties on fareegn products. The object is to build op great national industries even by sacrificing utilition on the part of existing consumers."[29]

تامین تجارت کا مقصد ملکی صنعت کو ترقی کرنے کے مواقع فراہم کرنا ہے۔

"The foreign trade, it may ruin the domestic industires and cause wide spread distress among the People."[30]

اکثر ماہرین معاشیات یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ صنعتی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ زرعی پیداوار کے لیے تامین تجارت کی پالیسی ترک کردی جائے۔

"Protection ought nerer to be extended to agriculture because the protection of the agriculture indirectly benefits the farmer and an incrose in the price of raw materials or foad would injure industry."[31]

محصول:Tax

محصول یا ٹیکس سے مراد کسی حکومت کی وہ آمدنی ہے جو وہ عوامی بہبود کے امور پر خرچ کرنے کے لیے عوام ہی سے حاصل کرتی ہے اور مختلف شرح سے اس کا تعین کرتی ہے۔

"Plehn defines taxes thus: "Taxes are generat compulsory contribitions of wealth levied upon persons, natural or Corporate, to defray the expereses incured in conferring common benafits upon the residents of the state."[32]

ٹیکسوں کی کئی اقسام ہیں مثلاً بالواسطہ ٹیکس۔ بلاواسطہ ٹیکس، کارپوریشن ٹیکس، انکم ٹیکس، پراپرٹی ٹیکس، ایکسائز ڈیوٹی، کسٹم ڈیوٹی، زرعی ٹیکس (لگان) وغیرہ وغیرہ۔ کچھ ٹیکس صوبائی حکومتیں نافذ کرتی ہیں اور کچھ ٹیکس ایسے ہیں جن کے نفاذ کا حق صرف وفاقی حکومت کو ہوتا ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ٹیکس پالیسی کا مضمرات

ٹیکس عائد کرتے وقت حکومت کن امور کو مدنظر رکھے؟ پیرس کے الفاظ ہیں:

"As the limits in the Variation of expenditurs were discoveced, attention was paid to the passiblity of using taxation as a fiscal policy device, Keynes thought of progressive taxation as a means for redistributing income and thereby effecting the propensity to consume."[33]

دولت آفریں

''ہر محنت دولت آفریں نہیں ہوتی''

دولت آفریں محنت سے مراد وہ محنت ہے جو بارآور ہو یا جس کے ذریعے مزید روپیہ کمایا جا سکے بعض اوقات ایک ہی قسم کی محنت ایک وقت میں بارآور نہیں ہوتی مثلاً ایک استاد کلاس میں طلبا کو پڑھانے میں جو محنت صرف کرتا ہے وہ دولت آفریں محنت ہے گھر پر اپنے شاگردوں کو ٹیوشن پڑھانا بھی محنت دولت آفریں کی مثال ہے لیکن اگر اس انداز میں اپنے گھر پر اپنے بچوں کو پڑھاتا ہے تو یہ محنت دولت آفریں نہیں اسے ہم محنت بارآور اس لیے نہیں کہہ سکتے کہ اپنے بچوں کو پڑھانے کے نتیجہ میں اسے دولت حاصل نہ ہوگی۔

محنت بارآور:(Productive Labour)

"In Eco Labour denotes peaple in their capacity as contributing this factar class to production and labourer is a person who contributes his porsonal energies and time to the production of useful things, no matter what specific form this contribution may tage."[34]

محنت غیر بارآور:

وہ محنت جو کہ پیداواری عمل میں معاون ثابت ہو محنت بارآور ہے اس کے برعکس جس محنت کے نتیجے میں پیداواری عمل وجود میں نہ آئے اور نہ ہی اس سے آمدنی حاصل کی جا سکے وہ محنت غیر بارآور ہے۔۔۔

"House wark done by a house-wife does not come under labour, it is necither consumption nar production. It is nat a subject of propes economic study."[35]

محنت بارآور وہ ہے جو مزید دولت پیدا کرنے کے عمل میں معاون ثابت ہو اگر صرف اسباب تن

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

آسانی کی تیاری پر محنت صرف کی جائے تو چونکہ اس سے مزید دولت پیدا کرنے کا امکان نہ رہے گا اس لیے ایسی محنت غیر بارآور شمار ہوگی بشرطیکہ بدلتے زمانے کے تقاضوں کے مطابق وہ اشیاء جو کبھی اسباب تن آسانی تصور کی جاتی تھیں اب ضروریات زندگی کے زمرے میں شامل نہ ہوگئی ہوں۔ اگر ایسا ہے تو مذکورہ محنت کو محنت بارآور تصور کیا جائے گا۔

اکنامکس میں ذاتی تاثرات کی مخالفت:

''مشہور انگریزی مصنف لکھتا ہے کہ علم الاقتصاد کے اصول اور نتائج انسان کے ذاتی تاثرات کے صریح مخالف ہیں۔ ۳۶

کلاسیکی معاشین اور ایڈم سمتھ نے معاشیات کو ''دولت کا علم'' قرار دیا۔ اس میں کچھ اصلاح کرتے ہوئے الفرڈ مارشل اور اس کے ہم نوا ساتھیوں نے معاشیات کو مادی افلاح کے حصول کی کوششوں کا علم قرار دیا لیکن اس تعریف کی رو سے معاشیات کی حدود بہت محدود ہو کر رہ گئیں۔ پروفیسر ایک رابنز نے معاشیات کی نئے سرے سے تعریف کی اور کہا کہ معاشیات انسان کے اس طرز عمل کا مطالعہ کرتا ہے جو خواہشات کی کثرت اور ذرائع کی قلت کی بنا پر اختیار کیا جاتا ہے اس کے خیال میں:۔

"Econnmic is a seience which studies human behaviour as a relationship between ends and scacce means which have alternative uses."[37]

اس تعریف کے حوالے سے رابنز کا خیال یہ ہے کہ:۔

"When Economic is so defined, no charge of sordidness or preaching of Mammonosim can be levelled againt it, It cen no lenger be called a dismat science because it takes no responsibility for selecting the ends. They may be good or bed, economics is not concened, where ever the ends are many and the means are scacce, economics is directly connected."[38]

رابنز کی یہ تعریف معاشیات کو دیگر سائنسی علوم کی مانند قطعی اور یقینی قوانین کی حامل قرار دیتی ہے۔ حالانکہ یہ ممکن نہیں کیونکہ معاشیات ایک معاشرتی علم ہے اور ہر شوشل سائنس کی طرح یہ بھی انسانی زندگی سے بحث کرتا ہے اور انسانی تاثرات و جذبات کا سرچشمہ ہے وہ اپنی زندگی ناقابل تغیر اور یکسا ضابطہ کے تحت بسر نہیں کر سکتا۔ ۳۹

دستکار کی کارکردگی: (Efficiency of Labour)

کسی بھی ملک میں محنت کی پیداوار کبھی یکساں نہیں ہوتی۔ کسی ملک کے باشندے زیادہ جفاکش،

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

محنتی، ذہین اور تکنیکی مہارتوں کے حامل ہوں تو ان کی پیداوار محنت کہیں زیادہ ہوگی بہ نسبت ان لوگوں کے جو غیر تربیت یافتہ، سست اور غبی ہوں۔ یہ تمام عوامل 'محنت کی کارکردگی' کو بڑھانے یا گھٹانے کا باعث بنتے ہیں۔ محنت کی کارکردگی کی جانچ کے لیے محنتیوں کی تعداد اتنی اہم نہیں جتنا ان کی کارکردگی۔ محنتی کی کارکردگی کی جانچ کے لیے متعدد عوامل اپنا کردار ادا کرتے ہیں:۔

"The trade-off between work and labour and the distribution of labour force-occupational, eductional and spatial- are potent factors."[40]

جس ملک کے لوگ مختلف فنون میں زیادہ ماہر ہوں۔ گہری دلچسپی اور محنت سے کام کریں۔ انقسامِ محنت اور امدادِ باہمی کے اصولوں پر کاربند ہوں۔ وہ ملک زیادہ خوشحال ہوگا کیونکہ اس کی ''قوت محنت'' زیادہ ہوگی۔[41]

(Importance of officient labour)

"Officient labour is a great national asset. It is powerful instrument of economics regenration. Economics prosperity of Japan is very largly due to the patriotism and officieney of Japanese labour."[42]

(Deffintion of an efficient worker)

"An officient worker does not waste time or materials; he uses machinery with care. The reqvires much less supervision. He works more intellgently and shows grealer initiative and sense of respensibilty. There is "inereased output" at "reduced cast" which inereases the competitive strength of the industry."[42]

''انقسام محنت'' بھی کارکنوں کی کارکردگی بڑھانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔

محنت کی کارکردگی کا تعین کرنے والے بہت سے عوامل ہیں۔ مثلاً موروثی صلاحیتیں، فطری اور مالیاتی عناصر، ٹیکنیکل مہارت، صنعتی آلات و تنظیم، فیکٹری کے حالات، شرائط کار، لیبر یونین کا قیام، فوری معاوضے کا بندوبست وغیرہ وغیرہ[۱۳] مختلف مقامات پر محنت کی کارکردگی مختلف ہوتی ہے۔

"Efficieneies of labour in different part of the world or even in different parts of the same country is different."[44]

محنت کی کارکردگی کے اوپر بیان کردہ عوامل کے علاوہ ایک اور عامل بھی ہے یعنی کارکن کی حوصلہ افزائی۔

"A pat on the back of the employee by his employer may lard to productivity geins."[45]

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

انقسام محنت :(Division of labour)

ہر انسان کی فطری استعداد دوسرے سے مختلف ہوتی ہے نہ صرف جسمانی طور پر بلکہ ذہنی طور پر بھی ہر شخص دوسرے سے مختلف صلاحیتوں کا مالک ہوتا ہے ہر شخص کو اس کی صلاحیتوں کے مطابق کام تفویض کرنا پیداوار کے عمل میں بہت اہمیت کا حامل ہے۔تفویض کار کے وقت انسان کی شخصی صلاحیتوں کو مدنظر رکھ کر کام تفویض کرنے کو ہی انقسام محنت کا نام دیا جاتا ہے۔

Deffinition:

"By division of lebour is meant the specialigation of work. It refers to splitting up of a task into a number of Processes and carrying it out by a person or a group of persons who are best fitted for it."[46]

Types of division of labour "Division of labour may be simple, complex or territorial. When different groups of people specialise in different kinds of works, the division said to be "simple". When a porticular wark is split up into different processes and sub-procasses and each process is carried out by a single person or group of persons, the division of labour is said to be complex." When a certain locality specialises in the production of a particular connedity, it is said to be "territorial" division of labour."[47]

انقسام محنت کے فوائد واہمیت:

انقسام محنت کے عمل کی بنا پر بہت سے معاشی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔مثلاً پیداوار میں اضافہ، تربیت یافتہ کارکنان کی دستیابی، نئے طریق کار کی دریافت، ذرائع کے استعمال میں بحث، کم لاگت میں پیداوار کا زیادہ حصول، موزوں افراد کا مختصر طور پر پچھلے صفحات میں بھی تبصرہ ہو چکا ہے۔

انتخاب وغیرہ سب سے اہم فائدہ یہ ہے کہ دستکاروں کو ان کی اپنی صلاحیت اور دلچسپی کے مطابق کام کرنے کے مواقع میسر آتے ہیں۔

کیفیت اور کمیت:

کیفیت سے مراد ہے کوالٹی۔مثلاً یہ statement کہ ''محنتی کی غذا کی کیفیت اور کمیت اس کی کارکردگی کو متاثر کرتی ہے۔''[۴۸]

''کیفیت'' سے مراد خوراک کا qualitative aspect ہے کہ غذا میں کتنی ''غذائیت'' موجود ہے۔خوراک اعلیٰ درجے کی ہے یا ادنیٰ درجے کی۔حفظان صحت کے اصولوں پر پوری اترتی ہے یا نہیں۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اچھی غذا سے کارکنوں کی صحت اچھی رہے گی اور جان ہے جہاں تو جہاں ہے، کے مصداق وہ بہتر انداز میں کام کر کے اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کریں گے۔

''کمیت'' سے مراد خوراک کا quantitive aspect ہے۔یعنی خوراک کی کوالٹی تو بہت اچھی ہے لیکن اس کی مقدار اتنی کم ہے کہ کارکن کی بھوک بھی نہیں مٹتی تو اس کا اثر لازماً کارکن کی کارکردگی پر پڑے گا۔''پیٹ نہ پیاں روٹیاں تے سب گلاں کھوٹیاں'' کے مصداق اس کو کسی کام سے کوئی دلچسپی نہ ہوگی۔ ہونی بھی نہیں چاہیے کہ پیٹ بھر روٹی کے لیے تو انسان محنت کرتا ہے اگر وہی میسر نہ ہو تو محنت کرنے کا فائدہ؟اس لحاظ سے خوراک کی کیفیت اور کمیت 'محنت کی کارکردگی کے تعین میں بہت اہم کردار ادا کرتی ہے۔

اجرت:Wages

اجرت سے مراد وہ معاوضہ ہے جو ایک کام کرنے والا اپنی جسمانی یا ذہنی محنت کے صلہ میں حاصل کرتا ہے۔مثلاً کوئی شخص کسی کارخانے، محکمے، دفتر، ادارے یا دکان میں ملازم ہو اور اپنے مالک سے معاوضہ وصول کرے۔[۴۹]

بیہنم کے نظریے کے مطابق:۔

"Wages may be difined as a sum of money paid under contract by an employer to a worker for services rendered."[50]

اجرت کی اقسام

عام طور پر اجرت کی دو اقسام ہیں۔

۱۔ظاہری اجرت(Naminal wages)

۲۔حقیقی اجرت(Real wages)

1- "Nominal wages means the total amound of money earach by a person during a cortain period."[51]

اس کے برعکس حقیقی اجرت میں روپے کے علاوہ مراعات وسہولیات بھی شامل کی جاتی ہیں مثلاً کرایہ مکان، طبی امداد، وردی وغیرہ۔۔

2- "Real wages; reffers to the total amound of setisfaction which a worke receives in return of services."[52]

اس کے علاوہ اجرت بلحاظ وقت اور اجرت بلحاظ کام بھی اجرت کی اقسام شمار ہوتی ہیں۔

(Time wages- Price wages)

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اجرت کا تعین: (Wages Theory)

ایڈم سمتھ کے الفاظ میں:۔

"The wage of the inferior chasses of workman are evary whare necessarily regulated by two different curcumstances; the demand for labour and the ordinary or avarage price of provisions. The demand for labour according as it happend to the either increasing, shetionary or declining population regolates the substence of the labour and determines in what degree it shall be either libral, moderate or scanty."[53]

کلاسیکی ماہرین معاشیات کی نظر میں:۔

"The marginal dis-utility of labour is oqual to the real wages"[54]

ایک انڈین ماہر معاشیات لکھتا ہے کہ:۔

"The labour sells his labour at the going or prevailing or current market wage-rate to a firm."[55]

ماہرین معاشیات نے اجرت کے تعین کے سلسلے میں مختلف نظریات پیش کیے ہیں۔ کلاسیکی ماہرین معاشیات نے گزراوقات کا نظریہ اجرت پیش کیا۔

1- Substance Theory
2- wage fund Theory by J.S.Mill
3- Residenl Theory by Walker
4- Marginal Productivity Theory by Taussig
5- Suooly and Demand Theory by Keynes---"wages revolred around the offects of a reduction of wages upon demand and ourput."[56]

محنت کی پیداوار: (Product of Labour)

محنت کی پیداوار سے مراد وہ پیداوار ہے جو کسی خاص مزدور کی محنت کے نتیجے میں پیدا ہو۔ مختلف معاشی نظام مزدوروں کی کمائی ہوئی پیداوار کے بارے میں مختلف رویے رکھتے ہیں۔

سرمایہ داری نظام میں محنت کی پیداوار:

کارخانہ دار غصب کر لیتا ہے۔ مزدور کی چرائی ہوئی اجرت کارخانہ دار کا منافع کہلاتا ہے۔ (خصوصیت سے ان صورتوں میں جب مزدور کی اجرت اس کارکردگی سے بہت کم مقرر کی گئی ہو) مزدوروں کو جو اجرت ملتی ہے وہ ان کی نسل چلانے کے لیے کافی ہوتی ہے یا اس سے ان کا جان وتن کا رشتہ قائم رکھا جاسکتا ہے۔ باقی کی پیداوار سرمایہ دار ہضم کر جاتے ہیں۔ ۵۷

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

سوشلزم میں محنت کی پیداوار:

حکومت غصب کر لیتی ہے۔ مزدور کو پھر وہی رشتہ جان وتن قائم رکھنے کے لیے گزارہ الاونس ہی ملتا ہے۔ باقی حکومت چرا لے جاتی ہے یا مزدور پارٹیاں۔ بقول اقبال:

زمام کار اگر مزدور کے ہاتھوں ہو پھر کیا
طریق کوہکن میں بھی وہی حیلے ہیں پرویزی[۵۸]

حق ملکیت:

مزدور کی کوئی ملکیت ہے نہ حق ملکیت۔ عام مزدور کی قسمت میں وہی تنگ دستی آتی ہے وہ اپنی محنت کو بھی اپنی نہیں کہہ سکتا کیونکہ وہ دوسروں کے لیے کمانے پر مجبور ہوتا ہے۔ محنت وہ کرتا ہے پیداوار دوسرے لے جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ مزدور کو صرف اپنی اجرت سے غرض ہوتی ہے۔ وہ اپنی محنت کی کارکردگی کو بہتر بنانے کی کوئی کوشش نہیں کرتے۔ اگر وہ اپنی محنت کی پیداوار کے خود مالک ہوں تو وہ اپنی کارکردگی کو بڑھا کر کم خرچ میں زیادہ سے زیادہ پیداوار مہیا کرنے کی کوشش کریں گے اگر انہیں معلوم ہو کہ وہ کسی اور مالک کا نہیں بلکہ خود اپنا کام کر رہے ہیں تو وہ بہترین انداز میں کام کرتے ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ۔۔۔ ''حق ملکیت ایک اکسیر ہے جو تانبے کو سونا بنا دیتی ہے۔''[۵۹]

سکاٹ لینڈ میں قوانین متعلقہ مزارعین:

سکاٹ لینڈ میں قانون مزارعین کچھ اس ڈھب کے نافذ کیے گئے تھے کہ ان سے مزارعین کی کارکردگی بجائے بڑھنے کے کم ہو گئی۔ ہر کاشتکار عدم تحفظ کا شکار ہو کر اپنے کام سے دلچسپی کھو بیٹھا۔ ایڈم سمتھ سکارٹ لینڈ کا باشندہ تھا اس نے اپنی کتاب *Wealth of Nations* میں اس کا ذکر کرتے ہوئے اعتراف کیا ہے کہ اس طرح کے قوانین کے باعث کاشتکاری بری طرح نظر انداز ہوئی۔

> "A land Tax which is assessed upon each district according to a certain invariable canon, though it should be equal at the time of its first establishment, necessarily becomes unegual degrees of improvement or neglect in the cultivation."[60]

''قوانین مزارعین کی خصوصیات''

۱۔ ہر ضلع کا تخمینہ ایک خاص شرح سے لگایا جاتا اور ٹیکس عائد کیا جاتا۔

۲۔ ٹیکس کی یہ شرح نا قابل تبدیل ہوتی۔

۳۔ اس میں مزارعین کے زرعی آلات کا مطلق خیال نہ رکھا گیا۔ کاشتکاری اچھی ہو یا بری شرح

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ٹیکس یا لگان مقررہ حد کے مطابق ادا کرنا لازم ہوتا۔

قوت محنت:

کسی قوم کی قوت محنت سے مراد اس قوم کے دستکاروں کی تعداد کا ہنر اور ان کی ذہانت وغیرہ ہیں[۶۱]۔ کسی قوم کی قوت محنت کی کمی بیشی کا انحصار دو عناصر پر ہے۔

الف۔ محنت ☆ کی کارکردگی

ب۔ انقسام محنت

علم الاقتصاد میں اس نظریہ کو ''نظریہ تقابلی مصارف''

Theory of comparative cast اور ''اصول علاقائی تخصیص'' Principal of Regional specialistion کہتے ہیں:

نظریہ تقابلی مصارف: Theory of comparative cast

نظریہ تقابلی مصارف کو بین الاقوامی تجارت کے معاملے میں سب سے پہلے ریکارڈو نے متعارف کروایا۔ اس نے ایک ریاضیاتی مثال کے ذریعے بتایا کہ اگر پرتگال کپڑا اور شراب دونوں چیزیں انگلینڈ کی نسبت سستے داموں پیدا کر سکتا ہے تو وہ ان دونوں میں سے وہ چیز اپنے ملک میں تیار کرے گا جو نسبتاً زیادہ سستی بنا سکے اگر وہ شراب زیادہ سستی بنا سکتا ہے تو وہ اسے خود اپنے ملک میں تیار کرے گا اور کپڑا انگلینڈ سے درآمد کرے گا۔[۶۲]

جے ایس مل نے کہا کہ:۔

"Between the limits set by the comparative coste, the terms of exchange were determined by the relative strength of demand of one country for the goods of the other, provided at the position of equilibrrium imports just paid for the exports."[63]

مورگن کا خیال ہے کہ:۔

"Commodities that are sufficiently choop at home compored to prices abroad will be exported and commodities that are sufficiently expensive at home compared to forign prices will be imported."[64]

بعد ازاں اس نظریے پر دو سویڈش ماہرین معاشیات پروفیسر برگل اوہلن اور ہکسر نے تنقید کی اور کہا کہ یہ نظریہ لاگت غیر حقیقی ہے۔ پروفیسر سعید ناصر اس سلسلے میں لکھتے ہیں:۔

"It is based on the assumption of the comparative immobility of preduction between the countries which is not correct."[65]

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

انھوں نے تقابلی مصارف کے نظریے کو رد کر کے "Modern theary of geraral Equilibrium" پیش کی۔

اصول علاقائی تخصیص:(Principle of Regional Speeialisation)

جب کوئی کام کسی علاقے سے مخصوص کر دیا جائے تو اسے علاقائی تخصیص کا نام دیا جاتا ہے۔ جب کوئی خاص علاقہ کسی خاص کام میں مہارت حاصل کر لیتا ہے تو وہاں زیادہ بہتر زیادہ سستا ہوتا ہے۔ مثلاً سیالکوٹ میں آلات جراہی، کھیلوں کا سامان وغیرہ بنتا ہے۔ گکھڑ منڈی دریاں اور کھیس بنانے کے لیے مشہور ہے۔ یہی علاقائی تخصیص کی مثالیں ہیں۔ اس کو ریجنل یا Territorial ڈویژن آف لیبر کہا جاتا ہے۔

"When a certain locality specialises in the production of a particuler commodity, the division of lebour is said to be regional or territarial."[66]

اصول علاقائی تخصیص کی وجوہات:

"Among the chief that gorern localisaboin may be mentioned the following:

1- Nearness to raw materials
2- Nearness to source of pawer
3- Proximity to merket
4- Availability of labour
5- Availability of Capitel---etc"[67]

مورگن اصول علاقائی تخصیص کو بہت وسیع معنوں میں پرکھا ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

"Spccialisation is not limited to individual worker or to equipment and organization. Business enterprises them selvcers specialize--- specialization exists because can be carried, on more efficicntly by specialized agencies."[68]

تامین تجارت(protective Trade)

تنظیم محنت:

محنت کی کارکردگی صرف تعداد زیادہ ہونے پر منحصر نہیں ہے بلکہ اس کے لیے دیگر کئی اقدامات بھی ضروری ہیں مثلاً محنت کرنے والے کارکنوں کے حالات کار ذاتی صلاحتیں، فیکٹری کا ماحول اور محنت کی بہتر طور پر تقسیم وغیرہ۔ تنظیم محنت سے کیا مراد ہے؟

"An Organised effort is always more effective. It labour is properly organised both inside the factory through a prafer division of labour and

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

outside. In the form of strong trade union. Their efficiency will undoubt fully go up."[69]

مذکورہ بالا تعریف کی رو سے تنظیم محنت دو طرح سے بروئے کار لائی جا سکتی ہے۔

الف۔ انقسام محنت کے ذریعے

ب۔ ٹریڈ یونین کے ذریعے

" 'Division of labour' is associated with efficiency of production and 'Trade Union' is associated with efficiency of labour."

سرمایہ:

پیدائش دولت کا تیسرا عامل۔ اس سے مراد وہ دولت ہے جو مزید دولت پیدا کرنے کی غرض سے استعمال ہوتی ہو مثلاً مشین، ٹریکٹر، کرائے کا مکان وغیرہ۔

سرمایہ کا استعمال:

الف۔ اپنی کشتی خود استعمال کرنے سے مراد یہ ہے کہ اپنا سرمایہ کسی کاروبار میں لگائے اور ذاتی محنت سے مزید دولت حاصل کرے اس میں سرمایہ کاری اور محنت دونوں شامل ہیں۔

ب۔ اپنی کشتی کسی کو اجارے پر دے دے سے مراد یہ ہے کہ اپنا سرمایہ کسی اور کو دے دے اور اس پر جو سود ملتا ہے اس پر گزر بسر کرے خود کام نہ کرے اسے "investment" کہا جاتا ہے۔

ج۔ اپنی کشتی کسی کو اجارے پر دے اور خود مزید کشتیاں تیار کرنے میں مصروف ہو جائے، سے مراد یہ ہے کہ وہ فالتو رقم جو اس کے پاس پہلے سے موجود ہے وہ سود پر دے دے اور خود مزید دولت پیدا کرنے کے عمل میں مصروف ہو جائے اس طرح سرمائے کی گردش تیز ہو گی۔ پیداوار بڑھے گی اور مکمل مقابلے کی فضا پیدا ہو جائے گی اسی طرح یہ تجارتی چکر چلتا رہے گا اسے معاشی اصطلاح میں "Trade cycle" کا نام دیا جاتا ہے۔

سرمائے کی صورتیں:

الف۔ مزید دولت کی پیدائش کے سلسلے میں ہونے والے اخراجات از قسم کھانے پینے کا سامان، بنیادی سہولیات وغیرہ۔

ب۔ اوزار؛ ہتھیار کلیں اور دیگر مشینری۔

ج۔ خام مال، جو ہر صنعت کی بنیاد ہوتا ہے۔

سرمایہ کی آخری دو صورتیں ''سرمایہ قائم'' کہلاتی ہیں جبکہ سرمایہ کی پہلی صورت ''سرمایہ دائر''

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کہلاتی ہے۔

سرمایہ دائر اور سرمایہ قائم:(Fixed and Circulating Capetal)

مارکس نے سرمائے کہ دو جزو بنائے ہیں۔ا۔سرمایہ دائر اور۲۔سرمایہ قائم سرمایہ دائر یعنی بدلنے والے سرمائے سے کارل مارکس کی مراد وہ سرمایہ ہے جو تنخواہوں وغیرہ کی شکل میں ادا ہو کر ایک صورت سے منتقل ہو کر دوسری صورت اختیار کر لیتا ہے۔سرمایہ قائم سے مراد وہ سرمایہ ہے جو کچے مصالحے اور کلوں وغیرہ کی شکل میں برتا جاتا ہے۔قائم سرمایہ زیادہ پیداواری ہوتا ہے۔سرمایہ داری کی ترقی سے بدلنے والے سرمایہ کی اور قائم سرمایہ کی نسبت میں فرق آ جاتا ہے۔سرمایہ داری ترقی کرتی ہے تو ''قائم سرمایہ'' کی تعداد بڑھنی شروع ہو جاتی ہے۔[۷۰]

مصنف علم المعاشیات نے سرمائے کی جگہ لفظ اصل استعمال کیا ہے۔۔۔''جو'اصل'عمل پیدائش میں اوّل مرتبہ ہی اپنا کام پورا کرے وہ'اصل دائر' کہلاتا ہے۔مثلاً خام پیداوار، تیل کوئیلہ اور اجرت جو مصنوعات کے بنانے میں صرف ہو۔'اصل قائم' وہ ہے جو عمل پیدائش میں عرصہ تک اپنام کام انجام دیتا ہے وہ اصل قائم کہلاتا ہے۔مثلاً انجن، مشین اور عمارت کارخانہ جو ایک مرتبہ مہیا ہونے پر عرصہ تک مصنوعات کی پیدائش میں مدد دیتا ہے''۔[۷۱]

کے کے ڈیوٹ کے الفاظ ہیں:۔

> Fixed capital are the durable-use goods which are used in production again and again till they went out. Machinery, tools, railways, tractors, factories etc., are fixed capital. Fixed capital does not moan fixed in location. It is called 'fixed' because money spent upon durable goods becomes fixed.
> Working capital: Capital which is spent in purchasing raw materials, which is reloased as soon as the goods made with them are sold out. 'Warking capital' are the single use prodicer goods."[72]

اعتبار:

زر نقد اور اعتبار کی ماہیت ایک ہی ہے لیکن ایک باریک فرق دونوں میں موجود ہے وہ یہ کہ۔۔ ''تمام زر نقد اعتبار ہے لیکن تمام اعتبار زر نقد نہیں''۔۔اعتبار یا ساکھ سے مراد انسان کی 'good will' ہے۔کسی شخص کی اچھی شہرت بھی بعض اوقات اس کے لیے سرمائے کا کام دیتی ہے۔وہ محض اپنا اعتبار جما کر مارکیٹ میں اپنی ساکھ بنا کر بغیر رقم دیئے 'مال' حاصل کر لیتا ہے۔اس لیے اعتبار بھی ایک 'Capital good' ہے۔بقول ہکس:۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

"A capital good is one that can be used in any way to satisfy wants in subsyed period."[73]

تجارتی ہنڈیاں، چیک اوراوراق چیک 'اعتبار' ہی کی مختلف صورتیں ہیں اور زر نقد کے قائم مقام ہیں:۔

"The individual capitalist's capital usualty includes some actual goods,(houses, load, durable consumers goods etc) but for the most part it consists of paper titles, shares and bonds and sometimes his good will is also a capital for him."[74]

حقوق مجسر دہ:

حقوق مجسر دہ سے مراد وہ حقوق ہیں جو فرد واحد اکثر اوقات اپنے مفاد میں استعمال کرنے کا حق رکھتا ہے۔ مثلاً حق نالش، حق شفعہ، حق تصنیف وغیرہ۔۔۔ ان تمام حقوق کو بطور سرمایہ استعمال کر کے ان سے روپیہ کمایا جا سکتا ہے۔ جس طرح اعتبار یا ساکھ کو بطور سرمایہ استعمال کیا جاتا ہے بالکل اسی طرح حق نالش قرض کی عدم ادائیگی پر۔۔۔ حق شفعہ زمین کی خرید و فروخت پر۔۔۔ حق تصنیف کتب کی اشاعت کے موقع پر استعمال کر کے اسے بطور سرمایہ استعمال کیا جاتا ہے۔

سرمایہ دار کی کفایت شعاری:

سرمایہ دار کی بچت سرمائے کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ بچت کرنے کے لیے بہت سے ضروری اور غیر ضروری اخراجات کو پس پشت ڈالنا پڑتا ہے۔ ایک قسم کی قربانی دینا پڑتی ہے۔ اس کفایت شعاری کے محرکات جو بھی ہوں فی الحقیقت یہی محرکات افزائش سرمایہ کا سبب بنتے ہیں:۔

"New capital is only created as long as its productivity is at least sufficent to compensats those who make the 'sacrifice' involred in its creation."[75]

سرمایہ کاری کے لیے بچت کرنا یا کفایت کرنا ضروری ہے اسی چیز کو مدنظر رکھ کر پروفیسر سینئر Senior نے نظریہ اجتناب یا نظریہ انتظار کشی پیش کیا تھا'' پروفیسر سینئر کی رائے میں اشیائے سرمایہ کی رسد کا دارومدار صارفین کی اس مرضی پر ہے کہ وہ دولت صرف کرنے سے کس حد تک گریز کرتے ہیں تاکہ معاشی وسائل اشیائے سرمایہ پیدا کرنے کے لیے چھوڑ دیئے جائیں۔ یہ تکلیف دہ عمل ہے لہٰذا پس اندازی یا بچت کی ترغیب دینے کے لیے اس قربانی کا کچھ معاوضہ سود کی شکل میں دینا ضروری ہے۔[۷۶]

یہاں 'سرمایہ دار کی کفایت شعاری' سے اقبال کی مراد یہی ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

محنت اور سرمایہ کا کسی حد تک نا قابلِ انتقال ہونا:

محنت اور سرمایہ کا نا قابلِ انتقال ہونا مکمل طور پر تو نہیں البتہ کسی حد تک درست ہے۔ جب ایک دفعہ سرمائے کو کوئی خاص شکل دے دی جاتی ہے تو اس کا تبدیل کرنا آسان نہیں رہتا اور یہی حال محنت کا ہے کہ ایک دفعہ کسی پیشے سے منسلک ہو جانے کے بعد اسے چھوڑ کر دوسرے پیشے سے منسلک ہونا انسانی فطرت کے لیے بہت محال معلوم ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں سرمائے اور محنت کے نا قابلِ انتقال ہونے میں علاقائی تخصیص کار یا انقسام محنت کا بہت ہاتھ ہوتا ہے اسے ہم معاشی اصطلاح میں Localisation کا نام دیتے ہیں۔

> "Trained labour is conveniently available in localisation. More over, plant and accessoroa and row materials can also be available. Capital and labour once established in a place, do not like to mone out. It is human nature that one is prepored to put up with known difficutties ather then face unknown ones, In a new place they find even easy prablems diffienlt of solution though it is "placing all the eggs in one basket" Yet the specialized labour and capital losses mobility and may not find alternative openings."[77]

لوکل ازم یا علاقائی انقسام محنت کے علاوہ سرمایہ اور محنت کا نا قابل انتقال ہونا بین الاقوامی تجارت کی وجہ سے بھی ہوتا ہے کیونکہ ایک ملک سے دوسرے ملک میں سرمایہ و محنت آزادانہ منتقل نہیں ہو سکتے۔

> "Tight immigration restrictions have minimiazed the international mobility of labour, while the stobility of exchange rate is no longer taken for guaranted."[78]

یعنی سرمایہ اور محنت مقامی اور بین الاقوامی دونوں مصلح پر نا قابل انتقال ہیں۔

آدم سمتھ کے بقول:

> "off all sorts of luggage man is the most diffienlt to be transperted."[79]

محنت اور سرمائے کا نا عاقبت اندیشی سے استعمال:

زمین، محنت اور سرمایہ ایسے عاملین پیدائش ہیں جن کی اچھی یا بری کارکردگی اور پیداوار کا دارومدار چوتھے عامل پیدائش یعنی تنظیم یا کارخانہ دار اور مالک کے وجود پر ہے۔

اگر منتظم دور اندیش، اپنے کام میں ماہر، بروقت فیصلے کرنے والا اور تمام مسائل کو بطریق احسن

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو تو باقی عاملین پیدائش کو بہترین توازن سے استعمال کر کے بہترین نتائج حاصل کرے گا لیکن اگر منتظم ناتجربہ کار اور ناعاقبت اندیش ہو تو باقی عاملین پیدائش کی کارکردگی میں خود بخود کمی واقع ہو جاتی ہے۔ اقبال نے اس بات میں چند ایسے امور کی طرف اشارہ کیا ہے جو پیدائش دولت کے سدراہ ہیں۔ ان میں سے ایک تو محنت اور سرمائے کے کسی حد تک ناقابل انتقال ہونا ہے اور دوسرا مانع ترقی پیدائش دولت عنصر یعنی محنت اور سرمائے کا ناعاقبت اندیشی سے استعمال کیا جاتا ہے۔

"Organization means initiating, derecting, designing power. It refers to planning, organizing and controling the production process. The effectiveness of an organisation is indicated by out put as well as moral satisfaction. It is the organizing capaeity which integrates resorices into actual activities."[80]

قوت پیدائش:

تنظیم کی یہ تمام ذمہ داریاں سرمائے اور محنت کو بہترین طریقے سے استعمال کرنے سے تعلق رکھتی ہیں اگر تنظیم کامیاب اور بہترین کردار ادا کرے تو ''قوت پیدائش'' زیادہ ہوگی جبکہ عاملین پیدائش کا ناعاقبت اندیشانہ استعمال قوت پیدائش یا Power of Production کو کم کرنے کا باعث بنتا ہے۔ تنظیم کا کام یہ ہے کہ محنت و سرمایہ کا استعمال بہترین طریق پر کرے، بہترین زمین کا انتخاب کرے، انقسام محنت کے اصول پر عمل کرے اور بروقت فیصلے کر کے قوت پیدائش کو بڑھائے۔ اگر ایسا نہ ہو تو قوت پیدائش کم ہو جاتی ہے۔

منتظم (Enterpreneur):

معاشیات کی اصطلاح میں کاروبار چلانے والے کو منتظم، کارجو، ناظم، آجر یا Enterpreneur کہتے ہیں۔ منتظم کا کام عاملین کا بہترین توازن قائم کر کے بروقت فیصلے اور بہترین حکمت عملی کے ذریعے کم لاگت میں زیادہ پیداوار حاصل کرنا ہے۔

"Managment of each business should be in the hands of the most competent exectives and that these executives use the best managerial techniques- that are known effectiveness of the economics organization depends to a very considerable degree upon the efficeency with which each separate business establishment is conducted."[81]

معاشیات میں اچھے منتظم کی کیا خصوصیات ہیں؟ Hewett اور Byc اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:۔

"We must recognise that the immediate objective of managment

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

is to get greater profit for owners and employers."[82]

ایک اچھے منتظم کے لیے ضروری ہے کہ کاروبار کے بارے میں بنیادی نقاط کو مدنظر رکھ کر بزنس کے لیے بہترین لوکیشن، بہترین بلڈنگ اور سامان فراہم کرے۔ پلاننگ کرنے اور فیصلے کرنے میں مستعد ہو اور کارکنوں کو کنٹرول کرنے کے گر جانتا ہو۔ اگر منتظم میں مذکورہ خوبیاں ہوں تو اس کا کاروبار ہمیشہ مائل بہ ترقی کرتا رہے گا۔ الیاس برنی آجر یا ناظم کے بارے میں لکھتے ہیں: ''آجر سے مراد وہ لوگ ہیں جو عاملین پیدائش کو یکجا کر کے اپنی نگرانی اور ذمہ داری میں ان سے دولت پیدا کریں''[۸۳]۔ مزید لکھتے ہیں: ''آجر کو کاروبار کا کپتان کہتے ہیں اور تشبیہ از حد موزوں اور درست ہے لڑتی تو فوج ہی ہے لیکن فتح و نصرت کا دارومدار بیشتر جنرل کی عاقلانہ ترکیب اور موزوں چالوں پر ہوتا ہے۔''

پیدائش دولت کے نظام میں کارخانہ دار کا وجود:

اگرچہ تنظیم کی اہمیت پر بحث ہو چکی ہے لیکن گزشتہ صفحہ پر مذکورہ ماہرین معاشیات کے برعکس ''بعض ماہرین علم الاقتصاد کی رائے ہے کہ پیدائش دولت کے نظام میں مالک یا کارخانہ دار کا وجود ضروری نہیں۔''[۸۴]

جو ماہرین علم الاقتصاد اس نظریے کے حامی ہیں ان میں : - J. R. Hicks - Scitorsky - Meyers- Von Neumann - Shackle وغیرہ شامل ہیں:

1- J.R. Hicks- "There are only two factors of production namely, labour and capital."[85]

2- Sctovsky. T..."There are two factors of production land and capital."[86]

3- Meyers, L.H... "Capital may be resolved into 'land and labour' it is their joint product. It is an ambodiment of those two basic or primary factors.

4- Robinson.J... "From a shorta-run point of view it is more convenient to treat 'Labour' as the only factor of production-but from a lang-run point of view, 'labour and natural resources' are the only two factors of production in the economy as a whole."[87]

جے آر ہکس کے بقول:

Land is a stock,
Land ia a flow,
Capital is a fund,
'Labour' works on 'land' thrugh 'capital'
Dewey,D."Organization is resolved into 'land"[89](of a special type)

اگرچہ مندرجہ بالا تمام ماہرین معاشیات میں سے صرف ڈیوی نے ہی تنظیم کا خصوصیت سے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ذکر کر کے اسے ایک قسم کی لیبر قرار دیا ہے لیکن تمام مذکورہ ماہرین معاشیات کے بیانات یہ ظاہر کرنے کے کافی ہیں کہ ان میں سے کسی نے بھی تنظیم یا مالک یا کارخانہ دار کو عمل پیدائش کا ضروری جزو قرار نہیں دیا۔ کوئی زمین اور محنت کو عاملین پیدائش مانتا ہے کوئی محنت اور سرمائے کو کسی نے صرف محنت کو واحد عامل پیدائش مانا ہے اور کسی نے محنت کے ساتھ زمین کو شامل کر لیا ہے۔ مذکورہ تمام معاشین کی نظر میں مالک یا کارخانہ دار کا وجود قلعی غیر اہم ہے سوانہوں نے اس کو کوئی اہمیت نہیں دی۔

مشترک سرمایہ:(Cooparative socoety)

اگر ایک فرم کسی منتظم کی زیر نگرانی چل رہی ہو تو بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ دستکاروں یا کارکنوں کو منتظم سے بہت سی شکایات پیدا ہو جائیں۔ یہ تنازعات اکثر اوقات پیدائش دولت کے عمل میں سدراہ ثابت ہوتے ہیں کیونکہ مزدور ہڑتالیں کر دیتے ہیں کارخانہ دار تالہ بندی کا سہارا لیتا ہے اور پیداواری عمل بری طرح متاثر ہوتا ہے۔ اس کا علاج یہ تجویز کیا جاتا ہے کہ منتظم کی بجائے کارکن مل کر مشترکہ سرمائے کی انجمن قائم کریں اور عمل پیدائش میں حصہ لیں اس طرح کی انجمن میں بہت سے مزدور مل کر 'سرمایہ کاری' کرتے ہیں اس کو معاشی اصطلاح میں ''مشترک سرمایہ'' کہا جاتا ہے اور یہ انجمن امداد باہمی کے ذریعے کام کرتے ہیں۔

انجمن امداد باہمی کے بارے میں مورگن لکھتا ہے:

> "There are also cooperative businesses, orgenized to sarve the advantage of all their members. The movement has secured fervent support on the argument that coops can achive more efficient production and distribution of goods than private enterprise and can realize civic and ethical values mutual silf-help. The cooperative movement has been to date much successful. They did much better proportionalily in the field of form suoolies such as seed, fertilizer, feed and form machinery."[90]

۱۹۳۰ء کے بعد کوآپریٹو کاروبار میں بہت وسعت آئی۔ تجربے نے ثابت کر دیا ہے کہ مشترکہ سرمائے کی انجمن بہت کامیاب رہی ہیں۔

صنعتی جمہوریت:(industrial Democracy)یا(Syndicalism)

صنعتی جمہوریت یا Syndicalism سے مراد صنعت کا کنٹرول دستکاروں کے ہاتھ میں آنا ہے۔ وہ صورت جس میں صنعتی یا زرعی مزدور باہم اشتراک سے کسی خاص تجارتی شاخ میں آمدنی پیدا کرنے کے لیے کام کریں اسے انگلینڈ میں صنعتی جمہوریت کہا جاتا ہے اور فرانس کے مفکرین نے اسے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

Syndicalism کا نام دیا ہے۔ صنعتی جمہوریت کے بارے میں مشہور ماہر معاشیات Bye اور Hewett لکھتے ہیں:

"Socialists desire to see the control of industry actually in the lands of the working class. They insist that the managment of industry shall be democratically corried on. To the consept of political democracy which has been so popular since the Frendh revolution. The socialists add the idea of industrial democracy. Democratic control of industry world be made possible by the refrendum, the recall and other democratic devices."[91]

صنعتی جمہوریت کا طریق کار بیان کرتے ہوئے یہی دونوں ماہرین لکھتے ہیں:

"The control fo each industry world be placed in the hands of an orgenization of the workers in it, same what similer to the labour unions of the present time."[92]

مختلف زمانوں میں کسی ملک کی پیداوار دولت کا مختلف ہونا:

پیداوار دولت کا معیار جس طرح ہر ملک میں مختلف ہوتا ہے اسی طرح بدلتے زمانے کے ساتھ یہ معیار بھی بدلتے رہتے ہیں۔ ایک ملک ایک وقت میں ایسے مالی و معاشی بحران میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ اس کی پیداوار دولت ماضی کی نسبت آدھی بھی نہیں رہتی جبکہ دوسرے وقت وہ مالی لحاظ سے اتنا مضبوط ہو جاتا ہے (اس کی بہت سی وجوہات ہوسکتی ہیں) کہ اس کی آمدنی یا پیداوار دولت کا گراف ایک دم اونچا ہو جاتا ہے ملکی معیشت میں یہ اتار چڑھاؤ ناگزیر ہوتے ہیں۔

اشیائے مادیہ:

اشیائے مادیہ سے مراد ہے Material goods جن کو اردو میں ہم مادی اشیا کہیں گے۔ مثلاً معدنیات وغیرہ، زرعی زمین اور دیگر قدرتی ذرائع سب اس میں شامل ہوں گے۔

جوں جوں کسی ملک کی اشیائے مادیہ ترقی کریں گی توں توں وہ ملک معاشی لحاظ سے مضبوط ہوگا۔ معاشیات میں بنیادی اصول ترقی Abudance of goods ہے اور بدلتے زمانے کے تقاضوں کے مطابق معاشی ترقی کرنے کے لیے یہ بنیادی عنصر ہے۔

مختلف ممالک کے مزدوروں کی خلاف صحت عادات اور کارکردگی:

اگر برصغیر کو "Capital poor and labour rich" ممالک میں شمار کیا جاتا ہے لیکن یہاں دستکاروں کی نفسیات کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مزدوروں کی جبلی عادات اور عام صحت ان کی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کارکردگی پر بہت اثر ڈالتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انٹرنیشنل مارکیٹ میں برصغیر کے کارکنوں کی اجرت بہت کم ہوتی ہے جبکہ یورپی لیبر کی اجرت مقابلۃً بہت زیادہ ہوتی ہے۔ ایشیا میں بھی انڈیا اور بنگلہ دیش کی لیبر کی کارکردگی اور اجرت سب سے کم ہوتی ہے۔ کے کے ڈیوٹ لکھتا ہے:۔

"A cool bracing climate is conducive to lard work. Whereas the copical climate is enervating. The human stock is superior to that where nature is bountiful. Thos the inhabitants of cold and lemperate regions are more efficcent than those of the tropics or sub-tropice that is why Europeon labour is more efficcent than Asiatic labour."[93]

محرکات ثانی:

انسان اپنی بنیادی ضروریات کو پورا کرنے لیے محنت کرتا ہے۔ ''ضرورت ایجاد کی ماں ہے'' مشہور مقولہ اس حقیقت کا عکاس ہے۔ اگر انسان کی کوئی ضرورت نہ ہو تو وہ کبھی محنت نہ کرے۔ خود کو کسی تکلیف میں ڈالے بغیر آرام کی زندگی بسر کرے لیکن 'احتیاج' انسان کو 'عمل' پر اکساتی ہے۔

انسان کی احتیاجات تین طرح کی ہوتی ہیں۔۔ضرورت۔۔آسائشات۔۔تعیّشات۔۔ ضروریات محنت کے لیے بنیادی محرک ہے جب کہ آسائشات اور تعیّشات محرکات ثانی ہیں۔

قانون آبادی:

ملکی آبادی اور معاشی خوشحالی دونوں میں ایک نسبت معکوس پائی جاتی ہے یعنی اگر ملکی آبادی کم ہو تو ملک معاشی خوشحالی کی منزل جلدی حاصل کرے گا لیکن کثیر آبادی والے ملک کے لیے معاشی خوشحالی حاصل کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا (سوائے چند مخصوص حالات کے) بلکہ اگر ایسے حالات برقرار رہیں تو تنازع للبقاً کی سٹیج آجاتی ہے۔ جہاں صرف طاقتور زندہ رہتا ہے معاشی خوشحالی کا دارومدار اس امر پر ہے کہ وسائل خوراک میں آبادی کی افزائش سے زیادہ تیز رفتاری سے اضافہ ہو۔ مشہور محقق تو اس مالتھس نے اس سلسلے میں بڑی دلچسپ مثال دی ہے۔ آبادی اور خوراک کی پیداوار کا تقابلی جائزہ لیتے ہوئے خوراک کو کچھوے سے اور آبادی کو خرگوش سے تشبیہ دیتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"It world appear to be setting the Eortise to catch the hare Finding therefore, that form of the law of nature, we conld not proportion the food to the population. Our next attupt should naturally be the proportion the popuelation to the food. It we can persuade the hare to go to sleep, the torloise may be some chance of overtaking her."[94]

مارکس نے مالتھس کے قانون آبادی پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ۔۔''مالتھس کا قانون

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

نباتات اور حیوانات پر عائید ہوتا ہے تو ہوا انسانوں پر نہیں ہوتا''۹۵۔'' مارکس کے ساتھی اینگلز نے اس کی وجہ کھول کر بیان کی ہے کہ جانور وہ خوراک کھاتے ہیں جو قدرت نے مہیا کی ہے لیکن انسان نئی خوراک پیدا کر لیتا ہے۔ متحدہ ہندوستان کے بارے میں سیموئیل سن لکھتا ہے:۔

"It the birth rate of lndia is not reduced, its population will probably double in the next 25 or 30 years."[96]

اس بات میں آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

"India and the other less developed areas of the world do substantialy better it their birth rates and their population growth rates were reduced."[97]

میں اسی قانون آبادی کا ذکر کیا ہے جس کے بارے میں ہیگو اپنی کتاب میں یوں رقمطراز ہے:

"In the lang run an increase in the income of any class is likely to lead to no increase at all, but actuolly to a decrease, in thir birth rate and their numbers."[98]

جب تک آبادی کی شرح افزائش میں کمی نہ ہو بڑھتی ہوئی آمدنی بھی ضائع ہو جاتی ہے اور ملکی معیشت پر کوئی مثبت اثر نہیں پڑتا۔

محنت کی قابلیت پیداوار:(Productivity of labour)

"Productivity is the output of goods and services per worker."[99]

یعنی سرمائے کی ایک خاص رقم لگا کر فی مزدور پیداوار کتنی ہے جب کہ وقت کا تعین بھی کیا جا چکا ہو۔ اصل میں محنت کی پیداواری صلاحیت اور efficiency ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں۔

قانون افزائش سرمایہ شخصی:

پیدائش دولت کا ایک اہم عنصر 'سرمایہ ہے۔ جب تک سرمایہ نہ ہو کوئی بھی کاروبار کامیابی سے ہمکنار ہونا ہو تو درکنار شروع ہی نہیں کیا جا سکتا۔ سرمایہ کیا ہے؟ ہیگو کے الفاظ میں سرمایہ ایک جھیل ہے:۔

"It may be linked to a lake into which a great variety of things, which are the frvit of savings, are continually being projected."[100]

عوام اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے کماتے ہیں لیکن کچھ ایسی ترغیبات ہوتی ہیں کہ وہ بچت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سرمایہ ہر ملے والا سود ایسی ہی ایک ترغیب ہے اگر شرح سود کم ہو تو عام پور پر سرمائے کے لیے کی گئی بچت کی شرح بھی کم ہوتی ہے اور شرح سود زیادہ ہو جائے تو عوام کو زیادہ بچت کی ترغیب ملتی ہے۔ مورگن افزائش سرمایہ شخصی کے بارے میں لکھتا ہے:۔

"A rise in rate of interest encovrages saving, and so leads rapid capital farmation."[101]

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

مغربی محققین کے نزدیک ''سود'' وہ قیمت ہے جو عوام کو بچت کرنے پر اکسانے کے لیے ادا کرنی پڑتی ہے۔ اگر عوام سے روپیہ برائے سرمایہ کاری حاصل کرنا مقصود ہو تو شرح سود کا پرکشش ہونا بہت ضروری ہے۔ جے ایس مل نے بھی یہی اصول برائے افزائش سرمایہ شخصی بیان کیا ہے۔ معاشی ترقی کا دارومدار ہی افزائش سرمایہ پر ہے بقول سیموئیل سن:۔

"Capital and its growth may well be the most distaictive feature of the economics system."[102]

کارل مارکس افزائش سرمایہ کے اجرتوں پر اثر کے بارے میں کہتا ہے:۔

"It capital grows rapidly, competition ameng the workers grows incomparable more rapidly,i-c., The means of employment, the means of subsistance, of the warking class decreases proportionely so much the more, and neverthless, the rapid is the most faronable condition for wage labour."[103]

نسبت مستقیم:

نسبت مستقیم سے مراد ہے کسی چیز کا دوسری چیز کے ساتھ ایسا تعلق جس میں دونوں اشیا ایک تناسب رکھتی ہوں مثلاً اگر ایک شے کی طلب بڑھے گی تو اس کی قیمت بھی بڑھے گی۔ اگر شرح سود زیادہ ہوگی تو سرمایہ کاری کی مقدار بھی زیادہ ہوگی اگر آبادی کم ہوگی تو اخراجات بھی کم ہوں گے وغیرہ۔ یعنی دونوں اشیاء ساتھ ساتھ چلتی ہیں ایک لازم ہے تو دوسری ملزوم۔ جیسے تجربہ ہے کہ سرمایہ قومی کی زیادتی سے اجرت بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔

سرمایہ مستعار دنیا:

یہاں، 'دیگر اقوام کو سرمایہ مستعار دینے' سے مراد ہے دوسرے ملک کو قرضوں یا امداد کی شکل میں سرمایہ فراہم کرنا۔ قرض معہ سود ہوتے ہیں اور بسا اوقات سود کی رقم سال ہا سال چلتی رہتی ہے اور اصل زر سے کہیں زیادہ رقم سود کی مد میں ادا کرنے کے بعد بھی قرضہ جوں کا توں رہتا ہے۔

امداد کے معاملے میں بھی اگرچہ شرح سود کم ہوتی ہے لیکن یہ بھی قرض کی ہی قسم ہے جو کہ اکثر اوقات بہت کڑی شرائط پر حاصل کی جاتی ہے۔ فی الواقع ممالک غیر کی امداد اچھی اور نہ ہی قرض۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

حوالہ جات

(حصہ دوم)

1- Modern Economic Theory P.32

2- Principles of Economics P.138

3- Modern Economic Theory P.104

4- Economics Theory and Language P.233

5- Foundations of Modern Economics P.257

6- A History of Economics Thought P.77

7- Fondations of Modern Economics P.252

8- Economics of Pakistan P.25

9- Fondations of Modern Economics P.253

10- Guinnerss Encyclopedia P.273

۱۱۔ علم الاقتصاد ص

12- Modern Economic Theory P.104

13- A Text book of Economics P.107

14- Principles of Economics P.

۱۵۔ اقتصادی ہند، ص ۳۲، ۳۳

16- A Text book of Economics P.151

17- Economics Theary and Language P.54

۱۸۔ اقتصادی ہند

۱۹۔ اردو جامع انسائیکلو پیڈیا، ص ۱۳۳۶

۲۰۔ قدیم آبائی بزرگ اور انبیاء، ص ۱۷۰ تا ۱۷۳

۲۱۔ معلومات قرآن، ص

۲۲۔ معلومات قرآن

۲۳۔ اردو جامع انسائیکلو پیڈیا، ص ۴۲

۲۴۔ قدیم آبائی بزرگ اور انبیاء، ص ۱۱۶ پیدائش ۲:۱۲

۲۵۔ القرآن

۲۶۔ اقتصادی ہند، ۴۲

28- Modern Economic Theory P.595

29- A Text book of Economics P.437

30- The National system of Politacal Economy P.117

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

31- Modern Economic Theory P.662

32- The New Economics P.464

33- Economics Theory and language P.220

34- Foundetion of Modern Economics P.252

۳۵۔ علم الاقتصاد

36- Nature and Significance of Economics P.14

36- Modern Economic Theory P.7

۳۸۔ اصول معاشیات، ص۱۲

39- Foundation of Modern Economics P.253

۴۰۔ اصول معاشیات، ص۲۴۵

41- Modern Economic Theory P.107

42- Modern Economic Theory P.107

43- Modern Economic Theory P.107

44- Modern Economic Theory P.108

45- A Text book of Economics P.257

46- A Text book of Economics P.108

47- A Text book of Economics P.109

۴۸۔ علم الاقتصاد

۴۹۔ اصول معاشیات، ص۴۵۴

50- Modern Economic Theory P.337

51- A Text book of Economics P.265

52-

53- Wealth of Nations V.ii P.396

54- The New Economics P.551

55- Foundations of Modern Economics P.253

56- The General Theory of Employment, Interst and Money P.257

۵۷۔ اقتصادی ہند، ص۳۲

۵۸۔ کلیات اقبال

۵۹۔ علم الاقتصاد

60- Wealth of Nations P.354

۶۱۔ علم الاقتصاد

62- Principle of Political Economy and Taxation

63- Principle of Political Economy Introduction to Economics P.755-756

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

65- A Text book of Economics P.430

66- A Text book of Economics P.109

67- Modern Economic Theory P.112

68- Introduction to Economics P.25

69- Modern Economic Theory P.108

۷۰۔ اقتصادی ہند،ص۲۹

۷۱۔ علم المعیشت ،ص۱۰۸

72- Modern Economic Theory P.131-132

73- Value and Capital

74- Foundations of Modern Economics P.260

75- Value and Capital

۷۶۔ اصول معاشیات،ص۴۸۱

77- Modern Economic Theory P.113

78- The International Economy P.378

79- Wealth of Nations V.i P.323

80- Foundation of Modern Economics P.262

81- Applied Economics P.29

82- Applied Economics P.33

۸۳۔ علم المعیشت

۸۴۔ علم الاقتصاد

85- Value and Capital

86- Welfare and Cametition

87- Further Contribution fo Modern Economics

88- Foundation of Modern Economics P.266

89- Modern Capital Theory

90- Introduction to Economics

91-

92- Applied Economics P.645

93- Modern Economics Theary P.107

۹۴۔

۹۵۔ اقتصادی ہند

96- Readings of Economics P.18

97- Readings of Economics P.18

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

98- The Economics of Welfare
99- Introduction to Economics P.3
100- The Economics of Welfare P.43
101- Introduction to Economics
102- Readings of Economics P.279
103- Karl Morx Selected Works

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

حصہ سوئم

تبادلہ دولت

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

مسئلہ قدر

تجارت بین الاقوام

زر نقد کی ماہیت اور اس کی قدر

حق الضرب

زر کاغذی

اعتبار اور اُس کی ماہیت

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

باب اوّل

مسئلہ قدر

بعض مصنفین کہتے ہیں کہ تبادلہ دولت علم الاقتصاد کا کوئی خاص حصہ نہیں ہے۔ مگر یہ رائے تجارت اور تبادلے میں امتیاز نہ کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ علاوہ اس کے منطقی وضاحت اس امر کی مقتضی ہے کہ اس مضمون کو علم الاقتصاد کا ایک علیحدہ حصہ سمجھا جائے تا کہ مختلف اقتصادی مسائل آپس میں مخلوط نہ ہو جائیں۔ اس حصے کا مقصد تناسب تبادلہ یا ان شرائط پر بحث کرنا ہے جن کی رو سے اشیاء کا باہمی تبادلہ ہوتا ہے جو ایک معین قدر رکھتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب وہ چیزوں کا تبادلہ کیا جاتا ہے تو ایک شے کی ایک خاص معین مقدار دوسری شے کی ایک خاص معین مقدار کے عوض میں دی جاتی ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ مقدار معین کیوں ہوتی ہے۔ کم و بیش کیوں نہیں ہوتی؟ علم الاقتصاد کے اس حصے کا مقصد اسی سوال کا جواب دینا ہے۔

تبادلہ انقسام محنت سے پیدا ہوتا ہے۔ اگر ہر شخص اپنی اپنی ضروریات کی چیزیں پیدا کرنے میں مصروف ہوتا تو تبادلے کی ضرورت کبھی لاحق نہ ہوتی۔ لیکن جب ان کے مشاغل میں اختلاف پیدا ہوتا ہے یا یوں کہو کہ مختلف انسان یا اقوام دولت کی مختلف صورتوں کے پیدا کرنے میں مصروف ہوتی ہیں، تو تبادلے کا دستور خود بخود پیدا ہو جاتا ہے۔ مختصر طور پر یوں کہو کہ تبادلہ اتحاد کی ایک صورت ہے جو اختلاف مشاغل سے پیدا ہوتی ہے جب ایک شخص غلہ پیدا کرتا ہے، دوسرا مکی یا آلو اور تیسرا کپڑا تیار کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ ضرورت ان سب کو باہمی تبادلے پر مجبور کرے گی۔ اس وقت یہ سوال پیدا ہوگا کہ غلہ کی کسی قدر مقدار دس گز کپڑے یا دو من آلو کے عوض دی جائے گی؟ جس قدر اصول انقسام محنت کا عمل وسیع ہوتا جائے گا اسی قدر تبادلے کا دائرہ بھی وسیع ہوتا جائے گا۔ لیکن چونکہ ایسی صورت میں افراد کو اپنی اپنی ضرورت کی اشیاء کا باہمی تبادلہ کرنے میں دقت ہوگی یا کم از کم ان کے وقت کا کچھ حصہ اس تبادلے میں ضائع ہوگا، اس واسطے قدرتاً تبادلے کا کام افراد کی ایک خاص جماعت کے زیر اہتمام آتا جائے گا۔ جس کو علم الاقتصاد کی اصطلاح میں افراد

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

تبادلہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کی وساطت سے تجارت کی گاڑی چلتی ہے اور دور دراز ممالک کے باشندوں کے درمیان رابطہ اتحاد پیدا ہوتا ہے اور تبادلہ اشیاء کے ساتھ تبادلہ خیالات بھی ہوتا رہتا ہے۔

غرض ہمارا مقصد اس حصے میں یہ معلوم کرنا ہے کہ تبادلے میں اشیاء کی خاص خاص مقدار کن اصولوں کے لحاظ سے متعین ہوتی ہے۔ کیا وجہ ہے کہ ہندوستانی غلے کی ایک خاص مقدار کے عوض میں چینی چائے کی ایک خاص مقدار یا جاپانی چھاتوں کی ایک خاص تعداد دی جائے؟ یہ مقدار یا یہ تعداد کم وبیش کیوں نہ ہو؟ مختصراً اشیاء میں قوت تبادلہ کن کن شرائط سے پیدا ہوتی ہے؟ اور اس کے اسباب ووجود کیا کیا ہیں؟

قدر کی تعریف اس کتاب کے پہلے حصہ میں لکھی جا چکی ہے۔ یعنی قدر قوت تبادلہ کا نام ہے یا اس قدر وقوت کا نام ہے جو کسی شے کی وساطت سے اس شے کے قابض کو حاصل ہوتی ہے اور جس کو تبادلے میں دے کر وہ شخص بلا لحاظ جبر واکراہ یا تاثرات ذاتی اوروں کی پیداوار محنت کو حاصل کر سکتا ہے مگر سوال یہ ہے کیوں ایک شے اپنے قابض کو یہ قدرت یا قوت دیتی ہے اور دوسری نہیں دیتی؟ کیوں ایک شے کے قبضے سے اوروں کی پیداوار محنت پر ہفتوں مہینوں بلکہ سالوں تک یہ قدرت حاصل رہتی ہے اور دوسری شے کے قبضے سے یہ قدرت مطلق حاصل نہیں ہوتی یا اگر ہوتی ہے تو نہایت قلیل عرصے کے لیے؟ یہ سوال علم الاقتصاد کے نہایت ضروری سوالوں میں سے ہے۔ لہٰذا طالب علم کا فرض ہے کہ اس کے ہر پہلو پر غور کر کے اس کو اچھی طرح سے ذہن نشین کر لے۔

ظاہر ہے کہ تبادلے کے لیے کم از کم دو اشیاء کا ہونا لازم ہے۔ جب ہم کہتے ہیں کہ کسی شے کا تبادلہ ہو سکتا ہے تو ہمارا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ اس کا تبادلہ کسی اور شے کے ساتھ ہو سکتا ہے اور جب ہم یہ کہتے ہیں کہ فلاں شے کی قدر تبادلے میں اتنی ہے تو بالواسطہ یا بلاواسطہ ہم کسی اور شے یا اشیاء کی قدر کی طرف اشارہ کرتے ہیں، جن کے عوض میں شے مذکور دی جا سکتی ہے۔ عام طور پر یہ دوسری شے جس کے عوض میں کوئی شے دی جا سکے زر نقد ہے، جس کو دنیا کی مہذب اقوام نے اشیاء کی قدر کا پیمانہ قرار دیا ہے۔ پس کسی شے کی قدر سے حقیقت میں مراد اس کی قیمت سے یا زر نقد کی اس مقدار سے ہے جو اس شے کے عوض میں دی جائے۔ اس مقام پر قدر اور قیمت کا ذہن نشین کر لینا نہایت ضروری ہے۔ لہٰذا ہم اسے واضح کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ فرض کرو کہ ایک شخص کے پاس چار من غلہ ہے جس کے عوض میں اسے ۲۷ من کوئلہ مل سکتا ہے۔ اس صورت میں یہ سمجھا جائے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

گا کہ ۴ من غلے کی قدر ۲۷ من کوئلے کی قدر کے برابر ہے۔ اس مثال سے معلوم ہوتا ہے کہ قدر کے مفہوم میں اشیاء کا مقابلہ داخل ہے اور قدر ایک اضافی اصطلاح ہے۔ ایک شے کی قدر دو طرح سے کم و بیش ہو سکتی ہے۔ یا تو اس کی ذاتی قدر میں کمی بیشی ہونے سے یا دیگر اشیاء کی قدر میں تغیر پیدا ہو جانے سے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمام اشیاء کی قدر ایک ہی وقت میں نہیں بڑھ سکتی۔ کیونکہ ایک شے کی قدر کی زیادتی اور دوسری کی قدر کی کمی لازم و ملزوم ہیں۔ یہ کہنا کہ ایک ہی وقت میں اشیاء کی قدر کم و بیش ہو سکتی ہے ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہہ دے کہ چھ اشخاص میں سے ہر ایک اپنے باقی پانچ ہمراہیوں کی نسبت زیادہ تیز رفتار ہے۔ الغرض کسی شے کی قیمت اس کی قدر کی ایک خاص صورت کا نام ہے جب کسی شے کی قدر کا تخمینہ ان قیمتی دھاتوں کے ساتھ اس کا مقابلہ کرنے سے کیا جائے جو شائستہ اقوام میں بطور معیار قدر مستعمل ہوں، تو کہا جاتا ہے کہ اس شے کی قیمت معلوم ہو گئی ہے۔ گو تمام اشیاء کی قدر ایک ہی وقت میں کم و بیش نہیں ہو سکتی تاہم نہ اُن کی قیمت کا گھٹنا بڑھنا ممکن ہے۔

مندرجہ توضیح سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ مسئلہ قدر حقیقت میں ان اسباب کا دریافت کرنا ہے جن پر اشیا کی قدر ایک معین معیار کے لحاظ سے منحصر ہوتی ہے۔ ان معنوں میں کوئی شے قدر نہیں رکھ سکتی جب تک اس میں دو خواص نہ ہوں۔ اوّل افادت دوئم وقت حصول۔ افادت سے مراد یہ ہے کہ اس شے میں کسی انسانی ضرورت یا خواہش کو پورا کر سکنے کی خاصیت موجود ہے۔ یہ گویا ایک قسم کا امتحان ہے کہ جب تک کوئی شے پہلے اس امتحان میں کامیاب نہ ہو لے قدر رکھنے والی اشیاء کی فہرست میں داخل نہیں ہو سکتی۔ لیکن اس فہرست میں کوئی خاص درجہ یا مقام حاصل کرنا اس شے کی وقت حصول پر موقوف ہے۔ پس ظاہر ہے کہ جس قدر کسی شے میں انسانی ضروریات کو پورا کر سکنے کی خاصیت ہو گی اسی قدر اس شے کی قدر بھی زیادہ ہو گی۔ اسی افادت کی کمی بیشی کی وجہ سے اشیاء کی طلب یعنی مانگ میں اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ جس قدر کسی شے میں افادت زیادہ ہو گی اسی قدر اس کی مانگ بھی زیادہ ہو گی اور جس قدر افادت کم ہو گی اُسی قدر اُس کی مانگ بھی کم ہو گی۔ خریداران اشیاء کا معاوضہ زیادہ دیں گے جن کی ان کو ضرورت ہے۔ مگر جن اشیاء کی ان کو ضرورت نہیں ہے، ان کا معاوضہ اوّل تو دیں گے ہی نہیں یا اگر دیں گے تو بہت کم دینے پر راضی ہوں گے۔ بعض محققین علم اقتصاد نے انسانی فطرت کے اس میلان کو ظاہر کرنے کے لیے اصطلاح افادت انتہائی استعمال کی ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اصطلاح مذکور نہایت مفید ہے کیونکہ اس کے استعمال سے تبادلے کی تحریک اور اس کے فوائد کی توضیح ہوتی ہے۔ اس کا مفہوم واضح

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کرنے کی غرض سے ہم ایک مثال پیش کرتے ہیں۔فرض کرو کہ آٹے کا ایک سیر ایک آدمی کی بقائے حیات کے لیے ضروری ہے۔ظاہر ہے کہ اس ایک سیر میں زیادہ افادت ہوگی۔لیکن اس شخص کے نزدیک آٹے کے دوسرے اور تیسرے سیر میں وہ افادت نہ ہوگی۔جو پہلے سیر میں تھی۔ کیونکہ وہ مقدار اس کی بقائے حیات کے لیے لازم تھی۔اس مثال میں مقدار تو وہی ایک سیر ہے۔ لیکن ہر سیر کی افادت آٹے کو استعمال کرنے والے کے لحاظ سے مختلف ہے۔یہی وجہ ہے کہ یہ شخص آٹے کے تیسرے سیر کو اس قیمت پر خریدنا پسند نہیں کرے گا، جس قیمت پر کہ اُس نے پہلے سیر کو خریدا تھا۔پس کسی کی افادت انتہائی سے مراد اس شے کی آخری یا اختتامی حصے کی افادت ہے جس کو مشتری قیمت کی اس کم سے کم مقدار کے عوض میں خرید کرتا ہے، جو اُس شے کا بائع منظور کر سکتا ہے۔مثال بالا میں آٹے کے تیسرے سیر یعنی اختتامی یا انتہائی حصے کی قیمت اس کی افادت سے متعین ہوگی۔چونکہ مثال مذکور میں خریدار کو آٹے کے تیسرے سیر کی ضرورت نہیں ہے اس واسطے اوّل تو وہ خریدے گا ہی نہیں اور اگر خریدے گا بھی تو اس بات پر مصر ہوگا کہ قیمت کی کم سے کم مقدار ادا کرے۔آخر کار قیمت کی اس کمتر مقدار پر سودا ہوگا جس کو بائع شے منظور کر سکتا ہے۔اس توضیح سے ظاہر ہے کہ خریداروں کے لحاظ سے اشیاء کی معمولی قیمت ان کی افادت انتہائی سے متعین ہوتی ہے۔بعض محققین کے نزدیک یہی افادت قدر اشیاء کا اصل اصول ہے۔مگر یاد رکھنا چاہیے کہ ہر شے کی قدر اس شے کی افادت پر منحصر نہیں ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ جس شے میں قدر ہوگی اس میں افادت بھی ضرور ہوگی لیکن برعکس صحیح نہیں ہے۔یہ کچھ ضرور نہیں ہے کہ ہر مفید شے کوئی خاص قدر بھی رکھتی ہو۔ہوا پانی وغیرہ مفید اشیاء ہیں، مگر ان کی قدر کچھ نہیں ہے کیونکہ قدرت خود بخود بغیر انسانی کوشش کے ان کو کثرت سے مہیا کر دیتی ہے۔اس کے علاوہ ایک ہی شے بعض اشخاص کے لیے مفید ہوتی ہے اور بعض کے لیے کچھ فائدہ نہیں رکھتی۔علیٰ ہذا القیاس بعض اشیاء خاص خاص مقامات میں افادت رکھتی ہیں بعض میں نہیں۔مزید برآں بعض اشیاء میں مطلق افادت نہیں ہوتی، لیکن ان کی قدر بڑی ہوتی ہے مثلاً ہیرے جواہرات وغیرہ۔غرض کہ افادت قدر کا ماخذ نہیں قرار دی جا سکتی اس کے لیے ہمیں کوئی اور کلیہ اصول معلوم کرنا چاہیے۔

بعض محققین کی رائے ہے کہ افادت کے علاوہ قدر کے لیے وقت حصول بھی ضروری ہے۔یعنی ان کے نزدیک کسی شے کا مفید ہونا اور نیز مشکل سے ہاتھ آنا اس کی قدر کا باعث ہوتا ہے۔اس رائے کو صحیح تسلیم کرنے والے وقت حصول کی تین صورتیں بیان کرتے ہیں۔

ا۔اوّل یہ کہ اشیاء کی رسد محدود ہو۔مثلاً گزشتہ مصوروں کی بنائی ہوئی تصویریں یا دیگر

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کمیاب چیزیں۔کیا اس صورت میں اشیاء کی قدر اس محنت پر منحصر ہوگی، جو ابتداً ان پر صرف ہوئی تھی؟ نہیں؛ اگر یہ صحیح ہے کہ انسان بالعموم اپنی محنت ایسی اشیاء کے معاوضے میں نہیں دیتا جن پر کچھ محنت نہ صرف ہوئی ہو اور نیز بالآخر مجموعی طور پر اشیاء کی قدر قریباً قریباً اس محنت کے مطابق ہوگی جو ان پر ابتداءً صرف ہوئی تھی۔تاہم حق یہ ہے کہ کسی شے کی قدر اس امر پر منحصر نہیں ہے کہ اس شے کی تیاری میں ابتداً کتنی محنت صرف ہوئی تھی بلکہ یہ اس امر پر منحصر ہے کہ وہ شے اب بغیر محنت کے حاصل نہیں ہوسکتی۔اگر کوئی شاہ نامہ فردوسی کے اپنے ہاتھوں کا لکھا ہوا مل جائے تو اس کی قدر اس محنت کا نتیجہ نہ تصور کرنی چاہیے جو ابتداً اس کی تحریر میں صرف ہوئی تھی بلکہ اس کا انحصار اس امر پر ہوگا کہ اکثر لوگوں کو اس نسخہ کی ضرورت ہے اور اب ایسا تیار نہیں ہوسکتا۔لہٰذا ابتدائی محنت بھی کسی شے کی قدر کا ملخذ نہیں قرار دی جاسکتی۔مندرجہ بالا دلیل کے علاوہ اس دعویٰ کے ثبوت میں ذیل کے دلائل بھی دیئے جاسکتے ہیں:۔

الف۔۔۔اگر محنت کو قدر کا اصل باعث سمجھا جائے، تو قدر کی کمی بیشی محنت کی کمی بیشی پر منحصر سمجھنی چاہیے۔مگر یہ بات صریحاً تجربے کے خلاف ہے۔جس وسیع زمین پر لاہور جیسا عظیم الشان شہر آباد ہے۔اس کی قدر اندازے سے زیادہ ہے لیکن یہ زمین کسی طرح محنت کا نتیجہ نہیں ہے۔

ب۔۔۔اگر محنت کو قدر کا اصل باعث سمجھا جائے تو جن دو چیزوں پر مساوی محنت صرف ہوئی ہے، اُن کی قدر بھی مساوی ہونی چاہیے۔مگر تجربہ اس کے خلاف ہے۔اگر ایک ٹکڑا سونے اور ایک ٹکڑا لوہے کا، دونوں مساوی محنت سے حاصل ہوں، تو کیا ان کی قدر بھی مساوی ہوگی؟ ہرگز نہیں۔

ج۔۔۔اگر محنت کو قدر کا اصل باعث سمجھا جائے، تو ہر شے کی قدر اس محنت سے متناسب ہوگی، جو اس شے کے حاصل کرنے میں صرف ہوئی ہے۔مگر یہ صحیح نہیں۔فرض کرو کہ ایک شخص کو خوش قسمتی سے زمین کی سطح پر پڑا ہوا سونے کا ایک ٹکڑا مل جاتا ہے۔ایک اور شخص کو ایسا ہی ٹکڑا ہفتہ بھی زمین کھود کھود کر ملتا ہے۔علیٰ ہذا القیاس ایک اور شخص ہے جس کو اس قسم کا ٹکڑا مہینے کی محنت کے بعد ملتا ہے۔اس اصول کی رو سے چاہیے کہ جس شخص کو مہینے کی محنت کے بعد سونے کا ٹکڑا ملا ہے اس شخص کا سونا اس شخص کے سونے سے بہت زیادہ بیش قیمت ہو جس کو بغیر محنت کے زمین پر پڑا ہوا مل گیا تھا۔

د۔۔۔اگر محنت کو قدر کا باعث سمجھا جائے تو جس شے پر محنت صرف کی گئی ہے چاہیے کہ اُس کی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

قدر دوامی اور مساوی ہو۔ مگر یہ صریحاً غلط ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ ایک ہی شے کی قدر مختلف مقامات میں مختلف ہوتی ہے۔ بلکہ بعض جگہ کئی اشیاء کی قدر کچھ بھی نہیں ہوتی، حالانکہ ان پر محنت بھی صرف کی گئی ہو۔ افریقہ کے وحشیوں کے درمیان ایک سنسکرت پڑھانے والے پنڈت یا عربی کی تعلیم دینے والے مولوی کا علم کیا قدر رکھ سکتا ہے؟ اگر ہندوستان کے مسلمان ترکی ٹوپیاں پہننا یک قلم ترک کردیں تو اس اصول کی رو سے ضرور ہے کہ اُن کی قدر بدستور قائم رہے اگرچہ اُن کی مانگ مطلق نہ ہو۔

ر۔۔۔ اگر محنت کو قدر کا ماخذ سمجھا جائے تو محنت کی قدر کا کیا ماخذ ہوگا؟

۲۔ دوسری صورت وقت حصول کی یہ بیان کی جاتی ہے کہ کسی شے کی تیاری میں محنت اور سرمائے کی ضرورت ہو۔ اس ضمن میں جو اشیاء داخل ہیں ان کی قدر یا قیمت ان اشیاء کے مصارف پیدائش سے متعین ہوگی۔ یہ غلطی بھی اسی غلطی کا ایک نتیجہ ہے کہ اشیاء کی قدر کا ماخذ محنت ہے۔ جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔ قدر کا انحصار ابتدائی محنت پر نہیں ہوتا بلکہ یہ اس بات پر موقوف ہے کہ موجودہ حالت میں وہ شے بغیر محنت اور سرمائے کے حاصل نہیں ہوسکتی۔ بعض کوئلے کی کانوں میں اوپر کی تہوں کا کوئلہ نہایت عمدہ ہوتا ہے اور نیچے کی تہوں کا کوئلہ اچھا نہیں ہوتا، بلکہ اس میں مٹی اور راکھ وغیرہ ملی ہوئی ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اوپر کا کوئلہ نکالنے میں مصارف کی مقدار کم ہوگی اور نیچے کا کوئلہ نکالنے میں چونکہ محنت زیادہ صرف ہوئی ہے، اس واسطے مصارف کی مقدار بھی زیادہ ہوگی۔ لیکن اگرچہ اشیاء کی قدر مصارف پیدائش پر منحصر ہے تو چاہیے کہ کوئلے کی قیمت اوپر کے کوئلے کی قیمت سے زیادہ ہو۔

۳۔ تیسری صورت وقت حصول کی یہ ہے کہ بعض اشیاء اس قسم کی ہوتی ہیں جن کو ایک معین میعاد کے اندر تیار کیا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ جن لوگوں کو ان کی ضرورت ہے، وہ اس عرصہ تک انتظار کریں۔ اس صورت میں اشیاء کی قیمت ان مصارف سے متعین ہوتی سمجھی جائے گی جو ان کے ازسرنو تیار کرنے میں عائد ہوتے ہوں۔ مگر یہ بات ہمیشہ صحیح نہیں ہوتی کیونکہ ایک نہایت قدیم زمانے کی کل کو ان مصارف سے کوئی نسبت نہیں ہے جو اس کے نئے سرے سے تیار کرنے میں عائد ہوتے ہیں۔ کل تو ویسی تیار ہوسکتی ہے مگر چونکہ یہ پرانی کل آثار قدیمہ میں سے تصور کی جائے گی، اس واسطے اس کی قدر یا قیمت بہت زیادہ ہوگی۔

پس معلوم ہوا کہ اشیا کی قدر یا قیمت (کیونکہ قیمت بھی قدر ہی کی ایک صورت ہے) افادت محنت ابتدائی یا اُن مصارف پر جو اُن کی ازسرنو تیار کرنے میں عائد ہوں، منحصر نہیں ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اگر چہ یہ تینوں قدر کی عوارضات ضرور ہیں تاہم اس کی ماخذ نہیں قرار دی جاسکتی۔ پھر وہ کون سا کلیہ اصول ہے جس پر اشیا کی قدر کا دارومدار ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ قدر اشیا قانون طلب و رسد کے عمل پر انحصار رکھتی ہے جس کی توضیح ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

سہولت کے لیے ہم پہلے قانون طلب کا مفہوم واضح کریں گے، بعد میں قانون رسد کا اور پھر دونوں توضیحات کو یکجا کر کے ایک وسیع قانون قائم کریں گے۔ طلب سے مراد کسی شے کی اس خاص مقدار ہے جو کسی خاص قیمت پر خرید کی جائے۔ اس تعریف میں ہم نے یہ فرض کر لیا ہے کہ اس مقدار کی قیمت کا ادا کرنے والا حقیقی طور پر اس قیمت کو ادا کر سکنے کی قوت رکھتا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ طلب اور خواہش حصول مرادف نہیں تصور کئے جاسکتے۔ کیونکہ ہر شخص ہر شے کے حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کرتا ہے؛ اگر چہ اشیاء مذکورہ کے خرید کر سکنے کی قوت اس میں نہ ہو۔ اس کے علاوہ تعریف مندرجہ بالا میں الفاظ ''خاص قیمت'' بھی ضروری ہیں۔ کیونکہ قیمت کے تغیر سے شے طلوب کی مقدار میں بھی تغیر مطلوب ہوگا۔ قانون طلب کے ذریعہ تغیر قیمت سے وابستہ مقدار مطلوب کے تغیر کی توضیح ہوتی ہے۔ یعنی جب کسی شے کی قیمت کم ہو جاتی ہے تو (بشرطیکہ زر نقد کی قوت خرید اراس کی وہ رقم جو خریداروں کے قبضے میں ہے مساوی رہے) اس کی مقدار مطلوب بڑھ جاتی ہے اور برعکس اس کے جب قیمت زیادہ ہو جاتی ہے تو مقدار مطلوب کم ہو جاتی ہے۔ ہم نے کہا ہے ''بشرطیکہ زر نقد کی قیمت خرید اور اس کی وہ رقم جو خریداروں کے قبضے میں ہے مساوی رہے''۔ اس قید کا ہونا ضروری ہے کیونکہ جوں جوں کسی شخص کے وسائل آمدنی ترقی کریں گے یا یوں کہو کہ جس قدر کوئی شخص زیادہ دولت مند ہوتا جائے گا، اسی قدر اس میں اشیاء کو زیادہ قیمت کے عوض میں خرید کر سکنے کی قوت بڑھتی جائے گی اور جس قدر اس کے وسائل آمدنی کم ہوتے جائیں گے یا جوں جوں وہ رقم جو اُس کے پاس ہے کم ہوتی جائے گی، اسی قدر اس کی قوت خرید بھی کم ہوتی جائے گی۔ اگر پہلی صورت میں وہ ایک شے کو دس روپیہ کے عوض میں خرید کر سکتا تھا تو دوسری صورت میں پانچ روپیہ کو بھی نہ خرید کر سکے گا۔ اگر چہ ضرورت دونوں صورتوں میں ایک سی ہی کیوں نہ ہو۔ پس اس قانون کو مختصراً یوں بیان کر سکتے ہیں کہ اشیاء کی مقدار مطلوب کی قیمت سے بڑھتی ہے اور زیادتی قیمت سے کم ہوتی ہے۔ مثلاً اگر چھاتوں کی قیمت بڑھ جائے تو بہت سے خریدار جو پہلے چھاتے استعمال کیا کرتے تھے اب ان کا استعمال ترک کر دیں گے۔ اور صرف وہی لوگ اُن کو خرید کریں گے جو زیادہ قیمت کے متحمل ہو سکتے۔ لہٰذا چھاتوں کی مقدار مطلوب کم ہو جائے گی۔ اگر قیمت کم ہو جائے تو بہت سے لوگ جو پہلے چھاتوں کو استعمال کرتے تھے۔ اب کمی قیمت کی وجہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

سے استعمال کرنے لگ جائیں گے۔لہٰذاان کی مقدار مطلوب میں زیادتی ہوجائے گی۔

علیٰ ہذا القیاس رسد سے مراد کسی شے کی اس خاص مقدار سے ہے جو کسی خاص قیمت کے عوض میں فروخت کئے جانے کے لیے پیش کی جائے اور قانون رسد کو عام الفاظ میں اس طرح بیان کر سکتے ہیں کہ جس قدر قیمت بڑھتی جاتی ہے اسی قدر (بشرطیکہ زر نقد کی قوت خرید اور اس کی وہ رقم جو خریداروں کے قبضہ میں ہو مساوی رہے) مقدار اشیاء فروختنی بڑھتے جانے کا میلان رکھتی ہے۔جب کسی شے کی قیمت زیادہ ملے گی تو ہر تاجر اُسی کی تیاری پر سرمایہ صرف کرے گا اور اگر کم ملے گی تو کوئی شخص اُس شے کی تیاری پر سرمایہ صرف نہ کرے گا۔لہٰذا مقدار مطلوب پہلی صورت میں بڑھے گی اور دوسری صورت میں کم ہوگی۔

اب ہر دو قوانین مذکورہ پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ چونکہ ان دونوں میں ایک قسم کا اختلاف ہے اس واسطے تبادلہ اشیاء کے لیے ضروری ہے کہ ان کی طلب و رسد میں ایک مساوات پیدا ہو ورنہ تبادلہ محال ہوگا اور جب تبادلہ محال ہوگا تو قدر کی تعیین کس طرح ہوگی۔لہٰذا مختلف اقتصادی اسباب کے اثر سے اشیاء کی طلب اور رسد میں خود بخود ایک مساوات پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کو بطور قانون کے اس طرح قائم کیا جا سکتا ہے کہ ہر منڈی میں اشیاء کی قیمت ان کی مقدار مطلوب اور مقدار فروختنی کی مساوات سے متعین ہوگی۔اگر مانگ زیادہ ہوگی اور رسد کم، تو اشیاء کی قیمت معمول سے زیادہ بڑھ جائے گی۔علیٰ ہذا القیاس اگر مانگ کم ہوگی اور رسد زیادہ تو قیمت مذکور معمول سے کم ہو جائے گی۔پس اشیاء کی قیمت صحیحہ (اس اصطلاح کا مفہوم ابھی واضح ہو جائے گا) کی تعیین کے لیے یہ ضروری ہے کہ طلب اور رسد میں مساوات پیدا ہو۔۔۔یعنی اشیاء کی طلب ان کی رسد کے مساوی ہو۔

اس قانون کے معانی کو زیادہ وضاحت سے بیان کرنے کی خاطر ہم مثال کے طور پر ایک جزیرہ فرض کرتے ہیں جہاں ایک ہزار کسان آباد ہیں۔فرض کرو کہ ان لوگوں کو اپنے کھیتوں کے لیے کھاد کی ضرورت ہے اور ہر کسان کھاد کے پانچ چھکڑوں کے عوض میں غلے کے دس پیمانے دینے کو تیار ہے۔اس حساب سے گویا کھاد کے پانچ ہزار چھکڑے مطلوب ہیں جن کی قیمت فی چھکڑا دو پیمانے غلہ ہو۔مگر ممکن ہے کہ قیمت مذکور پر کھاد کی رسد پانچ ہزار چھکڑوں سے زیادہ ہو یا کم۔بعض آدمی شاید اس قیمت پر کھاد فروخت کرنے کی نسبت ماہی گیری پر گزارا کرنا زیادہ فائدہ مند تصور کریں۔اس طرح اگر کسان زیادہ قیمت نہ دیں گے تو کھاد کی رسد مطلق نہ ہوگی اور اگر ہو گی تو بہت کم، جو ان سب کے درمیان تقسیم ہوگی۔لیکن اگر بعض کسان زیادہ قیمت دینے پر راضی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ہو جائیں گے، تو قیمت کی زیادتی کی وجہ سے وہ لوگ ماہی گیری ترک کر دیں گے جو پہلے کھاد مہیا کرتے تھے اور کھاد کی رسد پھر زیادہ ہو جائے گی۔ برخلاف اس کے اگر کسی قدرتی سبب سے کھاد کی رسد زیادہ ہو جائے تو، تو جب تک اس کی طلب میں اس قدر زیادتی نہ ہو گی، تمام کھاد بیچنے والے ایک دوسرے کی نسبت مقابلتاً قیمت کو کم کرتے جائیں گے۔ کیونکہ ہر ایک کی خواہش یہی ہو گی کہ میرا ذخیرہ جلد بک جائے۔ قدرتاً ہر شخص کو اپنا فائدہ متصور ہو گا، خواہ دوسرے کا نقصان ہی کیوں نہ ہو۔

مثال بالا سے قانون طلب و رسد کا مفہوم تو واضح ہو گیا۔ لیکن ابھی اس سوال کا جواب دینا باقی ہے کہ طلب و رسد میں مساوات کی طرح پیدا ہوتی ہے۔ ہم نے ابھی اصطلاح مقابلہ کا استعمال کیا ہے جس کے مفہوم کا ذہن نشین کر لینا نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ اس مقابلے کے اثر سے ہی طلب و رسد کے درمیان مساوات قائم ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ بیان کرنے سے پیشتر کہ مساوات مذکورہ مقابلہ کے عمل سے کس طرح قائم ہوتی ہے۔ پہلے اس کا مفہوم واضح کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اس اصطلاح سے مراد اس مقابلے یا تجارتی رشک سے ہے جو کسی شے کے خریداروں اور بیچنے والوں کے درمیان ہوتا ہے۔ کیونکہ ہر شخص کا مدعا یہی ہوتا ہے کہ کم سے کم مقدار دے اور اس کے عوض میں زیادہ سے زیادہ مقدار حاصل کرے۔ مقابلہ کا عمل باہمی اتحاد، رواج اور انسانی اثرات کے منافی ہے۔ کیونکہ ہر شخص قدرتاً اپنی ذات کے لیے کام کاج کرتا ہے۔ جہاں چاہے اپنے مال کو فروخت کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ رواج کی پابندی اس کو کسی خاص مقام میں بیچنے پر مجبور نہیں کر سکتی اور نیز قدرتاً ہر شخص کو اپنی ذاتی منفعت متصور ہوتی ہے۔ کسی دوسرے کے نقصان وغیرہ کی اسے کچھ پروا نہیں ہوتی۔ یہ ہے مقابلے کا اقتصادی مفہوم۔ اب اس کا اثر سمجھنے کے لیے ذرا مثا مندرجہ بالا پر غور کرو۔ ہم نے اُوپر بیان کیا ہے کہ کھاد بیچنے والا مقابلے کی وجہ سے قیمت کم کرتے جائیں گے۔ اگر فی چھکڑا غلے کے دو پیمانے دیئے جائیں، تو صاف ظاہر ہے کہ طلب اور رسد غیر مساوی ہوں گے۔ کیونکہ کھاد فروختنی کی مقدار تو دس ہزار چھکڑا ہے لیکن مانگ صرف پانچ ہزار چھکڑوں کی ہے۔ اگر قیمت اس سے بھی کم ہو جائے تو رسد شاید ۹ ہزار چھکڑے رہ جائے گی۔ کیونکہ بہت سے کھاد بیچنے والے کھاد مہیا کرنے کا کام چھوڑ کر کسی اور کام میں لگ جائیں گے۔ فرضاً اگر کسان یہ سمجھ کر کہ مقررہ مقدار کی نسبت زیادہ کھاد ڈالنے سے زمین کے محاصل یا پیداوار میں سے کھاد کی اس زیادہ مقدار کی قیمت نکل آئے گی اور اس خیال سے اور کھاد خریدنا شروع کر دیں، تو کھاد کی طلب جہاں پہلے پانچ ہزار چھکڑا تھی، اب شاید چھ ہزار چھکڑا ہو جائے گی۔ علیٰ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ہذاالقیاس اگر قیمت اور کم ہو جائے تو رسد اور بھی کم ہو جائے گی۔ پہلے رسد ۱۰ تھی اور طلب ۵۔ پھر رسد ۹ ہو گئی اور طلب ۶۔ اسی طرح طلب شاید ۷ ہو جائے اور رسد ۸۔ غرض کہ دونوں مقداریں مقابلے کے اثر سے ایک دوسرے سے قریب ہوتی جائیں گی۔ فرض کرو کہ اس وقت جب کہ طلب اور رسد کی درمیانی نسبت ۷:۸ کی ہے۔ کھاد کی قیمت فی چھکڑا ۲۱/۲ پیمانہ گیہوں پر ٹھہر گئی۔ اب یہ بات کہ طلب اور رسد کے درمیان پوری مساوات کسی ایسی قیمت پر ہو گی جو قیمت مذکورہ سے بہت کم یا کسی قدر کم ہو، دو امور پر منحصر ہے۔

۱۔ کھاد کی اس مقدار کی افادت انتہائی پر جو سات ہزار چھکڑوں سے زائد ہو گی۔

۲۔ کھاد بیچنے والوں کی کوئی اور فائدہ مند پیشہ اختیار کر سکنے کی استطاعت پر۔ فرضاً اگر کوئی کسان ۲۱/۴ پیمانہ گیہوں فی چھکڑا کے حساب سے ۱۰ چھکڑے خرید کرے تو یہی قیمت مقرر ہو جائے گی، بشرطیکہ کوئی کھاد بیچنے والا قیمت مذکور سے کم قیمت پر کھاد مہیا کرنے پر راضی نہ ہو۔ لیکن اگر اس کسان کو ۲۱/۴ پیمانہ گیہوں فی چھکڑا کے حساب سے کھاد مل جائے تو وہ شاید پانچ چھکڑے اور خرید کر لے۔ اگر ایسا ممکن ہو تو ۲۱/۴ پیمانہ گیہوں سے ہی کھاد کی افادت انتہائی متعین ہو گی اور یہی اس کی قیمت فی چھکڑا قرار پا جائے گی۔ اسی طرح اگر اس کو ۲ پیمانہ گیہوں فی چھکڑا کے حساب سے اور کھاد مل سکے تو افادت انتہائی اسی نرخ سے متعین ہو گی۔ علیٰ ہذاالقیاس ۲۱/۴ پیمانہ گیہوں فی چھکڑا کے حساب سے اور کھاد مل سکے تو یہی قیمت قرار پائے گی۔ الغرض ممکن ہے کہ کسان اس طرح کھاد کے بیس چھکڑے خرید لیوے۔ لیکن ظاہر ہے کہ کھاد کے مختلف حصص کی افادت مختلف ہے۔ اگر یہ کسان بیس چھکڑے کھاد کے ایک ہی دفعہ لیتا تو ہر چھکڑے کے لیے اسے مساوی قیمت ادا کرنی پڑتی اور یہ قیمت ۲۱/۴ پیمانہ گیہوں فی چھکڑا کے حساب سے ہوتی۔ کیونکہ منڈی میں (بشرطیکہ مقابلہ پورے طور پر اپنا عمل کر رہا ہو) ایک ہی قسم کی اشیاء کی قیمت ان کی افادت انتہائی سے متعین ہوتی ہے اور بالعموم مساوی ہوتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض اسباب اشیا کی قیمت میں اختلاف پیدا کرتے ہیں۔ لیکن ان بواعث پر ہم آگے چل کر غور کریں گے۔ فی الحال ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ کسی شے کی قیمت صحیحہ اس قیمت سے کیوں مختلف ہوتی ہے جس پر وہی شے تجارت کی منڈی میں فروخت ہوتی ہے؟

لفظ منڈی کی کئی تشریحات کی گئی ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ ہر تجارتی شے کی ایک نہ ایک منڈی ضرور ہوتی ہے۔ مثلاً لوہے کی منڈی، چائے کی منڈی وغیرہ۔۔؟ علیٰ ہذاالقیاس ایک ہی قصبے میں اشیا کا تبادلہ کرنے والوں کے مختلف فریق ہوتے ہیں۔ جن کے درمیان ممکن ہے کہ ایک

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ہی قسم کی اشیاء کی قیمت مختلف ہو۔ پس لفظ منڈی سے مراد وہ تمام افراد ہیں جن کی طلب یا رسد کسی خاص مقام میں کسی خاص شے کی قیمت پر اثر کرے۔ اگر مقابلہ پورے طور پر اپنا عمل کر رہا ہو تو کسی شے کی قیمت ہمیشہ اس کے مصارف پیدائش کے قریب ہوگی۔ یعنی شے مذکور کی رسد اس حصہ کے مصارف پیدائش پر جو نہایت نامساعد حالات میں پیدا کیا گیا ہے اور یہ قیمت گویا اس شے کی افادت انتہائی کا پیمانہ ہوگی یعنی اس حصے کی افادیت انتہائی کا جس کو خریدار اس خاص قیمت پر بغیر اندیشہ نقصان کے خریدنا قبول کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ قیمت ان مساعی اور تکالیف کا معاوضہ ہوگی جو اس کے پیدا کرنے والوں کو نہایت نامساعد حالات میں کام کرنے کی وجہ سے لاحق ہوئی ہیں۔ لیکن چونکہ تمام خریدار اس شے کی مساوی قیمت ادا کریں گے، اس واسطے ظاہر ہے کہ جن لوگوں نے اسے نامساعد حالات میں پیدا کیا ہے ان کو فائدہ ہوگا۔ یعنی ان کا اجران تکالیف و مساعی سے زیادہ ہوگا جو اس کی تیاری کے ساتھ وابستہ ہیں اور جن لوگوں نے اسے نامساعد حالات میں پیدا کیا ہے ان کا اجر بمشکل ان کی مساعی اور تکالیف کے برابر ہوگا۔ مثلاً فرض کرو کہ چند شخص نہایت مساعد حالات میں کام کرتے ہیں۔ یا یوں کہو کہ ایک ایسی کان کھودتے ہیں جس پر معمولی محنت اور سرمایہ صرف کرنے سے عمدہ لوہا بافراط نکل آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ لوگ ان لوگوں کی نسبت بدرجہا فائدے میں رہیں گے جو اسی کام کو نامساعد حالات میں کرتے ہیں یا بالفاظ دیگر ایسی کان کھودتے ہیں جس سے لوہا نکالنے میں بہت سی محنت اور کثیر سرمایہ درکار ہے۔ مقدم الذکر فریق کے فائدے کی وجہ یہ ہے کہ خریدار دونوں کانوں کے لوہے کو مساوی قیمت پر ہی خریدنا قبول کریں گے جس سے پہلا فریق فائدہ میں رہے گا اور دوسرے فریق کو بمشکل اپنے اصل مصارف ہی پلے پڑیں گے۔

اگر لوہا بیچنے والوں کے درمیان مقابلہ پورے طور پر اپنا عمل کر رہا ہو تو لوہے کی قیمت رفتہ رفتہ اس کے مصارف پیدائش کے قریب آ جائیں گے۔ یہی قیمت جو مقابلے کی وجہ سے مصارف پیدائش کے قریب ہو جاتی ہے علم الاقتصاد کی اصطلاح میں قیمت صحیحہ کہلاتی ہے۔ لیکن چونکہ مقابلہ کبھی پورے طور پر عمل نہیں کرتا۔ اس واسطے منڈی میں ہر تجارتی شے کی ایک خاص قیمت ہوتی ہے جس کو اصطلاح میں قیمت متعارف کہتے ہیں اور یہ قیمت قیمت صحیحہ سے کم و بیش مختلف ہوتی ہے کیونکہ اس سے بالعموم کسی شے کے مصارف پیدائش کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ خریدار کے لیے اس شے کی افادت انتہائی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے۔ قیمت متعارف اور قیمت صحیحہ کا یہ اختلاف مندرجہ ذیل وجود پر مبنی ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

۱۔کسی شے کے ذخیرے کی مقدار پر جو منڈی میں موجود ہو۔ یاد رکھنا چاہیے کہ ذخیرہ اور رسد مرادف الفاظ نہیں ہیں۔ ذخیرے سے مراد کسی شے کی اس تمام مقدار سے ہے، جو ایک خاص وقت پر منڈی میں موجود ہو اور رسد سے مراد کسی شے کی اس مقدار سے ہے جو فروخت کے لیے پیش کی جا سکتی ہو۔ اگرچہ منڈی میں حقیقتہً موجود نہ ہو۔ لہٰذا ممکن ہے کہ رسد ذخیرے کا ایک تھوڑا سا حصہ ہو۔ مثلاً جب کسی شے کی قیمت کم ہو تو دکاندار قدرتاً اس شے کا سارا ذخیرہ نہیں بلکہ اس کا تھوڑا سا حصہ فروخت کے لیے پیش کریں گے، جو اس صورت میں رسد کہلائے گا۔ جب قیمت بڑھے گی وہ پہلے کی نسبت ذخیرے کی زیادہ مقدار فروخت کے لیے پیش کریں گے۔ غرض کہ قیمت کی زیادتی کے ساتھ ذخیرہ رسد کی صورت میں منتقل ہوتا جائے گا۔ برخلاف اس کے یہ بھی ممکن ہے کہ کسی منڈی میں رسد کی مقدار ذخیرے کی مقدار سے زیادہ ہو۔ مثلاً تجارتی دلال عموماً اشیاء کی ایک کثیر مقدار غلہ، روٹی وغیرہ مہیا کرنے کا خریداروں سے معاہدہ کرتے ہیں، حالانکہ حقیقت میں مقدار معہودہ اس وقت اوّل تو ہوتی ہی نہیں یا اگر ہوتی ہے تو بہت کم ۔ چونکہ خریداروں کی طلب اشیاء کی روزانہ پیداوار سے نہیں بلکہ ان کے ذخیرے سے پوری ہوتی ہے، اس واسطے ممکن ہے کہ اس ذخیرے کی کمی بیشی اشیاء کی قیمت متعارف اور قیمت صحیحہ کے درمیان اختلاف پیدا کر دے۔ مثلاً اگر کسی سال کمی رسد کی وجہ سے غلے کی قیمت زیادہ ہی ہے، تو دوسرے سال اس کی کاشت زیادہ ہوگی اور اس مزید ذخیرے کی وجہ سے جو اس طرح پیدا ہوگا ممکن ہے کہ قیمت معمول سے بھی کم ہو جائے۔ لیکن بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر غلے کی رسد کم ہے تو اس کی جگہ کمی بکنی شروع ہو جائے۔ اس صورت میں غلے کے ذخیرے کی کمی بیشی اس کی قیمت متعارف پر کچھ اثر نہیں کر سکتی۔ علیٰ ہذا القیاس بعض اشیاء ذخیرہ کھا سکتی ہیں۔ بعض میں ذخیرہ کئے جانے کی قابلیت نہیں ہوتی۔ یہ سبب بھی ذخیرے کی قیمت متعارف پر اثر کرتا ہے۔ مثلاً بعض اشیاء مچھلی وغیرہ (جو ذخیرہ نہیں کھا سکتی) کی قیمت منڈی میں صبح کچھ ہوتی ہے شام کچھ۔

۲۔محنت کی تنظیم اور کلوں کا استعمال جس کی وجہ سے محنت کے لیے کسی اور پیشے اور سرمائے کے لیے کسی اور صورت میں منتقل ہو جانا مشکل ہو جاتا ہے۔ قیمت صحیحہ اور قیمت متعارف کے اختلاف کا دوسرا سبب ہے۔ محقق مارشل فرماتے ہیں کہ:

جن پیشوں میں سرمایہ قائم کا استعمال کثرت سے ہوتا ہے ان میں اشیاء کی قیمتیں بہت تغیر پذیر ہوتی ہیں۔

تمہیں یاد ہوگا کہ طلب و رسد کی توضیح کرتے ہوئے ہم نے کھاد مہیا کرنے والوں کی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

مثال لی تھی۔ ایسی مثال لینے سے ہماری غرض یہ تھی کہ پیشہ مذکور میں قیمت صحیحہ اور قیمت متعارف کے اختلاف کا یہ دوسرا سبب کچھ اثر نہیں کرسکتا۔ کیونکہ یہاں نہ بڑی کلوں کی ضرورت ہے نہ بڑے ہنرمند پیشہ وروں کی، جن کی محنت کسی دوسرے پیشے میں منتقل ہوسکتی ہو۔

۳۔ بسا اوقات رسم ورواج اور قانون سے بھی اشیاء کی قیمت متعارف متعین ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ پیشہ وروں کے عادات اور ان کے طبائع بھی بعض دفعہ قیمت کی کمی بیشی پر بہت بڑا اثر رکھتی ہیں۔ جب کسی پیشے کے دستکاروں کی یومیہ اُجرت ایک دفعہ مقرر ہوگئی، پھر سالوں تک بالعموم وہی اُجرت مقرر رہتی ہے۔ خواہ دستکاروں کی تعداد پہلے کی نسبت زیادہ ہی کیوں نہ ہو جائے۔ تم نے سنا ہوگا نکاح پڑھانے والے مولوی اپنی خدمت کے عوض بالعموم ۱/ روپیہ ہی لیا کرتے ہیں۔ ایسی صورتوں میں افادت انتہائی کا اصول معطل ہو جاتا ہے اور قیمت رواج سے متعین ہوتی ہے۔ باپ اپنے مریض بیٹے کی زندگی بچانے کے لیے کئی ہزار روپے دینے کے لیے بھی تیار ہوگا۔ مگر رواج کے اثر سے اسے حکیم کو وہی دو روپے نذرانہ دینے ہوتے ہیں۔

قیمت متعارف اور قیمت صحیحہ کے درمیان جو اختلاف ہوتا ہے اس کے بعض اخلاقی وجوہ بھی ہیں۔ مثلاً بعض دفعہ دکاندار افزائش قیمت کی توقع میں اپنا ذخیرہ اشیاء فروخت کے لیے منڈی میں لاتے ہی نہیں۔ اگرچہ نفع کی امید میں ان کو بسا اوقات نقصان ہی کیوں نہ ہو جائے۔ خوردہ فروشی کی صورت میں ان اخلاقی وجوہ پر غور کرنا اور بھی ضروری ہے۔ ہم نے اُوپر بیان کیا تھا کہ اگرچہ ایک ہی منڈی میں ایک ہی قسم کی اشیاء کی قیمت مساوی ہوتی ہے، تاہم بعض اسباب اس مساوات کے خلاف عمل کرتے ہیں۔ بالعموم خریدار ایسے ہوشیار نہیں ہوتے کہ اشیاء خریدنے کی اصل وقعت کو سمجھتے بوجھتے ہوں۔ اس واسطے دکاندار انہیں سادہ لوح سمجھ کر وصوکا بھی دے دیا کرتے ہیں اور اس طرح اپنی اشیاء کو دُگنی چوگنی قیمت پر بیچ لیتے ہیں۔ چونکہ ہر دکاندار اس طرح نہیں کرتا، اس لیے کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی منڈی میں ایک ہی قسم کی قیمت میں مساوات قائم نہیں رہتی اس لحاظ سے بعض مصنفین کی رائے ہے کہ خوردہ فروشی کی صورت میں اشیاء کی قیمت مقابلے سے نہیں بلکہ رواج سے متعین ہوتی ہے اور اس وجہ سے یہ امر معمولاً مسلم ہے کہ خوردہ فروشوں کو اصول عدل و اخلاق کی رو سے اپنی اشیا کی قیمت اس قدر لینی چاہیے کہ تجارتی لحاظ سے کم قیمت نہ کی جاسکتی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اہل الرائے کے نزدیک خوردہ فروشی اقتصادی اصول پر نہیں بلکہ اخلاقی اصول پر مبنی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ خاص خاص حدود کے اندر یہ بات صحیح ہے۔ لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ تجارت کا یہ حصہ بھی مقابلے کے اثر سے معرا نہیں ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

باب دوم

تجارت بین الاقوام

گزشتہ باب میں ہم نے تعین قدر پر بحث کی ہے۔اوراس بات کوثابت کیا ہے کہ اشیاء تجارتی کی قدر قانون طلب ورسد کے عمل پر منحصر ہے۔مگراس باب میں ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ آیا یہ قانون تجارت کی ہرصورت میں صادق ہے؟ممکن ہے کہ جب تبادلہ اشیاء ایک ہی ملک کے مختلف حصوں کے درمیان ہوتا ہوتو تعیین قدر اسی قانون کے تابع ہو۔مگر جب یہ تبادلہ مختلف مما لک اوراقوام کے درمیان ہوتا ہوتو اختلاف حالات کی وجہ سے تعیین قدر کا کوئی اور قانون ہو۔ اس کتاب کے حصہ اوّل میں ہم نے بیان کیا تھا کہ اختلاف حالات کی وجہ سے علمی اصول میں تغیر آ جانا ممکن ہے۔لہٰذا اب ہمارا مقصد اس امر کی تحقیق کرنا ہے کہ آیا تجارت کی ہر دو مندرجہ بالا قورتوں میں قدر اشیاء کی تعیین ایک ہی اصول کے تابع ہے یا مختلف اصولوں کے تحت۔مگر پیشتر اس کے کہ اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کی جائے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تجارت بین الاقوام کی عام خصوصیات اوراس کے فوائد سے تمہیں آ گاہ کیا جائے۔بعض محققین کی رائے میں تجارت بین الاقوام اس تجارت سے مختلف نہیں ہے جو ایک ہی ملک کے مختلف حصوں کے درمیان ہوتی ہے۔لہٰذا اس کے لیے کسی نئے اصول کی ضرورت ہی نہیں ہے۔وہی پہلا قانون طلب و رسد یہاں بھی صادق آئے گا۔یہ حکماء تجارت بین الاقوام پر مختلف اعتراض پیش کرتے ہیں جن میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں:۔

ا۔تجارت کبھی مختلف اقوام کے درمیان ہوتی ہی نہیں بلکہ افراد کے درمیان ہوتی ہے جب یہ کہا جاتا ہے کہ انگلستان اور ہندوستان باہم تجارت کرتے ہیں،تو اس کا مفہوم یہ ہوا کرتا ہے کہ ہر دو اقوام میں سے خاص خاص افراد ہیں جو آپس میں تبادلہ اشیاء کرتے ہیں۔لہٰذا تعیین قدر کا جو قانون تجارت بین الافراد کی صورت میں صحیح ہے وہی تجارت بین الما لک کی صورت میں بھی صحیح ہوگا۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

۲۔تجارت کی ہر صورت کے لیے تعیین قدر کا ایک منفرد اصول ہونا چاہیے، جو تمام حالات پر حاوی ہو۔ یہ بات علمی اصول کے خلاف ہے کہ ایک ہی قسم کے واقعات کی توجیہ کے لیے مختلف قوانین وضع کئے جائیں۔

۳۔ زمانہ حال میں ایجادات کی وجہ سے فاصلہ اور بُعد موانع تجارت نہیں رہے۔ اس واسطے تجارت بین الاقوام یا بین الممالک کو تجارت کی دیگر صورتوں سے متمیّز کرنا صحیح نہیں ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ مختلف ممالک کی تجارتی اغراض میں ایک قسم کی یگانگت ضرور ہے۔ تاہم اقوام وممالک کا اختلاف ایک ایسا صریح واقعہ ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کسی ایک ملک کی صورت میں یہ صحیح ہے کہ اس کے مختلف حصص کے درمیان محنت اور سرمایہ یا یوں کہو کہ دستکار اور سرمایہ یا یوں کہو کہ دستکار اور سرمایہ دار بلا روک ٹوک ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو سکتے ہیں۔ بلکہ اقتصادی لحاظ سے لفظ قوم کی تعریف ہی یہ کی گئی ہے کہ یہ تجارتی اشیاء کے پیدا کرنے والوں کو ایک ایسا مجموعہ ہے جس کے مختلف اجزا کے درمیان محنت اور سرمایہ بلا روک ٹوک حرکت کر سکتے ہوں۔ اس تعریف کی رو سے لفظ قوم کے مفہوم میں دو شرائط داخل ہیں۔

۱۔ ہر ایک مجموعہ کے افراد کے درمیان سرمایہ اور محنت ایک مقام سے دوسرے مقام میں بلا قید منتقل ہو سکنا۔

۲۔ ایک مجموعے کے دستکاروں یا کارکنوں کا دوسرے مجموعے کی طرف منتقل نہ ہو سکنا۔ یعنی ایک ملک کے دستکاروں یا سرمایہ داروں کا دوسرے ملک میں جا سکنا۔

مندرجہ بالا اعتراضات کا اصل منشاء زیادہ تر یہی ثابت کرنا ہے کہ خصوصاً زمانۂ حال میں ایک ملک کے دستکار اور سرمایہ دار دوسرے ممالک میں آسانی سے جا سکتے ہیں۔ کیونکہ فاصلے کی دقتیں جو زمانہ قدیم میں حائل تھیں، اب مختلف اقسام کی ایجادات و تسہیل سفر کی وجہ سے مفقود ہو گئی ہیں۔ ہم اس بات کو کسی حد تک تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن باوجود اس بات کے یہ بھی صحیح ہے کہ سرمائے اور محنت کے ایک مجموعہ افراد یا قوم کی طرف جا سکنے میں چند ایسی مشکلات ہیں جن پر غور کرنا ضروری ہے۔

اوّل۔ جغرافی اعتبار سے مختلف ممالک کے درمیان فاصلہ ہوتا ہے جس کی مقدار بعض دفعہ بہت بڑی ہوتی ہے۔

دوم۔ مختلف ممالک کی طرز حکومت مختلف ہوتی ہے۔ کہیں مطلق العنان حکومت ہے کہیں جمہوری۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

سوم ۔مختلف ممالک و اقوام کے مذاہب، اصول معاشرت و رسوم وغیرہ مختلف ہوتے ہیں۔غرض کہ اگر چہ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ مختلف اقوام کے درمیان سرمایہ اور محنت حرکت کر ہی نہیں سکتے۔تاہم یہ صاف ظاہر ہے اس حرکت میں دقت ضرور ہے۔اور یہی دقت تجارت بین الاقوام کو تجارت کی دیگر صورتوں سے متمیّز کرتی ہے۔تم جانتے ہو کہ اگر کسی ملک کے مختلف حصص کے درمیان سرمایہ اور محنت بلا روک ٹوک حرکت نہ کر سکتے ہوں تو اس ملک میں تجارتی مقابلہ مفقود ہوگا۔اور یہ ظاہر ہے کہ مقابلے کی موجودگی یا عدم موجودگی سے تجارتی اشیاء کی قدر میں تغیر آ جاتا ہے۔جس سے اگر چہ قانون طلب ورسد باطل نہیں ہو جاتا، تاہم متاثر ضرور ہوتا ہے۔ہم نے ابھی بیان کیا ہے کہ مختلف ممالک کے درمیان سرمایہ اور محنت ازادانہ حرکت نہیں کر سکتے۔پس مندرجہ بالا اصول کے مطابق تجارت بین الاقوام کی صورت میں مقابلے کی عدم موجودگی کی وجہ سے قانون طلب ورسد کو متاثر ہونا چاہیے۔موجودہ تحقیقات سے ہمارا مقصد یہ معلوم کرنا ہے کہ مندرجہ بالا سبب سے یہ قانون کس طرح اور کہاں تک متاثر ہوتا ہے؟ اس سوال کا جواب آ گے چل کر دیا جائے گا فی الحال ہم تجارت خارجی کے چند فوائد بیان کرنا چاہتے ہیں۔

تجارت بیرونی یا تجارت بین الاقوام کے ذریعہ سے ہم وہ اشیاء حاصل کر سکتے ہیں، جو ہمارے ملک میں پیدا نہ ہوتی ہوں۔یا تو اس وجہ سے کہ ہمارے ملک کی آب و ہوا ان اشیاء کی پیدائش کے لیے ناموافق ہے یا لوگوں میں صنعت وحرفت کی قابلیت ہی نہیں ہے کہ ان اشیاء کو تیار کر سکیں۔غرض کہ تجارت خارجی سے ہر ملک دیگر ممالک کی پیدا کردہ اشیاء سے بہرہ ور ہو سکتا ہے۔علاوہ اس کے اس طریق عمل سے محنت اور سرمائے کی کارکردگی بہت بڑھ جاتی ہے۔مثلاً انگلستان میں لوہا اور کوئلہ اس کثرت سے پایا جاتا ہے کہ وہاں اس کی پیدائش کے لیے دیگر ممالک کی نسبت محنت اور سرمایہ کم صرف ہوتا ہے۔لیکن اس ملک میں ایسی زمین بہت کم ہے جو قابل زراعت ہو۔وہاں کا غلہ وہاں کے باشندوں کے لیے بھی کافی نہیں ہے اور اگر غلے کی پیداوار کو زیادہ کرنے کی کوشش کی جائے، تو بہت سی ناقص زمینیں کاشت کرنی پڑیں گی، جس سے غلے کی قیمت بہت گراں ہو جائے گی۔دیگر ممالک مثلاً فرانس و ہندوستان وغیرہ میں غلہ بافراط پیدا ہوتا ہے۔اس لیے اگر انگلستان اپنی اشیاء کا مبادلہ اُن ممالک کے غلہ سے کرے تو سب کو فائدہ ہوگا۔ایک زمانے میں یہ خیال مروج تھا کہ بیرونی تجارت سے جو فوائد ہوتے ہیں ان کا تخمینہ اس زرنقد سے لگایا جاتا ہے جو ایک ملک سے دیگر ممالک کی طرف منتقل کیا جائے۔اس بنا پر ہر ملک کے لوگ یہی تقاضا کرتے تھے کہ اشیاء برآمد میں زیادتی ہو اور اشیاء درآمد میں کمی کی جائے۔کیونکہ اوّل الذکر کی زیادتی سے زرنقد

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ہاتھ آتا ہے اور موخرالذکر کی زیادتی سے ہاتھ سے جاتا ہے۔ اس غرض کے حصول کے لیے بہت سی تجاویز عمل میں لائی جاتی تھیں۔ برآمد کی مقدار بڑھانے کے لیے انعام دیئے جاتے تھے اور درآمد کی مقدار کو کم کرنے کے لیے طرح طرح کے محصول لگائے جاتے تھے۔ اس طرح مختلف ممالک کے درمیان بجائے اتحاد کے اختلاف پیدا ہوتا تھا۔ اس طریق عمل کو نظام تجارت کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ لیکن اب ایک مدت سے اس کا اصل مغالطہ کھل گیا ہے۔ جس کی توضیح ذیل کی مثال سے ہوسکتی ہے۔ فرض کرو کہ انگلستان اور فرانس کی باہمی تجارت سے صرف یہی مراد ہے کہ انگلستانی لوہے کا مبادلہ فرانس کے غلے سے ہوتا رہے۔ نیز فرض کرو کہ فرانس میں ۲۷ من لوہا پیدا کرنے کے لیے اس قدر محنت اور سرمایہ درکار ہے جس قدر بیس من غلے کے لیے۔ مگر ولایت میں اس قدر سرمایہ اور محنت درکار ہے جس قدر دس من غلہ کے لیے۔ اس لیے لوہے کی قدر بلحاظ غلے کے فرانس میں انگلستان کی نسبت دگنی ہے۔ اب اگر انگلستان اور فرانس اور دونوں اشیاء کا باہمی مبادلہ کریں تو دونوں کے حق میں مفید ہوگا۔ اگر فرانس ولایت کے ہر ۲۷ من لوہے کے واسطے ۱۵ من غلہ مبادلے میں دے تو انگلستان کو ۵ من غلہ منافع میں رہے گا۔ علیٰ ہذا القیاس فرانس کو بھی فائدہ ہوگا۔ کیونکہ فرانس ۲۷ من لوہا خود پیدا کرے تو اسے اسی قدر محنت اور سرمایہ صرف کرنا پڑے گا جس قدر ۲۰ من غلے کے پیدا کرنے کے لیے درکار ہے۔ مفروضہ صورت میں اس کو صرف ۵ من غلہ دینا پڑے گا۔ اس لیے دونوں فائدے میں رہیں گے اور کسی کا بھی نقصان نہ ہوگا۔

اس مثال سے یہ واضح ہوتا ہے کہ خارجی تجارت کے فوائد حاصل کرنے کے لیے یہ ضروری شرط ہے کہ اشیاء متبادلہ کی قدر اضافی ہر دو ممالک میں مختلف ہو، ورنہ تجارت مذکور کا کچھ فائدہ نہ ہوگا، بلکہ اخراجات بار برداری ضائع ہوں گے۔ مذکورہ اختلاف خارجی تجارت کی مقام شرط ہے اور اصطلاحاً اختلاف مصارف متقابلہ کہلاتا ہے۔ لیکن بعض اہل الرائے کہتے ہیں کہ خارجی تجارت کی اس مقدم شرط سے دو مفرت رساں نتیجے پیدا ہوتے ہیں جن سے گریز نہیں کیا جاسکتا۔

۱۔ اگر خارجی تجارت اختلاف مصارف متقابلہ پر مبنی ہے تو ممکن ہے کہ بعض ممالک کو دیگر ممالک سے ایسی اشیاء حاصل کرنے میں فائدہ ہو جن کو وہ خود نسبتاً کم مصارف پر پیدا کرسکتے ہیں۔

۲۔ ممکن ہے کہ بعض ممالک خاص خاص اشیاء کا پیدا کرنا ترک کردیں جن کے لیے وہ قدرتاً یا دیگر اسباب کی وجہ سے نسبتاً زیادہ موزوں ہیں اور یہ سمجھیں کہ ان خاص اشیاء کو دیگر ممالک سے تبادلے میں حاصل کرنا زیادہ مفید ہے۔ ان ہر دو نتائج کا مفہوم ایک مثال سے واضح کیا جاسکتا ہے۔ فرض کرو کہ الف اور ب دو مختلف ممالک ہیں اور ن اور ق دو اشیاء ہیں جن کے پیدا کرنے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کے لیے ہر ملک بجائے خود ایک خاص قابلیت رکھتا ہے نیز فرض کرو کہ الف کی قوت پیداوار ۲ن یا ۳ ق ہے اور ب کی ان یا ۲ ق ہے ظاہر ہے کہ اگر دونوں کے درمیان کوئی تبادلہ نہ ہو تو کل پیداوار ۳ن+۵ ق ہوگی۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ ن ق سے قدر میں زیادہ ہے۔ کیوں کہ ملک الف میں دونوں کے پیدا کرنے کے لیے اس قدر محنت اور سرمایہ درکار ہے جس قدر ۳ ق کی پیدائش کے لیے اور ملک ب میں ایک ن کی پیدائش کے لیے اس قدر سرمایہ درکار ہے جس قدر ۲ ق کے لیے۔ لہٰذا ملک الف کے لیے تجارتی لحاظ سے بھی مناسب ہے کہ وہ صرف ن ہی پیدا کرے اور ب کے لیے یہی مناسب ہے کہ وہ صرف ق ہی پیدا کرے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ظاہر ہے کہ ملک الف کو دونوں اقسام کی اشیاء کی پیدائش میں سہولت ہے اور نیز ق کی پیدائش میں بہ نسبت ن کے اس کو زیادہ سہولت ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ ان نتائج کو کسی حد تک تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ تمام خارجی تجارت اس قسم کی نہیں ہوتی جیسی کہ مثال بالا میں فرض کی گئی ہیں۔ بالعموم ہر ملک ایسی اشیاء ہی تبادلے میں لیتا ہے جن کا پیدا کرنا قدرتی طور پر یا دیگر اسباب کی وجہ سے اس ملک کے لیے مشکل ہو۔ پس خارجی تجارت کا سب سے پہلا فائدہ یہ ہے کہ اس سے ہر ملک مستفید ہوتا ہے۔ علاوہ اس کے کئی دیگر فوائد بھی اس سے پیدا ہوتے ہیں جو مختصراً مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ خارجی تجارت کی وساطت سے ہر ملک کو بغیر کاوش کے ایسی اشیاء دستیاب ہو سکتی ہیں جن کو یہ بغیر دقت کے پیدا نہ کر سکتا۔

۲۔ خارجی تجارت انقسام محنت کی ایک صورت ہے جس سے ہر ملک ان اشیاء کی تیاری میں اپنا سرمایہ صرف کرتا ہے جن کے پیدا کرنے کے لیے وہ خصوصیت سے موزوں ہے اور جن کی تیاری سے فائدہ کی زیادہ سے زیادہ مقدار حاصل ہو۔

۳۔ خارجی تجارت کی وساطت سے اشیاء کی فروخت کے لیے منڈیاں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔

۴۔ خارجی تجارت کی وساطت سے مختلف اقوام کے دستکار اپنی اپنی ہنرمندی میں بے انتہا ترقی کر سکتے ہیں۔

۵۔ خارجی تجارت سے مختلف اقوام کا میل جول ہوتا ہے جس سے کئی ایک تمدنی اور اخلاقی فوائد پیدا ہوتے ہیں۔

خارجی تجارتی کی عام خصوصیات اور فوائد بیان کرنے کے بعد اب ہم اصل سوال کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ یعنی وہ کون سے شرائط ہیں جن کے لحاظ سے خارجی تجارت کا منافع تبادلے کے مختلف فریقوں کے درمیان تقسیم ہوتا ہے؟ یا بالفاظ دیگر یوں کہو کہ خارجی تجارت کی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

خصوصیات ان اشیاء کی قدر پر کس طرح اثر کرتی ہیں جو اس تجارت کا مقصود ہیں؟ یا مختصراً شرح تبادلہ کن اسباب سے متعین ہوتی ہے؟

تجارت بین الافراد کی صورت میں یہ معلوم کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ فریقین تبادلہ کے درمیان شرح تبادلہ کیا ہوگی۔ اس مشکل کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں پورے حالات معلوم نہیں ہوتے اور نہ ہو سکتے ہیں۔ بھلا ہمیں کس طرح علم ہوسکتا ہے کہ ایک خاص فرد کو کسی خاص شے کی کس قدر شدید ضرورت ہے۔ لیکن تجارت بین الاقوام کی صورت میں اقوام کی ضروریات کا اندازہ کس قدر ہوسکتا ہے۔ لہٰذا تجارت کی اس خاص صورت میں بھی بشرطیکہ مختلف مما لک کے درمیان سرمایہ، محنت اور تجارتی اشیاء بلا روک ٹوک آ جاسکتی ہوں۔ تعین قدر کا وہی پہلا اصول صحیح معلوم ہوتا ہے یعنی شرح تبادلہ تجارت بین الاقوام کی صورت میں بھی اس مساوات پر منحصر ہے جو مختلف اقوام کی طلب و رسد اشیاء کے درمیان ہو۔ مثلاً وہ ملک ہیں الف اور ب۔ مقدم الذکر لوہا پیدا کرتا ہے اور موخر الذکر شراب۔ ظاہر ہے کہ اگر الف کو شراب کی زیادہ ضرورت ہے اور ب کو لوہے کی اس قدر ضرورت نہیں ہے، تو شراب کی تھوڑی سی مقدار کے عوض میں ب کو بہت سی مقدار لوہے کی دینی ہوگی۔ اس واسطے یہ ممکن ہے کہ کوئی ملک دیگر مما لک سے ایسی اشیاء حاصل کرتا رہے جن کو یہ خود نسبتاً کم مصارف پر پیدا کرسکتا ہے۔ بشرطیکہ اس کا اپنا سرمایہ اور محنت ایسی اشیاء کے پیدا کرنے میں صرف ہوتے رہیں۔ جن کے پیدا کرنے کے لیے یہ خصوصیت سے موزوں ہے۔ پس ایسی اشیاء کی قدر جن کو ہم دوسرے ملک سے تبادلے میں حاصل کرتے ہیں ان مصارف پر منحصر نہیں ہے، جو ان اشیاء کو اپنے ملک میں پیدا کرنے سے ہمیں ادا کرنے پڑتے اور نہ یہ ان مصارف پر منحصر ہے جو اس ملک کو ادا کرنے پڑتے ہیں جہاں یہ پیدا کی جاتی ہیں۔ بلکہ یہ قدر ان اشیاء کے مصارف پیدائش پر منحصر ہے جو ہمیں ان کے عوض میں (کرایہ بار برداری کو ملحوظ رکھ کر) دیگر مما لک کو تبادلے میں دینے پڑتے ہیں۔ مثلاً اُوپر کی مثال میں ملک الف میں شراب کی قدر اس لوہے کے مصارف پیدائش پر منحصر ہے جو شراب مذکور حاصل کرنے کی غرض سے تبادلے میں دیا جاتا ہے۔

عام صورتوں میں تو یہ صحیح ہے کہ شرح تبادلہ قانون طلب و رسد کی رو سے ہی متعین ہوتی ہے مگر جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ تجارت بین الاقوام میں چند ایک ایسی خصوصیات ہیں جن سے یہ قانون متاثر ہوتا ہے۔

اوّل یہ کہ بعض اوقات فریقین تبادلہ آپس میں اتفاق کر کے ایک خاص شرح تبادلہ مقرر کر لیتے ہیں۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

دوم۔ اگر اشیاء متبادلہ کی پیداوار قانون تقلیل حاصل کے تابع ہو، تو جب ان کی پیداوار ایک ملک میں نقطۂ تقلیل تک پہنچ جائے گی تو دیگر ممالک ضرورت سے مجبور ہو کر اسی شے کو پیدا کرنے کی کوشش کریں گے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ تجارت بین الاقوام کا دائرہ دن بدن تنگ ہوتا جائے گا۔ جس سے شرح تبادلہ پر ایک نمایاں اثر ہوگا۔

سوم، بعض حالات یعنی بُعد مسافت اور کثرت مصارف بار برداری وغیرہ کی وجہ سے مختلف اقوام کے درمیان تجارتی مقابلہ مفقود ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس کی موجودگی یا عدم موجودگی سے اشیاء تجارتی کی قدر میں تغیر آ جاتا ہے۔ مثال کے لیے فرض کرو کہ فرانس میں نہایت عمدہ کاغذ تیار ہوتا ہے جو ہندوستان اپنی اشیاء کے تبادلے میں اس سے لیتا ہے۔ نیز فرض کرو کہ دیگر ممالک بعض وجوہ سے اس صنعت میں فرانس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس صنعت سے فرانس خاصتہً فائدہ اٹھائے گا۔ مگر جب اور قومیں فرانس کا مقابلہ کرنے کو آمادہ ہو جائیں گی اور کاغذ تیار کریں گی، تو ظاہر ہے کہ کاغذ کی قدر میں فرق آ جائے گا اور ہندوستان کو اس مقابلے کی وجہ سے فائدہ ہوگا۔

چہارم۔ بعض اوقات ایسے موانع پیش آ جاتے ہیں کہ دو مختلف ممالک کے تجار کو تبادلہ اشیاء میں مشکلات ہوتی ہیں مثلاً کثرت مصارف بار برداری، دلالوں کی دلالی اور محصول درآمد و برآمد۔ ان اسباب سے اشیاء کی قدر میں تغیر آ جاتا ہے اور تجار کے فائدے میں کمی ہو جاتی ہے۔ لہٰذا یہ اسباب بھی شرح تبادلہ پر اپنا اثر کئے بغیر نہ رہیں گے۔ غرض کہ اس قسم کے بعض اسباب اور بھی ہیں جو شرح تبادلہ پر اثر کرتے ہیں۔ مگر یاد رکھنا چاہیے کہ قانونِ کلیہ طلب و رسد ان اباب کے اثر سے باطل نہیں ہو جاتا۔ ہاں اس کا عمل ان کے اثر سے متاثر ضرور ہوتا ہے۔ ابھی حال ہی کا ذکر ہے ولایتی شکر ہمارے ملک میں اس کثرت سے آنی شروع ہوگئی کہ ایک روپے کی پانچ سیر بکنے لگی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے ملک میں لوگوں نے گنوں کی کاشت ہی چھوڑ دی۔ کیونکہ ولایتی شکر دیسی شکر سے مقابلتًا سستی ملتی تھی۔ یہ حالت دیکھ کر سرکار ہند نے ولایتی شکر پر اب اس قدر محصول درآمد لگا دیا ہے کہ یہ ہماری دیسی شکر سے سستی نہ بک سکے گی۔ اس مثال سے صاف ظاہر ہے کہ ہمارے ملک میں ولایتی شکر کی تعیین قیمت قانون طلب و رسد کا اس قدر دخل نہیں ہے جس قدر کہ سرکار دولت مدار کے حاکمانہ فعل کا۔

اس ضمن میں یہ بیان کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جب دو ممالک آپس میں تجارت کرتے ہیں تو بسا اوقات ایک ملک دوسرے ملک کا زیر بار ہو جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ہے کہ زیر بار شدہ ملک کی اشیاء برآمد و درآمد کے درمیان مساوات قائم نہیں رہتی۔ کیونکہ اس کو نہ صرف اپنی درآمد کے عوض میں اشیاء بھیجنی پڑتی ہیں۔ بلکہ اپنے قرض کی ادائیگی میں یا تو اپنی اشیاء برآمد میں زیادتی کرنی پڑتی ہے یا مزید روپیہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ اس وجہ سے ایک ملک میں روپیہ کی مقدار بڑھتی جاتی ہے اور دوسرے میں کم ہوتی جاتی ہے۔ جہاں روپے کی مقدار بڑھتی ہے وہاں اس کی قدر کم ہوتی ہے اور اشیاء کی قیمت بڑھتی ہے۔ لہٰذا وہاں اشیاء کی فروخت سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کی برآمد اس کی درآمد سے بہت زیادہ ہے۔ چونکہ ہم اپنی ضروریات کے لیے انگلستان کے محتاج ہیں اس واسطے ہم زیر بار ہیں۔ علاوہ اس کے ہم کو سلطنت ہند کے مصارف، حکام کی تنخواہیں اور فوجی اخراجات وغیرہ ادا کرنے پڑتے ہیں۔ لہٰذا ہمارا ملک دن بدن زیادہ سے زیادہ زیر بار ہوتا جاتا ہے۔ مزید برآں ہمارے ملک میں کئی وجوہ کے باعث (مثلاً خارجی حملہ آوروں کا ہندوستان کی قدیم جمع کردہ دولت کو لوٹ کر لے جانا، اخیر کے مغلیہ بادشاہوں کی عیاشی، عوام کی ناعاقبت اندیشی اور کمی تعلیم کی وجہ سے روپیہ کی اصل حقیقت سے بے خبری وغیرہ) سرمائے کی مقدار کم ہے۔ انگلستان کے قبضے میں سرمائے کی بے انتہا مقدار ہے، اس واسطے ہمارے مالک میں رفاہ عام کے کاموں مثلاً آب پاشی وغیرہ میں بھی اس ملک کا سرمایہ صرف ہوتا ہے جس سے انگلستان فائدہ عظیم اٹھاتا ہے۔ اگرچہ ہم کو بھی اس سے فائدہ پہنچتا ہے، جس کی تشریح اس کتاب کے کسی اور باب میں کی گئی ہے۔

چونکہ انگلستان کے مصارف ہمیں پونڈوں میں ادا کرنے پڑتے ہیں، اس واسطے چاندی کی قدر میں تنزل آ جانے کی وجہ سے ہمیں اور بھی نقصان ہوا کرتا تھا۔ لیکن اب اجرائے سکہ طلائی کے باعث اس مشکل کا اندیشہ نہیں رہا۔ مگر ہمارے نقصان کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہمارا ملک صنعت و حرفت کے میدان میں بہت پیچھے ہے اور اہل ملک بسبب کمی تعلیم کے اس ضرورت کو محسوس نہیں کر سکتے۔ ہم صرف وہی اشیاء پیدا کرتے ہیں جو قانون تقلیل حاصل کے زیر اثر ہیں اور صنعتی اشیاء کے لیے دیگر ممالک کے محتاج ہیں۔ گزشتہ چند سالوں سے ہم نے جاپان کی تقلید کر کے صنعت کی طرف کچھ توجہ کی ہے۔ امید ہے کہ یہ تحریک مفید ثابت ہوگی اور اہل ملک کے لیے ہر پہلو سے نتیجہ خیز ہوگی۔ اگرچہ ہم فی الحال اس قابل تو نہیں کہ ہمارے ملک کی تیار کردہ اشیاء یورپ کے بازاروں میں بک سکیں۔ تاہم ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ ہمارے ہندوستانی بھائی بارہ لاکھ کے قریب مختلف بیرونی جزائر مثلاً ماریشس، گائینا، فجی، ٹرینیڈاڈ وغیرہ میں آباد ہیں، جن کے ساتھ تجارتی تعلقات قائم کرنے سے ہمارے ملک کے تاجر بے انتہا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

باب۳

زرنقد کی ماہیت اوراس کی قدر

تبادلہ اشیاء انقسام محنت کا لازمی نتیجہ ہے۔مختلف ممالک بالعموم وہی اشیاء پیدا کرتے ہیں جن کی پیدائش کے لیے ان کی آب وہوا اور دیگر حالات بالاختصاص موزوں ہوتے ہیں اور اپنی ذاتی ضرورت کی چیزیں ان اشیاء کے تبادلے میں دیگر ممالک سے حاصل کر لیتے ہیں۔اس قسم کے تبادلے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اشیاء کی قدر کا ایک خاص معیار معین کیا جائے۔کیونکہ محض مبادلے سے کام نہیں چل سکتا۔اگر کسی کفش ساز کو ٹوپی کی ضرورت ہو تو ظاہر ہے کہ اسے کسی ایسے کلاہ ساز کی تلاش کرنی چاہیے جس کو جوتی کی ضرورت ہو ورنہ اس کی ضرورت کا پورا ہونا ممکن ہے۔لہٰذا کسی خاص شے کا تعین بطور معیار قدر ضروری ہے،جس کو ہر فرد تبادلے میں قبول کر سکے۔ مختلف زمانوں اور مختلف قوموں میں اس غرض کے لیے مختلف اشیاء استعمال کی گئی ہیں۔مثلاً نمک، چاول، چائے وغیرہ۔مگر چونکہ ان کے استعمال میں صدہا دقتیں تھیں،اس واسطے ضرورت نے خود بخود ایک ایسی شے دریافت کر لی جو اس غرض کو بوجہ احسن پورا کر سکتی ہے۔ظاہر ہے کہ اس غرض کو پورا کر سکنے کے لیے کوئی اس قسم کی شے ہونی چاہیے جو

۱۔ذاتی قدر رکھتی ہو۔
۲۔آسانی سے منتقل ہو سکتی ہو۔
۳۔پرانی ہو جانے سے اس کی قدر میں تغیر نہ آ سکتا ہو۔
۴۔چھوٹے چھوٹے حصوں میں منقسم ہو سکتی ہو۔
۵۔تھوڑی مقدار میں قدر زیادہ رکھتی ہو۔
۶۔اس کی قدر بالعموم یکساں رہتی ہو۔
۷۔اس کا کھرا کھوٹا ہونا جلدی پرکھا جا سکتا ہو۔
۸۔اس کے سکے آسانی سے بن سکتے ہوں۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ یہ تمام اوصاف بطریق احسن چاندی اور سونے میں پائے جاتے ہیں۔ لہٰذا دنیا کی مہذب قوموں نے انہی دو دھاتوں کو بطور معیار قدر اختیار کر لیا، جس سے تبادلے کی دقتیں مفقود ہو گئیں۔ ذرا خیال تو کرو اگر حروف نہ ہوتے، تو خیالات انسانی کے اظہار میں کس قدر دقت ہوتی۔ سونے چاندی کو اشیاء سے وہی علاقہ ہے جو حروف کو ہمارے خیالات سے ہے۔ لہٰذا اس معیار کا دریافت ہونا تمدن انسانی کی تاریخ میں ایجاد حروف سے کم وقعت نہیں رکھتا۔

فرض کرو کسی شراب فروش کو روٹی کی ضرورت ہے اور وہ ایک نان فروش سے کہتا ہے کہ مجھ سے شراب لے لو اور مبادلے میں مجھے روٹی دے دو۔ مگر ممکن ہے کہ نان فروش کو یا تو شراب کی ضرورت ہی نہ ہو یا اگر ہو تو اتنی شراب کی ضرورت نہ ہو جس کی قدر روٹی کی قدر کے مساوی ہو۔ شراب فروش روٹی لے لیتا ہے اور مبادلے میں نان فروش کو اس قدر شراب دے دیتا ہے جس قدر کہ اس کو ضرورت ہے اور بقایا حساب کو بے باق کرنے کے لیے مذکورہ بالا معیار قدر کی کچھ مقدار ادا کر دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر نان فروش کو شراب کی مطلق ضرورت نہ ہوتی تو شراب فروش کو معیار قدر کی زیادہ مقدار ادا کرنی پڑتی۔ اب فرض کرو کہ نان فروش کو شراب کی مطلق ضرورت نہیں ہے بلکہ اسے کپڑے کی ضرورت ہے۔ معیار قدر کی وہ مقدار جو اس نے شراب فروش سے حاصل کی ہے جیب میں ڈال کر بزاز کی دکان پر جاتا ہے اور وہاں سے وہ شے حاصل کرتا ہے جس کی قدر اس روٹی کی قدر کے مساوی ہے جو اُس نے شراب فروش کے پاس فروخت کی تھی یا بالفاظ دیگر یوں کہو کہ جو شے اس کو شراب فروش کی طرف سے واجب الادا تھی وہ بزاز نے مہیا کر دی۔ لفظ واجب الادا پر غور کرو کیونکہ اس لفظ میں زر نقد کی پوری حقیقت یا ماہیت مخفی ہے۔ مثال بالا سے واضح ہوتا ہے کہ جب مبادلہ غیر مساوی ہو تو معیار قدر یا زر نقد کی ضرورت پڑتی ہے۔ گویا زر نقد یا معیار قدر اس حق کو علامت ہے جو مبادلہ غیر مساوی کی صورت میں ایک فریق کو دوسرے فریق پر حاصل ہے۔ زمانہ حال میں اس معیاقدر کو زر نقد سے تعبیر کرتے ہیں اور دنیا کی تمام مہذب اقوام نے اس کو اس قسم کے حقوق کی علامت قرار دیا ہے۔ پس زر نقد اس حق کی علامت ہے جو اس شخص کو حاصل ہے جس نے کسی اور شخص کو کوئی شے دی ہے یا اس کی کوئی خدمت کی ہے اور اپنی خدمت یا شے کے مبادلے میں شخص مذکور سے کوئی مساوی القدر شے حاصل نہیں کی یا کوئی مساوی القدر خدمت نہیں لی۔ اس تعریف سے یہ اصول قائم ہوتا ہے کہ زر نقد کی وہ مقدار جو کسی ملک میں متداول ہو حقوق کی اس مقدار کی علامت ہے جو زر نقد کی عدم موجودگی کی صورت میں اس ملک کے درمیان واجب

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

الاداہوتی یا بطور نتیجہ یوں کہو کہ جس ملک میں یہ حقوق نہیں ہیں وہاں کسی معیار قدر کے تداول کی ضرورت نہیں ہے۔

زرنقد کی ماہیت کی مزید توضیح کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم اعتبار یا ساکھ کے ساتھ اس کا مقابلہ کریں۔ ساکھ کیا ہے؟ فرض کرو کہ مجھے ایک شے کی ضرورت ہے، لیکن اس کی خرید کے لیے میرے پاس روپیہ موجود نہیں ہے۔ اگر اس شے کے بیچنے والوں کی نگاہوں میں میں ایک معتبر آدمی ہوں تو وہ لوگ میرے اعتبار پر مجھ کو میری ضرورت کی چیز دے دیں گے۔ گویا میں اپنے اعتبار کی وساطت سے وہ شے حاصل کرلوں گا جو زرنقد کی وساطت سے حاصل ہوتی۔ بالفاظ دیگر یوں کہہ کہ وعدہ ادائیگی بھی وہی کام دے سکتا ہے جو زرنقد دیتا ہے جس طرح زرنقد کی ادائیگی ایک قسم کے حق کا تحویل کرنا ہے اس طرح اعتبار کی وساطت سے اشیاء ضرورت کا حاصل کرنا بھی ایک حق کا تحویل کرنا ہے۔ یعنی جس شخص سے میں نے کوئی شے اعتبار پر لی ہے۔ اگر عندالطلب یا کسی مقررہ معیاد کے بعد اس کو کوئی مساوی القدر شے اس شے کے تبادلے یا مبادلے میں نہ دوں گا تو اس شخص کو یہ حق ہوگا کہ وہ قانونی چارہ جوئی کرکے مجھ سے وہ رقم یا شے وصول کرلے۔ مختصراً یوں کہو کہ زرنقد کی طرح اعتبار بھی قوت خرید کا نام ہے اور دونوں ایک قسم کے حقوق ہیں۔ اس تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ زرنقد اور اعتبار کی ماہیت ایک ہی ہے اور زرنقد اعتبار ہی کی ایک وسیع اور عام ترصورت کا نام ہے۔ لیکن باوجود اس امر کے ان کے درمیان ایک باریک فرق ہے، جس کا سمجھنا نہایت ضروری ہے۔ علم الاقتصاد میں تمام زرنقد اعتبار ہے۔ لیکن اس قضیے کا عکس سادہ یعنی تمام زرنقد ہے صحیح نہیں ہے۔ کوئی شخص کسی دکاندار کو اس بات پر مجبور نہیں کرسکتا کہ وہ کسی شے کو زرنقد کے عوض میں یا اعتبار پر فروخت کرے۔ پس جب کوئی شخص کسی شے کے عوض میں زرنقد یا روپے کی کوئی مقدار لیتا ہے تو حقیقت میں یہ اعتبار ہی کی ایک صورت ہوتی ہے۔ کیوں کہ اگر اسے یقین نہ ہو کہ میں اس زرنقد کے عوض میں اور اشیاء لے سکوں گا۔ تو وہ اس زرنقد کو کبھی قبول نہ کرے۔ مگر فرض کرو کہ ایک سودا ہوا ہے۔ یعنی ایک شخص نے کسی دوسرے شخص سے کوئی شے قرض خریدی ہے۔ عدل اس امر کا متقاضی ہے کہ مقروض کو اس بات کی اجازت ہو کہ وہ اپنے قرض خواہ کو اپنے قرض کی ادائیگی میں کوئی شے قبول کرنے پر مجبور کرسکے۔ اگر قرض خواہوں کو یہ اختیار ہوتا کہ اپنے قرضوں کی ادائیگی میں جو شے چاہیں قبول کریں تو خیال کرو کسی قدر دقت کا سامنا ہوتا۔ پس ہر ملک کا قانون یہ اصول وضع کرتا ہے کہ اگر کسی نے کچھ قرض لیا ہو تو مقروض اپنے قرض کی ادائیگی میں اپنے قرض خواہ کو کوئی خاص شے قبول کرنے پر مجبور کرسکتا ہے۔ یہ خاص شے جس کو ادائیگی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

قرض کی صورت میں مقروض قرض خواہ کو قبول کرنے پر مجبور کر سکتا ہے، اصطلاحاً نقد قانونی کہلاتی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ ظاہر ہے کہ بعض صورتوں میں بعض اشیاء نقد قانونی ہیں اور بعض میں نہیں۔ انگلستان میں سکہ طلائی ہر صورت میں نقد قانونی ہے۔ لیکن چاندی کا سکہ صرف ۴۰ شلنگ تک ہی نقد قانونی ہے یعنی اگر قرض ۴۰ شلنگ سے زیادہ ہو تو قرض خواہ کو اختیار ہے کہ اس سکے کو قبول نہ کرے۔ اگر اس سے کم ہو تو مقروض اسے قانوناً مجبور کر سکتا ہے کہ وہ سکہ سیمیں کو اپنے قرض کی ادائیگی میں قبول کرے۔ مندرجہ بالا تحقیقات سے واضح ہوتا ہے کہ زر نقد تجارت اقوام میں تین ضروری مقاصد کو پورا کرتا ہے۔

۱۔ تبادلہ اشیاء کا ایک وسیلہ ہے۔ جوں جوں تجارت اقوام زیادہ پیچیدہ صورتیں اختیار کرتی جاتی ہے توں توں زر نقد کے استعمال کا یہ مقصد زیادہ واضح اور نمایاں ہوتا جاتا ہے جیسا کہ ہم اُوپر لکھ آئے ہیں تبادلہ اشیاء کے لیے اس کا وجود ایسا ہی ضروری ہے جیسا اظہار خیالات کے لیے زبان کا استعمال۔ تمام ملکوں میں ٹکسالیں قائم ہیں جہاں ارکانِ سلطنت کے اہتمام سے سونے چاندی کے سکے بنائے جاتے ہیں اور ان کی ہر دو طرف وہاں کے شاہی نشانات وغیرہ لگائے جاتے ہیں اور ان سکوں کے بل پر دنیا کی تجارت کا دھندا چلتا ہے۔

۲۔ زر نقد کا دوسرا مقصد پہلے مقصد سے بطور نتیجے کے پیدا ہوتا ہے۔ یعنی یہ اشیاء کی قدر کا معیار ہے۔ لیکن یہاں ایک اور ضروری سوال پیدا ہوتا ہے۔ یعنی زر نقد کی ذاتی قدر کس امر پر منحصر ہے؟ اس سوال کا جواب دینے سے پیشتر یہ ضروری ہے کہ ہم اصطلاح ''زر نقد کی قدر'' کا مفہوم ذہن نشین کر لیں۔ کیونکہ مل صاحب نے اس اصطلاح کے سمجھنے میں ایک غلطی کھائی ہے، جو اوروں کو بھی دھوکے میں ڈال سکتی ہے۔ تم کو معلوم ہے کسی شے کی قیمت سے مراد اس شے سے ہے جس کا اندازہ زر نقد یا اعتبار سے کیا جاتا ہے پر زر نقد کی قدر سے مراد کسی اور شے سے ہے جو اس زر نقد کے عوض میں دی جائے۔ مثلاً کوئی مادی شے یا خدمت ملازمین یا کوئی اور حق ملکیت کا یا کوئی قرضہ وصول کرنے کا۔ اگر زر نقد کی ایک خاص مقدار کے عوض میں کسی شے کی بہت سی مقدار ملے تو ظاہر ہے کہ زر نقد کی قدر زیادہ ہے۔ کیونکہ اس کے عوض میں دیگر اشیاء کی زیادہ مقدار حاصل ہوتی ہے۔ لیکن اگر اس کے عوض میں دیگر اشیاء کی کم مقدار حاصل ہو تو ظاہر ہے کہ زر نقد کی قدر کم ہے۔ پس معلوم ہوا کہ زر نقد کی قدر اور قیمت اشیاء کے درمیان نسبت معکوس ہے یعنی اگر زر نقد کی قدر زیادہ ہو تو قیمت اشیا کم ہوتی ہے اور اگر قیمت اشیاء زیادہ ہو تو زر نقد کی قدر کم ہوتی ہے۔ لیکن مادی اشیاء کی طرح حقوق (مثلاً کسی شخص سے کوئی خاص رقم وصول کرنے کا حق وغیرہ) قرضے اور اعتبارات

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

بھی تجارت کے دائرہ میں لائے جا سکتے ہیں۔ مثلاً فرض کرو کہ الف نے ب سے پانچ سو روپے قرض لیے ہیں۔ ممکن ہے کہ ج الف کو پانچ سو روپے سے کچھ کم رقم ادا کر کے اس سے حق وصولی قرضہ خرید لیوے اور میعاد مقررہ کے بعد یا عند الطلب ب سے پانچ سو روپے وصول کر لیوے۔ لہٰذا ان حقوق اور اعتبارات کی خرید و فروخت کے لیے بھی ویسا ہی پیمانہ مقرر ہے جیسا مادی اشیاء کی خرید و فروخت کے لیے جیسے غلہ کے لیے من کا پیمانہ، کپڑے کے لیے گز کا۔ اسی طرح سہولت کے لیے زرنا مسکوک کو بھی مختلف پیمانوں میں تقسیم کیا جاتا ہے جن کو سکے کہتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس قرضوں اور اعتبارات کی خرید و فروخت کے لیے بھی ایک پیمانہ مقرر ہے۔ یعنی مبلغ سو روپے وصول کرنے کا حق جواب سے ایک سال بعد واجب الادا ہوگا۔ زر نقد کی وہ مقدار جو کسی قرض کا ایک پیمانہ خریدنے کے لیے ادا کی جائے۔ اس پیمانے کی قیمت نقد کہلاتی ہے اور اس کی خرید و فروخت کا بھی وہی حال ہے جو اور اشیاء کا۔ یعنی ایک پیمانہ قرض خرید کرنے کے لیے زر نقد کی مقدار یا قیمت نقد جس قدر کم ادا کرنی پڑے گی اسی قدر زر نقد کی قدر زیادہ ہوگی اور جس قدر زیادہ دینی پڑے گی اسی قدر اس کی قدر کم ہوگی۔ غرض کہ قرضوں اور دیگر حقوق کی خرید و فروخت میں بھی مندرجہ بالا اصول ہی صحیح ہے۔ یعنی زر نقد کی قدر اور قیمت اشیاء کے درمیان نسبت معکوس ہے۔ لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ قرضوں کی خرید و فروخت کی صورت میں معمولاً زر نقد کی قدر کا اندازہ قرضے کی اس مقدار سے نہیں کیا جاتا جو اس کے عوض میں خریدی جا سکے۔ چونکہ زر نقد قدرتاً منافع پیدا کرتا ہے۔ اس واسطے ظاہر ہے کہ کسی ایسے قرضے کی قیمت نقد جواب سے ایک سال بعد واجب الادا ہوگا، اس قرضے کی اصل مقدار سے کم ہونی چاہیے ورنہ خریدنے والے کو فائدہ ہی کیا ہوگا۔ پس زر نقد کی قدر موجودہ یا قیمت نقد منفی اصل زر یا مقدار قرضہ برابر اس منافع کے ہے جو اس قرضے کے خریدنے سے ہوتا ہے۔ اس فرق کو متی کاٹا کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اب صاف ظاہر ہے کہ جس قدر کسی قرضے کی قیمت نقد بڑھتی یا کم ہوتی ہے اسی قدر متی کاٹا بھی کم ہوتا یا بڑھتا ہے۔ لہٰذا قرضوں کی خرید و فروخت کے متعلق یہ اصول قائم ہوا کہ زر نقد کی قدر اور متی کاٹا کے درمیان نسبت مستقیم ہے، یعنی قیمت نقد کم ہو تو متی کاٹا زیادہ ہوگا اور قیمت نقد زیادہ ہو تو متی کاٹا کم ہوگا۔ مندرجہ ذیل اصول تجارت کی سب شاخوں یعنی قرضوں اور دیگر حقوق کی خرید و فروخت اور اشیاء مادیہ کی خرید و فروخت پر حاوی ہے۔

زر نقد کی قدر قیمت اشیاء کے ساتھ نسبت معکوس رکھتی ہے اور متی کاٹا کے ساتھ نسبت مستقیم۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اب تمہاری سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ اصطلاح زرنقد کی قدر کے دو مفہوم ہیں۔ اشیاء مادیہ اور حقوق وغیرہ کی خرید وفروخت میں تو اس سے مراد قیمت شے یا حق وغیرہ کی اس مقدار سے ہے جو اس کے عوض میں حاصل کی جا سکے اور قرضوں کی خرید وفروخت میں اس کا مفہوم وہ متی کا ٹا یا منافع ہے جو کسی شخص کو کوئی قرضہ خریدنے سے حاصل ہو۔

اس توضیح کے بعد ہم اپنے اصل سوال کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اسی سوال کی وجہ سے زرنقد کی بحث تبادلے کی ذیل میں آتی ہے، ورنہ دیگر اشیا کی طرح اس کا ذکر بھی باب پیدائش دولت میں کیا جاتا۔ صاف ظاہر ہے کہ زرنقد کی قدر دیگر اشیاء کی قدر کی طرح قانون طلب ورسد کے عمل سے متعین ہوتی ہے۔ تم جانتے ہو دنیا کی تجارت زرنقد کے بل پر ہی چلتی ہے۔ پس جس قدر استعمال زرنقد کے مواقع زیادہ ہوں گے، اسی قدر اس کی مانگ یا طلب بھی زیادہ ہوگی۔ ہاں جب زرنقد کا کام اور وسائل سے لیا جائے مثلاً چکوں وغیرہ سے، تو اس کی طلب کم ہو جاتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ زر کاغذی کا استعمال زرنقد کے مواقع استعمال کو کم کرتا ہے۔ کہیں اس غلطی میں نہ پڑ جانا کہ زرنقد کی مانگ یا طلب کا انحصار کسی قوم کی دولت یا اس کی سالانہ پیداوار دولت کی مقدار پر ہے۔ کیونکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر قسم کی دولت تجارت کے دائرے میں آئے۔ علیٰ ہذا القیاس اشیاء متبادلہ کی مقدار کو بھی اس مانگ سے کچھ واسطہ نہیں۔ کیونکہ بعض اشیاء کا تبادلہ صرف ایک ہی دفعہ ہوتا ہے اور بعض کا کئی کئی دفعہ ہوتا ہے۔ مزید برآں خصوصاً زراعتی ملکوں میں بسا اوقات افراد اپنا کام زرنقد کی وساطت کے بغیر مبادلہ اشیاء سے ہی چلا لیتے ہیں۔ تم شاید یہ کہو گے کہ جب کسی ملک کا سکہ کھوٹا ہو کر یا کسی اور وجہ سے کم حیثیت ہو کر اپنا اعتبار کھو بیٹھتا ہے، تو وہاں کے لوگ اس سکے سے احتراز کرنے کی خاطر مبادلہ اشیاء سے کام چلا لیتے ہیں یا ضرورت کی اشیاء ایک دوسرے سے بدل کر سکوں کے استعمال سے بچ جاتے ہیں۔ یہ خیال صحیح ہے مگر کسی ملک میں یہاں تک نوبت نہیں پہنچ سکتی کہ زرنقد کا استعمال بالکل جاتا رہے۔ ہر ملک میں بشرطیکہ وہاں کے لوگ وحشی نہ ہوں، کچھ نہ کچھ بطور زرنقد کے ضرور مستعمل ہوتا ہے۔ پس زرنقد کی طلب کسی قوم کی دولت یا اس کی پیداوار اور دولت یا اشیاء متبادلہ کی مقدار سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔ بلکہ اس کا انحصار زرنقد کے مواقع استعمال پر ہے، جو خود مختلف ممالک کی تنظیم، محنت اور دیگر حالات پر منحصر ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے کہ زرنقد کی مانگ یا طلب محض خیالی امر ہی نہیں ہے، بلکہ یہ ایک حقیقت ہے۔ تم دیکھتے ہو، لوگ روپے کے عوض میں اپنی اشیاء فروخت کرتے ہیں۔ چیزیں دیتے ہیں اور ان کے عوض زرنقد قبول کرتے ہیں۔ رسد اشیاء کی ایک معین مقدار کی صورت میں جس قدر

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

زیادہ اشیاء زرنقد کے عوض میں ملیں گی، اسی قدر زرنقد کی قدر زیادہ ہوگی یا یوں کہو کہ اشیاء کی قیمتیں کم ہوگی اور جس قدر کم اشیاء زرنقد کے عوض میں ملیں گی، اسی قدر زرنقد کی قدر کم ہوگی۔ یا یوں کہو کہ اشیاء کی قیمتیں زیادہ ہو جائیں گی۔

زرنقد کی رسد گویا ایک قسم کی قوت ہے جو زرنقد کے تجارتی مقاصد کو پورا کرتی ہے اور جو اس کی مقدار اور سرعت انتقال سے متاثر ہوتی ہے۔ جس قدر زرنقد کی مقدار زیادہ ہوگی اور جس قدر عجلت سے یہ مقدار دست بدست پھر سکے گی، اسی قدر تجارتی مقاصد باحسن وجوہ اتمام پائیں گے۔ اگر زرنقد کی رسد کم ہو جائے تو اشیاء کی قیمتیں کم ہو جائیں گی کیونکہ رسد کی کمی سے زرنقد کی قدر بڑھ جائے گی۔ علیٰ ہذاالقیاس اگر رسد زیادہ ہو جائے تو اشیاء کی قیمتیں زیادہ ہو جائیں گی کیونکہ اس صورت میں زرنقد کی قدر کم ہو جائے گی اور اس کے عوض میں اشیاء کی زیادہ مقدار ہاتھ لگے گی۔

اب زرنقد کے متعلق ایک اور ضروری امر دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ یعنی مختلف ممالک اور اقوام کے درمیان زرنقد کی مساوی تقسیم کس طرح ہوتی ہے؟ زرنقد خود بخود ایک ملک سے دیگر ممالک میں منتقل ہوتا ہے اور اس وجہ سے اس کی تقسیم مساوی طور پر ہو جاتی ہے۔ فرض کرو کہ کسی ملک (الف) میں زرنقد کی مقدار وہاں کے لوگوں کی ضرورتوں سے زیادہ ہوگئی ہے۔ ظاہر ہے کہ وہاں اشیاء کی قیمتیں بڑھ جائیں گی۔ کیونکہ زرنقد کی زیادتی سے اس کی قدر کم ہو جائے گی۔ اس صورت میں ب اپنی اشیاء ملک الف میں بھیجے گا۔ کیونکہ وہاں قیمتوں کی زیادتی کی وجہ سے فائدے کی توقع ہے۔ اس طریق سے زرنقد ملک الف سے ملک ب کی طرف منتقل ہوتا جائے گا۔ یہاں تک کہ دونوں ملکوں میں اس کی مقدار مساوی ہو جائے گی۔ لیکن ملک الف میں زرنقد کی افراط کی وجہ سے ایک اور نتیجہ بھی پیدا ہوگا۔ یعنی چونکہ اس کی قدر افراط کے سبب سے کم ہوگی، اس واسطے عام لوگوں کو زرنقد کے جمع کرنے کی تحریک ہوگی۔ مختلف اقسام کی صنعتوں میں چاندی یا سونے کا استعمال (جیسی صورت ہو) بڑھتا جائے گا۔ چاندی کے گلاس، حقوں کی منہالیں وغیرہ عام ہو جائیں گی۔ مزید برآں وہاں کے لوگ سکوں کو پگھلا کر زرنامسکوک کی صورت میں ان ممالک کی طرف بھیجنا شروع کر دیں گے جہاں سونے چاندی کی قدر زیادہ ہے۔ ایسے حالات میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر فرضاً ملک الف میں کھرے سکے کے ساتھ ایک کھوٹا یا کم وزن کا سکہ بھی جاری ہو (تم جانتے ہو مختلف ممالک کے سکوں میں کم وبیش اختلاف ہوتا ہے۔ اکثر سکے استعمال سے ہلکے ہو جاتے ہیں) تو ان دونوں میں سے کسی سکے کو جمع کرنے یا پگھلانے یا دیگر ممالک میں بھیجنے کی تحریک ہوگی؟ چونکہ اس ملک میں زرنقد کی افراط ہم نے فرض کر لی ہے، اس

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

واسطے ظاہر ہے کہ جو سکہ کھرا یا پورے وزن کا ہوگا لوگ اسی کو جمع کریں گے یا پگھلا کر دیگر ممالک میں بھیجیں گے۔ کھوٹے یا کم وزن سکوں کی نسبت خالص اور پورے وزن کے سکوں کا جمع کرنا یا دیگر ممالک کو بھیجنا زیادہ فائدہ مند ہوگا۔ کیونکہ دیگر ممالک میں سکوں کی قدر دھات کی اس مقدار سے متعین ہوتی ہے جو ان میں شامل ہو۔ اسی صداقت کو گریشم صاحب ایک اقتصادی اصول کی صورت میں یوں پیش کرتے ہیں کہ کھوٹا یا ہلکا سکہ کھرے سکے کو دائرہ استعمال سے خارج کر دیتا ہے اور خود اس کی جگہ لے لیتا ہے۔

مگر یاد رکھنا چاہیے کہ یہ اصول اسی صورت میں صادق آئے گا، جب کہ کسی ملک میں زرنقد کی مقدار لوگوں کی ضرورت سے زیادہ ہو۔ اگر ایسا نہ ہو تو ہلکے یا کھوٹے سکوں اور کھرے سکوں کی قوت خرید میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ یہ کلیہ مندرجہ ذیل حالات پر صادق آتا ہے۔

الف۔ اگر کسی ملک میں صرف ایک دھات سونے یا چاندی کا کھرا سکہ متداول ہو اور اُس کے ساتھ کوئی مغشوش کھوٹا یا ہلکا سکہ بھی متداول رہنے دیا جائے تو کچھ عرصے میں کھرے سکے کی تمام مقدار دائرہ استعمال سے خارج ہو جائے گی اور اور صرف کھوٹا سکہ ہی استعمال میں رہے گا۔ کھرے سکے کا یا تو لوگ جمع کرتے جائیں گے یا پگھلا کر رکھتے جائیں گے یا دیگر ممالک سے اشیاء ضرورت کے خریدنے میں صرف کرتے جائیں گے۔ ظاہر ہے کہ اگر کسی ملک میں گز کے دو پیمانے جاری ہوں ایک تین فٹ اور ایک دو فٹ کا تو کپڑے کے دکاندار قدرتاً دو فٹ والے پیمانے کے حساب سے اپنا کپڑا فروخت کریں گے۔ یعنی دو فٹ والا گز تین فٹ والے گز کو دائرہ استعمال سے خارج کر دے گا۔

ب۔ اگر کسی ایک ملک میں دو مختلف دھاتوں مثلاً سونے اور چاندی کے سکے ایک غیر محدود مقدار میں اکٹھے متداول ہوں اور قانونی طور پر ان کے درمیان ایک ایسی نسبت مقرر کر دی جائے جو ان کی حقیقی قدروں کی درمیانی نسبت سے مختلف ہو (یعنی کم یا زیادہ ہو) تو جس سکے کی قدر اس کی حقیقی قدر سے کم ہوگی وہ دائرہ استعمال سے خارج ہو جائے گا اور جس کی زیادہ ہوگی وہی متداول رہے گا۔ مثال کے طور پر فرض کرو کہ ایک ملک میں دو سکے غیر محدود مقدار میں متداول ہیں۔ ایک سونے کی مہر اور دوسرا چاندی کا روپیہ اور ان کی اضافی قدر اس طرح پر ہے کہ ایک مہر مساوی بیس روپے کے ہے۔ نیز فرض کرو کہ مہر کی قانونی قدر بیس روپیہ ہے یا بالفاظ دیگر بیس روپے کو چلتی ہے لیکن اس میں سونا اٹھارہ روپے کا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس چاندی کے روپے کی قانونی قدر اس کی حقیقی قدر سے کم ہے تو اس صورت میں اصول مندرجہ بالا کی رو سے روپیہ کا سکہ دائرہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

استعمال سے خارج ہو جائے گا اور صرف مہر متداول رہے گی۔ لوگ اپنی خرید وفروخت اور قرضوں کی ادائیگی قدرتاً مہر کی وساطت سے کریں گے۔ کیونکہ اس کی اصل قدر تو اٹھارہ روپے ہے اور کام بیس روپے کا دیتی ہے۔ چاندی کے سکوں کو لوگ پگھلا کر زرنامسکوک کی صورت میں جمع کریں گے یا دیگر ممالک میں بھیجیں گے۔ کیونکہ ان کی قدر دھات کی اس مقدار سے متعین ہوگی جو ان میں شامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ۱۷۶۶ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے بنگال میں چاندی کے سکے کے ساتھ سونے کا سکہ بھی جاری کیا، تو اس کا رروائی میں ناکامیابی ہوئی اور سکہ مذکور چل نہ سکا۔ کیونکہ کمپنی کی مہر کی قانونی قدر چودہ روپیہ کے برابر مقرر کی گئی تھی، جو اس کی حقیقی قدر سے بہت کم تھی۔ ۱۷۶۹ء میں کمپنی مذکور نے پھر ایک طلائی مہر جاری کی لیکن پھر ناکامی ہوئی۔ آخر کار یہ فیصلہ ہوا کہ بنگال میں صرف ایک ہی دھات کا سکہ متداول رہنا چاہیے اور اس غرض کے لیے چاندی انتخاب کی گئی۔ اب کچھ عرصہ سے سرکار ہند نے اس ملک میں سونے کا سکہ بھی متداول کر دیا ہے جس کی وجہ ابھی معلوم ہوگی۔

ج۔ مندرجہ بالا دو مقدمات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر ایک ملک میں سونے کا سکہ متداول ہو اور دوسرے میں چاندی کا، تو ان کے درمیان ایک ہی نسبت تبادلہ قائم نہیں رہ سکتی۔ بلکہ چاندی اور سونے کی قیمت کے تغیر کے ساتھ ساتھ متغیر ہوتی رہتی ہے وجہ یہ ہے کہ سکے خواہ سونے کے ہوں خواہ چاندی کے ہوں، خارجی ممالک میں اپنی حقیقی قدر کے لحاظ سے قبول کئے جاتے ہیں۔ ہمارے ملک کے روپے کی حقیقی قدر صرف گیارہ آنے کے برابر ہے۔ اگرچہ قانوناً اس کی قدر سولہ آنے کے برابر مقرر کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ ہندوستان میں تو ہر شخص اسے سولہ آنے کے عوض میں قبول کرے گا۔ لیکن کوئی وجہ نہیں کہ دیگر ممالک کے لوگ بھی اس کے عوض میں سولہ آنے ہی دیں۔ وہ اس کے بدلے اس کی حقیقی قدر یعنی گیارہ آنے ہی ادا کریں گے۔

یہ کلیہ اصول جو ہم نے بیان کیا ہے علم الاقتصاد کی کتابوں میں قانون گریشم کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس کے نتائج بڑے اہم ہیں اور یہ ایک بڑی ضروری اقتصادی بحث میں کام آتا ہے۔ محققین کے درمیان یہ بحث مدت سے چلی آتی ہے کہ آیا تمام دنیا کے ممالک کو یا کسی ایک ملک کو ایک ہی دھات کا سکہ بطور معیار قدر کے متداول رکھنا چاہیے یا اقتصادی لحاظ سے دو مختلف دھاتوں کے سکے بطور معیار قدر کے اکٹھے متداول رہ سکتے ہیں۔ ایک فریق تو یہ کہتا ہے کہ تمام ملک یا کسی ایک ملک میں اصل معیار قدر تو ایک ہی رہنا چاہیے جس سے سرکار اور تجارت کے بڑے بڑے معاملے طے ہوا کریں لیکن روز کی معمولی چھوٹی چھوٹی خرید وفروخت کے لیے اور

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

دھاتوں کے سکے متداول رہنے چاہئیں۔ دوسرا فریق یہ کہتا ہے کہ دو مختلف دھاتوں کے سکے بطور معیار قدر کے متداول رہ سکتے ہیں اور رہنے چاہئیں۔

اس طریق عمل میں اقتصادی لحاظ سے کوئی نقصان نہیں ہے۔ بشرطیکہ مختلف ممالک اتفاق کر کے دونوں دھاتوں کی اضافی قدروں کے درمیان ایک خاص نسبت مقرر کر دیں۔ اس طویل مگر ضروری بحث کو ہم یہاں چھیڑنا نہیں چاہتے، لیکن اس قدر ظاہر ہے کہ قانون مذکورہ بالا کی رو سے دونوں دھاتوں کی اضافی قدروں کے درمیان کوئی نسبت مقرر نہیں رہ سکتی بلکہ چاندی اور سونے کی قدروں کے تغیر کے ساتھ ساتھ متغیر ہوتی رہتی ہے۔ تم شاید یہ کہو گے کہ سرکار ہند نے اس صحیح اصول کے خلاف کیوں عمل کیا ہے؟ یعنی ہندوستان میں کیوں دو معیار قدر جاری ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سونے کا سکہ عام استعمال کے لیے نہیں ہے۔ ہم پہلے اشارۃً ذکر کر آئے ہیں کہ ہمیں انگلستان کو جو رقم سالانہ ادا کرنی پڑتی ہے، وہ پونڈوں کے حساب سے دینی ہوتی ہے۔ اس واسطے جب چاندی کی قدر میں کسی باعث سے کمی ہو جاتی تھی (بالعموم سونے کی نسبت چاندی کی قدر میں زیادہ تغیر آتے ہیں) تو ہمارے ملک کی مالگذاری کو نقصان پہنچتا تھا۔ کیونکہ جہاں پہلے ایک پونڈ کے عوض دس روپے دینے پڑتے تھے، چاندی کی قدر کم ہو جانے کی وجہ سے ایک پونڈ کے عوض میں ۱۵ روپے دینے پڑتے تھے۔ اس کے علاوہ بڑے بڑے تاجروں کو بھی نقصان پہنچتا تھا۔ اسی دقت کو محسوس کر کے ہماری سرکار نے یہاں بھی سونے کا سکہ جاری کر دیا۔ چونکہ یہ سکہ عام طور پر مستعمل نہیں ہے اور ہو ہی کس طرح سکتا ہے؟ کیونکہ اس ملک کے لوگ اس قدر غریب ہیں کہ یہاں کوڑیاں بھی بطور سکے کے مستعمل ہوتی ہیں۔ اس واسطے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے ملک میں ایک ہی معیار قدر یعنی چاندی کا روپیہ جاری ہے۔ اس طریق عمل سے ہم ان نقصانات سے جو ایک ہی معیار قدر کے تداول سے پیدا ہوتے ہیں مامون ہیں۔ لیکن وہ بڑے بڑے فوائد جو دو معیار قدر کے تداول سے پیدا ہوتے ہیں ہمیں حاصل ہیں۔

۳۔ تیسرا مقصد زر نقد کا یہ ہے کہ نقد مذکور ادائیگی غیر موجل کا معیار ہے۔ فرض کرو کہ الف اور ب نے آپس میں ایک معاہدہ کیا ہے۔ الف نے ب کو کسی قسم کا سامان دیا ہے اور ب اس کے عوض میں معاہدہ کرتا ہے کہ بیس سال کے بعد دس ہزار روپیہ اس سامان کے عوض میں ادا کرے گا۔ فرض کرو کہ اس عرصہ میں روپیہ کی قدر میں ایک بہت بڑا تغیر آ گیا ہے، یعنی جو چیز معاہدہ کے وقت آٹھ آنے کی بکتی تھی، اب ایک روپیہ کو ملتی ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ قرض کی ادائیگی میں الف گھاٹے میں رہے گا اور ب بہت فائدہ میں۔ اس قسم کی اور صورتوں کے لحاظ سے یہ ضروری ہے کہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

معیار قدر کوئی ایسی شے ہونی چاہیے جس کی قدر میں تغیر نہ آتا ہو یا کمی بیشی نہ ہوتی ہو۔ ایسی شے تو شاید دنیا بھر میں کوئی نہ ملے۔ ہاں بعض اشیاء کی قدر میں دیگر اشیاء کی نسبت کم تغیر آتا ہے انہی میں سے سونا اور چاندی دو دھاتیں ہیں، جو بالعموم اپنی قدر میں یکساں رہتی ہیں۔ اگرچہ بعض دفعہ ان کی قدر میں بھی تغیر ہو جانے سے دقتوں کا سامنا ہوا ہے۔ تاہم نسبتاً ان کی قدر تغیر سے آزاد رہتی ہے۔ لہٰذا یہ ان قرضوں کی ادائیگی کی صورت میں بھی کام دے سکتی ہیں جن میں مدت کو دخل ہے۔ بعض محققین ان مشکلات سے بچنے کے لیے جو زر نقد کی قدر کے تغیر سے پیدا ہوتی ہیں یہ تجویز کرتے ہیں کہ ادائیگی غیر معجّل یا ایسی ادائیگی کی صورت میں جس میں مدت کو دخل ہے، معیار قدر غلہ کو قرار دینا چاہیے۔ مگر یہ رائے قرین صواب نہیں معلوم ہوتی۔ کیونکہ عام لوگوں کو سونے چاندی کے ساتھ ایک خاص قسم کا انس اور دل بستگی پیدا ہو گئی ہے، جس کا دور کرنا مشکلات سے ہے۔ بعضوں نے ان مشکلات سے بچنے کی اور تجاویز بھی پیش کی ہیں، جن کا اس کتاب میں بیان کرنا کچھ ضروری معلوم نہیں ہوتا۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

باب ۴

حق الضرب

اس باب میں ہم ایک سوال پر بحث کرنا چاہتے ہیں جس کا فیصلہ گزشتہ اقتصادی اصولوں پر انحصار رکھتا ہے لیکن مبتدی کو خبردار رہنا چاہیے کہ یہ سوال نہایت پیچیدہ ہے اور اس کا پورا مفہوم سمجھنے میں بڑے بڑے غلط استدلالات سے کام لیا گیا ہے۔ لہٰذا اس خارستان میں قدیم رکھنے سے پیشتر اپنا دامن سنبھال لینا چاہیے اور ان تمام گڑھوں سے واقف ہو جانا چاہیے، جنہوں نے دنیا کے بڑے بڑے تجربہ کار منطقیوں اور مصنفوں کو منہ کے بل گرا دیا ہے۔ ایک محقق تحریر فرماتے ہیں کہ جو مصنف زر نقد کے خطرناک مضمون کو چھوتا ہے، وہ ہر لحظہ معرض خطر میں ہے کیونکہ استدلال اغلاط شیر اور چیتوں کی طرح اس کے گھات میں لگے رہتے ہیں۔ اس اندیشہ کو مدنظر رکھ کر ہم اس بحث کو ایک اقتصادی اصطلاح کی تشریح سے شروع کرتے ہیں۔ کیوں کہ اس دقیق مضمون کی تفہیم کے لیے یہی راہ آسان اور محفوظ معلوم ہوتی ہے۔ مبتدی کو لازم ہے کہ ہر جملے اور اصطلاح کے معانی کامل طور پر ذہن نشین کرتا جائے، ورنہ وہ اس اہم اقتصادی بحث کی غرض و غایت اور اس کے نتائج سے پوری آگاہی حاصل نہ کر سکے گا۔

ہر ملک میں یہ امر قانونی طور پر فیصلہ پاتا ہے کہ زر نامسکوک یا سونے چاندی کی کسی خاص مقدار کے کس قدر سکّے گھڑے جائیں۔ مثلاً انگلستان کے موجودہ قانون کی رُو سے ۴۰ پونڈ سونے کے ۱۸۶۹ سکّے بنائے جاتے ہیں، جو ساورن کے نام سے موسوم کئے جاتے ہیں۔ سکّوں کی یہ تعداد جن میں زر نامسکوک کی کوئی مقدار قانوناً منقسم کی جاتی ہے اس مقدار کی قیمت ضربی کہلاتی ہے۔ اس تعریف سے ظاہر ہے کہ جب تک کوئی سکّہ قانونی لحاظ سے پورے وزن کا ہو اس کی قدر ہمیشہ اپنے وزن زر نامسکوک کی قدر کے مساوی ہوتی ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ کچھ عرصہ کے روز مرّہ استعمال سے سکوں کا وزن قانونی سے کم ہو جاتا ہے۔ بالعموم خرید و فروخت میں لوگوں کو اس کی پروا نہیں ہوتی کہ کوئی سکہ وزن کا پورا ہے یا کم ہے۔ اس واسطے ممکن ہے کہ بہت عرصہ تک متداول رہنے سے بعض سکّوں کا وزن سے کم ہو جائے اور بیع و شریٰ میں ان کی قدر وہی تصور کی جائے جو

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

قانوناً مقرر ہے۔ مثلاً فرض کرو کہ کسی سکّے میں سولہ آنے کی چاندی ہے اور سولہ آنے کو ہی چلتا ہے۔ ممکن ہے کہ کثرت استعمال سے اس کا وزن کم ہو جائے یعنی اس کی چاندی پندرہ آنے کی رہ جائے لیکن بیع وشریٰ میں سولہ آنے کو ہی چلتا رہے۔ عام خرید وفروخت میں سکوں کے وزن کی کمی کچھ اثر نہیں کرتی۔ لیکن جب ان کا تبادلہ زر نامسکوک سے کیا جائے تو یہ اثر ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں زر نامسکوک اس قدر ملے گی جس قدر سکوں کا موجودہ وزن ہے۔ اگر کثرت استعمال سے ان کا وزن قانونی وزن سے کم ہو گیا ہے تو ظاہر ہے کہ زر نامسکوک کی کوئی خاص مقدار تبادلے میں لینے کے لیے سکوں کی زیادہ تعداد دینی پڑے گی۔ پس متداول سکوں کی وہ تعداد جو حقیقی طور پر زر نامسکوک کی کسی مقدار کی ہم وزن ہے۔ مقدار مذکور کی قیمت متعارف کہلاتی ہے اور چونکہ کمی وزن کی صورت میں زر نامسکوک کی کسی مقدار کے عوض میں متداول سکوں کی زیادہ تعداد دینی پڑتی ہے۔ اس واسطے ظاہر ہے کہ قیمت متعارف قیمت ضربی سے زیادہ ہوگی۔ مثلاً فرض کرو کہ چاندی کی قیمت ضربی پانچ شلنگ دو پنس اونس ہے اور قیمت متعارف چھ شلنگ ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ سکّہ متداول کے چھ شلنگ زر نامسکوک کی مقدار کے ہم وزن ہیں، جس کا ہم وزن پانچ شلنگ دو پنس کو ہونا چاہیے تھا۔ اگر ان کا وزن کثرت استعمال کے باعث قانونی وزن سے کم نہ ہو جاتا۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ زر نامسکوک کی قیمت متعارف کا اس کی قیمت ضربی سے بڑھ جانا سکّے کی کم قدر ہو جانے پر دلالت کرتا ہے۔ اس توضیح سے سکّہ زنی کے متعلق دو ضروری اصول پیدا ہوتے ہیں۔

الف۔ جب زر نامسکوک کی قیمت متعارف اس کی قیمت ضربی سے بڑھ جاتی ہے، تو اس سے صرف یہی ثابت نہیں ہوتا کہ سکّے کی قدر کم ہوگئی ہے، بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سکّہ مذکور کی قدر کہاں تک کم ہوتی ہے۔ بالفاظ دیگر یوں کہو کہ (زر نامسکوک کی قیمت متعارف ۔ زر نامسکوک کی قیمت ضربی) = اس وزن کے ہے جو سکّہ متداول کی کثرت استعمال سے زائل ہو گیا ہے۔

ب۔ قیمت ضربی کی تعریف سے مندرجہ ذیل اصول بطور نتیجے کے پیدا ہوتا ہے۔ زر نامسکوک کی قیمت ضربی کا بدلنا حقیقت میں سکوں کے قانونی وزن کا بدلنا ہے۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ زر نامسکوک کی قیمت ضربی مختلف حالات میں مختلف ہو سکتی ہے، تو یہ صریحاً غلط ہے۔ کیا اگر ایک من شراب کو جو کسی مٹکی میں رکھی ہو، بہت سے بوتلوں میں ڈال دیا جائے تو شراب کی مقدار بدل جائے گی؟ ہرگز نہیں۔ بہت سے حصوں میں منقسم ہو جانے سے اس

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کی مقدار میں فرق نہیں آ سکتا۔

اس تشریح کے بعد اب ہم اصل مطلب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔تم کو شاید معلوم ہے کہ سرکار سکّہ زنی کے متعلق ایک خاص قسم کا حق رکھتی ہے جس کو حق الضرب کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔اس حق سے مراد زرنامسکوک کی اس مقدار سے ہے جو سرکار بطور مصارف سکہ زنی کے لیتی ہے۔مثلاً فرض کرو کہ ایک روپے کے مصارف سکّہ زنی دو آنے ہیں۔سرکاری ٹکسال دو آنے وضع کرنے کی خاطر روپے میں چودہ آنے کی چاندی ڈال کر اپنے مصارف سکّہ زنی نکال لے گی۔مگر یاد رکھنا چاہیے کہ حق الضرب دو قسم کا ہوتا ہے۔

۱۔ جب کہ حق الضرب مصارف سکّہ زنی کے برابر ہو۔اس صورت میں سرکار کو کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ جس قدر سرکار کا خرچ ہوتا ہے اسی قدر اسے ملتا ہے۔بعض ممالک میں حق الضرب بالکل نہیں لیا جاتا۔مثلاً انگلستان کی ٹکسال پونڈ میں پورے بیس شلنگ کی قیمت کا سونا ڈالتی ہے۔بعض ممالک میں رعایا کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ حق الضرب ادا کر کے یا اس کے بغیر جیسا قانون ہو سرکاری ٹکسال سے اپنے سونے یا چاندی کے ٹکڑے سکوں کی صورت میں منتقل کروا لے۔ چنانچہ انگلستان میں سونے کے سکوں کے متعلق رعایا کو یہ حق حاصل ہے کہ بغیر حق الضرب ادا کرنے کے سونے کے ٹکڑوں کو ٹکسال سے پونڈوں کی صورت میں منتقل کروالیں۔۱۸۹۴ء سے پہلے ہندوستان کی رعایا کو بھی یہ حق حاصل تھا۔اب کسی خاص مصلحت کی وجہ سے جس کا ذکر ابھی آئے گا۔اس ملک کی ٹکسال رعایا کے لیے بند ہے اور سرکار صرف اسی قدر سکے بناتی ہے جس قدر اس ملک کی ضروریات کے لیے کافی ہو۔

۲۔ جب کہ حق الضرب مصارف سکہ زنی سے زیادہ ہو۔اس صورت میں سرکار سکہ زنی سے فائدہ اٹھاتی ہے۔مثلاً ہمارے ہندوستان میں روپیہ سولہ آنے پر چلتا ہے۔ حالانکہ اس میں چاندی صرف گیارہ آنے کی ہوتی ہے۔ گویا سرکار کو فی روپیہ پانچ آنے فائدہ ہوتا ہے۔علیٰ ہذالقیاس ایک پیسے میں تانبا شاید سات کوڑی کا بھی نہ ہوتا ہو۔ہم ان دونوں طریقوں پر بالترتیب بحث کریں گے۔

اوّل صورت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا کسی سکے کی قدر زرنامسکوک کی اس مقدار کی قدر کے مساوی ہونی چاہیے جو اس سکے میں شامل ہے۔ یا مقدار مذکور کی قدر میں مصارف سکہ زنی بھی شامل ہونے چاہئیں۔ بالفاظ دیگر یوں کہوں کہ اگر ایک روپیہ کے مصارف سکہ زنی دو آنے ہوں۔تو کیا روپے میں ۱۴ آنے کی چاندی ڈال کر اس کی قدر ۱۶ آنے کی برابر ہی مقرر کرنی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

چاہیے یا ۱۶ آنے کی چاندی ڈال کر اس کی قدر ۱۶ آنے کے برابر ہی مقرر کرنی چاہیے۔ ظاہر ہے کہ پہلی صورت میں سرکار کو اپنے مصارف سکّہ زنی کا بابت ۲ آنے مل جائیں گے۔ مگر دوسری صورت میں یعنی جب کہ روپے میں ۱۶ آنے کی چاندی ہو سرکار کو بطور مصارف سکّہ زنی کچھ ملے گا۔ یہ ایک بحث طلب معاملہ ہے۔ بعض حکماء کہتے ہیں کہ سرکار کو کچھ حق ضرب نہ لینا چاہیے۔ یا یوں کہو کہ ان کی نزدیک مصارف سکّہ زنی کی خاطر اس کی حقیقی قدر سے زیادہ قدر پر چلانا اقتصادی لحاظ سے مضر ہے۔ مگر بعض حکماء کے نزدیک مصارف سکّہ زنی کے برابر حق ضرب لے لینے میں کوئی ہرج نہیں۔ ان کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ ایک قینچی کی قیمت اس کے ہم وزن لوہے کی قیمت سے زیادہ ہوتی ہے، اس واسطے کوئی وجہ نہیں کہ کسی سکّے کی قدر اپنے ہم وزن زرنا مسکوک کی قدر سے زیادہ نہ ہو۔ سونا یا چاندی اپنی نامسکوک حالت میں اس قدر مفید نہیں ہوتے، جس قدر کہ سکوں کی صورت میں ہوتے ہیں۔ لہٰذا عقلاً اس امر کی مقتضی ہے کہ جب زرنا مسکوک سکوں کی صورت میں منتقل کر دیا جائے، تو اس کی قدر بھی بڑھ جائے گی، جیسا کہ لوہے کے ٹکڑے کی قدر ایک زنجیر یا تلوار کی صورت میں منتقل ہو جانے سے بڑھ جاتی ہے۔

۲۔ اگر کوئی حق ضرب نہ لیا جائے یا بالفاظ دیگر یوں کہو کہ اگر سکّے کی قدر زرنا مسکوک کی قدر کے برابر ہو جو اس میں شامل ہے، تو عوام کو جب زرنا مسکوک کی ضرورت لاحق ہوگی سکوں کو پگھلا لیا کریں گے اور جب سکوں کی ضرورت ہوگی اسی زرنا مسکوک کو سرکاری ٹکسال سے پھر سکوں کی صورت میں منتقل کرا لیا کریں گے۔ یہ عمل بار بار ہوتا رہے گا۔ جس سے سرکار کو بے جا نقصان ہوگا۔ کیونکہ سرکار کو بغیر مصارف سکّہ زنی لیے سکے بنانے پڑیں گے۔ یہ دلیل واقعی زبردست ہے مگر باوجود اس بات کے دنیا کے بعض بڑے بڑے تجارتی ملک مثلاً انگلستان وغیرہ حق ضرب نہیں لیتے۔ وجہ یہ ہے کہ اس میں بھی ایک فائدہ ہے اور وہ یہ ہے کہ جب انگلستان میں سکّے کی مقدار تجارتی ضرورتوں سے زیادہ ہو جاتی ہے (تجارتی ملکوں میں اکثر ایسا ہو جاتا ہے) تو اس افراط کے باعث ان کی قدر کم ہونے نہیں پاتی۔ یا یوں کہو کہ انگلستان میں اشیاء کی قیمتیں زیادہ نہیں ہونے پاتیں کیونکہ سکوں کی یہ غیر ضروری مقدار فوراً دیگر ممالک کی طرف خود بخود منتقل ہو جاتی ہے اور دیگر ممالک کے لوگوں کو اس کے قبول کرنے میں کوئی عذر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ عذر تو اس صورت میں ہو سکتا ہے جب کہ اس کی قدر اپنے ہم وزن زرنا مسکوک کی قدر سے زیادہ ہو۔ دیگر ممالک کے نزدیک جیسا زرنا مسکوک ویسا انگلستان کا زر مسکوک۔ مثلاً اگر کابل کے سکے میں دس آنے کی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

چاندی ہو اور وہ دس آنے پر ہی چلتا ہو۔ یا یوں کہو کہ کابل حق ضرب نہ لیتا ہو، تو ہندوستان کے لوگوں کو بشرطیکہ ان کی چاندی کی ضرورت ہو، اُسے دس آنے پر خریدنے میں کیا عذر ہوسکتا ہے؟ غرض کہ انگلستان حق ضرب نہ لینے سے زرنقد کی افراط کے برے نتائج سے بچ جاتا ہے۔ دوسری صورت میں حق ضرب چونکہ مصارف سکہ زنی سے زیادہ ہوتا ہے اس واسطے سرکار ٹکسال کے اجرا سے فائدہ اٹھاتی ہے اکثر ممالک کے بادشاہوں نے اس طریق عمل سے بے انتہا فائدہ اٹھایا ہے مگر پیشتر اس کے کہ ہم اس پر کوئی رائے زنی کریں ایک نہایت ضروری اقتصادی اصول کا ذہن نشین کرنا ضروری ہے۔ تم کو معلوم ہے کہ اشیا کی قیمت طلب و رسد کی مساوات سے متعین ہوتی ہے۔ لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ سونا اور چاندی جو اشیاء میں داخل ہیں اس کلیہ قانون کے دائرہ عمل سے خارج ہوں۔ جب سونے چاندی کی مقدار ضرورت سے بڑھ جائے گی تو ان کی قدر ضرور کم ہوگی اور جب ان کی مقدار ضرورت سے کم ہو جائے گی، تو ظاہر ہے کہ ان کی قدر زیادہ ہوگی۔ سکے جو سونے اور چاندی سے بنائے جاتے ہیں ان کا بھی یہی حال ہے کہ افراط کی صورت میں ان کی قدر کم ہوتی ہے اور کمی کی صورت میں ان کی قدر بڑھتی ہے۔ فرض کرو کہ کسی ملک میں زرنقد کی مقدار اس ملک کی تجارتی ضروریات سے بہت کم ہے۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں زرنقد کی قدر بسبب کمی رسد کے بڑھ جائے گی یا بالفاظ دیگر اشیا کی قیمت کم ہو جائے گی اور تجارتی کاروبار نہ چل سکے گا۔ لیکن اگر کسی تدبیر سے زرنقد کی موجودہ مقدار نہایت تیزی اور سُرعت کے ساتھ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل ہو سکے، تو تجارتی کاروبار بلا روک ٹوک چلتے جائیں گے اشیاء کی قیمت اصلی حالت پر عود کر آئے گی اور مزید زرنقد کی ضرورت لاحق نہ ہوگی پس ایسے ملک کے تجارتی مقاصد آسانی کے ساتھ پورے نہیں ہو سکتے، جب تک اس ملک میں زرنقد کی مقدار زیادہ نہ ہو۔ یا کوئی صورت اختیار کی نہ استعمال کی جائے یا اگر ایسا نہ ہوسکتا ہو تو کسی طرح مقدار موجودہ میں سرعت انتقال نہ پیدا ہو۔ کیونکہ سرعت انتقال بھی ایک طرح کی ازدیادی زرنقد ہے۔ جو سکہ پہلے ایک دفعہ استعمال ہوتا تھا ممکن ہے کہ سرعت انتقال کی صورت میں دس دفعہ استعمال ہو یا یوں کہو کہ اس طریق سے ایک سکہ وہی کام کرسکتا ہے جو ازدیادی زرنقد کی صورت میں دس سکوں کی وساطت سے پورا ہوتا۔

گویا زرنقد کی سرعت انتقال کا زیادہ ہونا ایک طرح سے زرنقد کی مقدار کا زیادہ ہونا یا بالفاظ دیگر زرنقد کی قدر کا کم ہونا ہے اور اشیا کی قیمت کا بڑھنا ہے علیٰ ہذا القیاس زرنقد کی قدر کی زیادتی اس کی مقدار اور سرعت انتقال اور قیمت اشیاء کی کمی پر دلالت کرتی ہے۔ لہٰذا جب کسی ملک

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

میں زرنقد کی مقدار تجارتی ضروریات سے کم ہو تو اس کا اعلاج یہی ہوسکتا ہے کہ مقدار کو زیادہ کیا جائے یا کسی تدبیر سے زرنقد کی سرعت انتقال زیادہ ہو جائے۔ لیکن جب کسی ملک میں زرنقد کی مقدار تجارتی ضروریات سے بہت بڑھ جائے یا یوں کہو کہ اشیاء کی قیمتیں بڑھ جائیں، تو اس کا کیا علاج؟ اس کا سیدھا جواب یہ ہے کہ زرنقد کی رسد کو محدود کر دیا جائے۔ ۱۸۹۴ء میں پہلے ہمارے ملک میں نئی کانوں کے دریافت ہونے اور ٹکسال کے عام طور پر کھلا ہونے سے روپے کی قدر بہت کم ہو کر ۱۳ پنس کے برابر رہ گئی تھی، جس سے ملک میں اشیاء کی قیمتیں بڑھ گئیں اور سرکار کی مالگذاری کو نقصان ہونے لگا۔ کیوں کہ جو روپیہ ہمیں انگلستان کی پنشنوں، تنخواہوں اور دیگر مصارف حکومت کی بابت دینا پڑتا ہے وہ مالگزاری میں سے ہی ادا کیا جاتا ہے۔ ایک پونڈ کے لیے جہاں پہلے دس روپے پرتے تھے چاندی کی قدر کم ہو جانے کی وجہ سے سولہ روپے دینے پڑے۔ کیونکہ ہم کو یہ روپیہ سونے کے سکّے میں ادا کرنا پڑتا ہے۔ اس کا علاج سرکار ہند نے یہ کیا کہ زرنقد کی رسد محدود کر دی یعنی ٹکسالیں بند کر دیں۔ آج کل رعایا کو یہ حق حاصل نہیں کہ چاندی کے ٹکڑے دے کر سرکاری ٹکسال سے روپیہ بنوالے۔ بلکہ سرکار ملک کی تجارتی ضرورتوں کو مدنظر رکھ کر خود روپیہ بناتی ہے۔ اس تجویز کی اگرچہ اس وقت مخالفت کی گئی تھی، لیکن اس کی عمدگی اس کے اثر سے ظاہر ہے۔ یعنی ہمارا روپیہ اب ۱۳ پنس کی جگہ ۱۶ پنس کے برابر ہو گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو شے معیار قدر مقرر کی جائے اس کی قدر کا متغیر ہو جانا تمام تجارتی انتظام کو درہم برہم کر دیتا ہے۔

فیصل وحید

غرض کہ مندرجہ بالا توضیح سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ زرنقد کی قدر اس کی رسد کی کمی بیشی پر منحصر ہے۔ رسد زیادہ ہوگی تو اس کی قدر کم ہوگی۔ اور اگر رسد کم ہوگی، تو اس کی قدر بڑھے گی۔ پس صاف ظاہر ہے کہ اگر سرکار مصارف سکہ زنی سے زیادہ حق ضرب وصول کرے تو زرنقد کی قوت خرید یعنی قدر پر اس کا کچھ اثر نہیں ہوسکتا۔ بلکہ کسی ملک کی سرکار خواہ کتنا ہی حق ضرب کیوں نہ لے زرنقد کی قوت خرید وہی رہے گی۔ کیوں کہ یہ تو صرف تبادلہ کا ایک ذریعہ ہے۔ جب تک اس کی مقدار کسی ملک کی تجارتی ضرورتوں کے مطابق ہوگی۔ کوئی وجہ نہیں کہ اس کی قدر میں کوئی تغیّر آئے۔ لہذا نتیجہ ظاہر ہے کہ زرنقد کی قدر کی کمی بیشی اس کی رسد کی کمی بیشی پر موقوف ہے۔ حق ضرب کی کمی بیشی کو زرنقد کی قدر کی کمی بیشی کے ساتھ کوئی ضروری تعلق نہیں۔ اگر روپے میں ۱۱ آنے کی جگہ ۸ آنے کی چاندی ڈالی جائے یا یوں کہو کہ سرکار ہند ۵ آنے کی جگہ ۸ آنے حق ضرب

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

لیوے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس سے روپے کی قدر میں کمی پیدا ہو۔ روپیہ بحیثیت ایک وسیلہ تبادلہ ہونے کے بدستور سولہ آنے پر چلتا رہے گا۔

پس اس باب کی ساری بحث کو مختصر الفاظ میں یوں بیان کر سکتے ہیں کہ زر نقد کی قدر کی کمی کے دو ضروری اسباب ہیں جن کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے۔

اوّل۔ زر نا مسکوک کی قیمت متعارف کا اس کی قیمت ضربی سے زیادہ ہونا جیسا کہ ابتداء میں لکھا جا چکا ہے۔

دوئم۔ اس کی رسد کا تجارتی ضرورتوں سے زیادہ ہونا ہے۔

تم کہو گے کہ اگر حق ضرب کا زیادہ ہونا اس کی قدر پر کچھ اثر نہیں رکھتا، تو پھر ایسے کسوں کے جاری کرنے میں کیا حرج ہے جن کی قدر ان کی قدر حقیقی سے زیادہ ہو۔ بیشک سرکار خواہ کتنا ہی حق ضرب کیوں نہ لے کوئی نقصان نہیں۔ صرف یہ بات ہے کہ اگر ایسا سکّہ کثرت سے جاری کیا جائے تو تجارت بیرونی پر برا اثر ہوتا ہے کیونکہ دیگر ممالک میں ایسے سکوّں کی قدر زر نا مسکوک اس مقدار کے لحاظ سے متعین ہوگی، جو ان میں شامل ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

باب۔۵

زرکاغذی

باب گزشتہ میں بیان ہو چکا ہے کہ سرکار جس قدر چاہے حق ضرب لے سکتی ہے۔ ہندوستان میں ہماری سرکار فی الحال فی روپیہ پانچ آنے حق ضرب لیتی ہے۔لیکن اقتصادی اصول کی رو سے اگر پندرہ آنے فی روپیہ بھی حق ضرب لیا جائے تو ملک کی خرید وفروخت کو کچھ نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ روپیہ فی الحقیقت تبادلہ اشیاء کا ایک ذریعہ ہے۔جس کی قدر دیگر اشیاء کی طرح رسد اور طلب کی درمیانی مساوات سے متعین ہوتی ہے۔مختلف ممالک میں حق ضرب کی مقدار مختلف ہوتی ہے۔بعض جگہ پانچ فی صد بعض جگہ دس فی صد۔لیکن کیا سکّے کی کوئی ایسی صورت بھی ہوسکتی ہے جس میں سرکار کے حق ضرب کی مقدار پورسو فی صد ہو؟ بے شک زرکاغذی کے اجراء کی صورت میں سکوّں کی وہ تمام مقدار بچ جاتی ہے جو زر مذکور کے عدم اجراء کی صورت میں سرکار کو جاری کرنی پڑتی۔اگر سرکاری اوراق جو ہمارے ملک میں متداول ہیں جاری نہ کئے جاتے تو ظاہر ہے کہ سرکار کو ان کی جگہ سکہّ مذکور متداول کرنا پڑتا۔لیکن اس زرکاغذی کی وساطت سے ہماری سرکار اس اجرا سے سبکدوش ہوگئی ہے۔یا بالفاظ دیگر یوں کہو کہ سکے کی اس خاص صورت میں ہماری سرکار نے پورے سو فی صد حق ضرب لیا ہے۔زرکاغذی کے پہلے موجد چین کے لوگ ہیں۔ بارہویں صدی میں جب کہ مشہور سیّاح مارکو پولو نے ملک چین کا سفر کیا تو اس سے معلوم ہوا کہ وہاں ایک درخت کی چھال کا سکہ جاری ہے جو لین دین میں سونے چاند کے سکوّں کی طرح استعمال ہوتا ہے۔تیرہویں اور چودہویں صدی میں فارس اور جاپان کے حکمرانوں نے بھی چین کی تقلید کی لیکن یورپ کی اقوام نے اس کے استعمال کے فوائد صدیوں بعد محسوس کئے۔زرکاغذی کی دو صورتیں ہیں۔

۱۔زرکاغذی غیر متبدل یا جو عندالمطلب زرنقد کی صورت میں تبدیل نہیں کرایا جاسکتا۔

۲۔زرکاغذی متبدل یا زر بنک جو عندالطلب زرنقد کی صورت میں تبدیل کرایا جاسکتا ہے۔مقدم الذکر کی صورت میں یا تو خود اسے سرکار جاری کرتی ہے یا بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب کسی تجارتی یا دیگر حادثے کے باعث کسی ملک میں زرنقد کی مقدار کم ہوگئی تو سرکار حکماً زر بنک کو زر غیر متبدل کی صورت میں منتقل کر دیتی ہے۔ایسی حالت میں زر بنک کو عندالطلب زرنقد کی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

صورت میں تبدیل نہیں کرا سکتے۔ کیونکہ سرکار کے خزانے میں زر نقد ہوتا ہی نہیں، جو اس کے عوض میں دیا جائے۔ ۱۷۹۷ء اور ۱۸۲۱ء کے درمیان انگلستان میں اور ۱۸۴۸ء میں فرانس میں یہی حالت رہی کہ سرکاری بنکوں کے اوراق عندالطلب زر نقد کی صورت میں تبدیل نہیں کرائے جا سکتے تھے۔ چونکہ زر کاری غیر متبدل میں اپنے آپ کو ملک کی حالتِ اقتصادی کے تغیّر کے ساتھ مطابق کرنے کی قابلیت نہیں ہے۔ اس واسطے اس کا اجرا کچھ بہت مفید نہیں ہے۔

بعض حکماء کے نزدیک زر کاغذی زر نہیں کہلا سکتا کیونکہ ان کی رائے میں زر نقد کی یہ خاص صورت بحیثیت وسیلہ تبادلہ کے قومی اور تجارتی بہبودی کے لیے مضرت رساں ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ دلیل منطقی لحاظ سے بالکل ناقص ہے۔ اسی طرح کوئی شخص یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ میں شراب کے استعمال کو بحیثیت اس کے کہ یہ پینے کی چیز ہے برا سمجھتا ہوں لہذا شراب پینے کی چیز نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو شے زر نقد کے مقاصد کو انجام دیتی ہے وہ زر نقد ہے، خواہ کاغذ ہو خواہ پتھر۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ زر کاغذی زر نقد کی طرح وسیلہ تبادلہ کی حیثیت سے استعمال ہو سکتا ہے۔ او حقیقۃ اس حیثیت سے مختلف ممالک میں استعمال ہوا ہے اور ہوتا ہے۔ جوں جوں کسی ملک میں پیدائش دولت اور تجارت کی مختلف صورتیں پیدا ہوتی جاتی ہیں توں توں ضرورت مجبور کرتی ہے کہ زر نقد کے مقاصد کو سرانجام دینے کی نئی نئی صورتیں پیدا ہوں۔ ایسے حالات میں جو شے خواہ وہ کچھ ہی کیوں نہ ہو ان مقاصد کو پورا کرے گی، زر نقد یا زر نقد کی قائم مقام ہوگی۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ زر کاغذی ہمیشہ اور ہر ملک میں زر نقد ہے۔ بلکہ ہمارا مدعا یہ ہے کہ جب کسی جگہ سکے کی یہ صورت زر نقد کے مقاصد کو پورا کرنا شروع کرتی ہے، اس وقت سے زر نقد بن جاتی ہے اور جب تک ان مقاصد کو پورا کرتی رہتی ہے زر نقد ہی بنی رہتی ہے اور اگر کسی ملک کی سرکار دیوالیہ ہو جائے اور اپنے جاری کردہ اوراق کو قانوناً زر کاغذی غیر متبدل کی صورت میں منتقل نہ کرے، تو ظاہر ہے کہ سرکاری اوراق کو خرید و فروخت میں کوئی شخص قبول نہ کرے گا یا یوں کہو کہ سرکاری اوراق زر نقد نہ رہیں گے۔ اسی بنا پر زر کاغذی بطور معیار قدر بھی مستعمل ہو سکتا ہے کیونکہ جو شے وسیلہ تبادلہ ہوگی ضرور ہے کہ معیار قدر بھی ہو۔ علی ہذا القیاس زر کاغذی ادائیگی غیر معجّل کا معیار بھی ہو سکتا ہے کیونکہ بالعموم یہ نقد قانونی ہوتا ہے یعنی قرض خواہ قانوناً اس کے قبول کرنے پر مجبور کئے جا سکتے ہیں بلکہ اگر یہ نقد قانونی نہ بھی ہو تو بھی یہ روزمرّہ کے استعمال میں غالباً ادائیگی غیر معجّل کا معیار قرار پا جائیں گے۔ کیونکہ ہر شخص اشیاء کی قیمتوں کو زر نقد متداول سے تعبیر کرنے کا ایک زبردست میلان رکھتا ہے۔ لہذا زر نقد کی طرح زر کاغذی کی قدر بھی اس کی طلب و رسد پر انحصار رکھتی ہے اور جس طرح

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ہم پہلے ثابت کر آئے ہیں کہ حق ضرب اور زر نقد کی قدر کی کمی بیشی کے درمیان کوئی ضروری تعلق نہیں ہے اسی طرح سے یہ بھی ثابت ہوسکتا ہے کہ زر کاغذی کے غیر متبدل ہونے اور اس کی کمی بیشی کے درمیان کوئی ضروری رشتہ نہیں۔ اس کی قدر صرف ایسی صورت میں کم ہوسکتی ہے جب اس کی مقدار ان سکوّں کی قیمت ضربی سے زیادہ ہو، جو اس کی عدم اجراء کی صورت میں متداول کرنے پڑیں۔[1] اس کی ارزانی اس کے اجراء کی محرّک ہوتی ہے۔ اور اس کے اجراء کی ضرورت اس وقت پڑتی ہے جب کہ سرکار کو فائدہ اٹھانا مطلب ہو یا کسی قومی حادثے کے باعث زر نقد کی مقدار کم ہوگئی ہو۔ غرض کہ زر کاغذی زر نقد کے تمام مقاصد کو پورا کرسکتا ہے۔ لہذا کوئی وجہ نہیں کہ یہ زر نقد نہ ہوسکے۔ بشرطیکہ اس کی مقدار متداول زائد از ضروریات ملکی نہ ہو۔ اگر اس کی مقدار زائد از ضرورت ہوگی تو اس کی قدر کم ہوجائے گی اور قرض خواہوں کو نقصان ہوگا۔ مقروض فائدے میں رہیں گے کیونکہ اس کی قوت خرید بسبب کمی قدر دن بدن کم ہوتی جائے گی اور چونکہ یہ ایک ملک سے دوسرے ملک میں منتقل نہیں ہوسکے گا (کیونکہ دیگر ممالک کے لوگ کم قدر کے اسکے کو قبول نہیں کریں گے بلکہ پوری قدر قائم رہنے کی صورت میں بھی اس کا قبول کرنا نہ کرنا ان کے اختیار میں ہے) اس واسطے اس ملک کی تجارت خارجی کو انتہا درجے کا نقصان پہنچے گا۔ جہاں زر کاغذی کی قدر کم ہوگئی ہے۔

زر بنک[2] اس زر کاغذی کا نام ہے جو عندالمطلب زر نقد کی صورت میں تبدیل کرایا جاسکتا ہو۔ سرکار یا خود اپنی بنک جاری کرتیہے یہ چند اشخاص جمع ہوکر سرکار کی منظوری سے بطور خود بنک جاری کرسکتے ہیں۔ لیکن دونوں صورتوں میں بنک کا چلنا بنک والوں کے اعتبار یا ساکھ پر منحصر ہے۔ اگر ان کی ساکھ نہ ہوگی تو نہ کوئی شخص ان کے جاری کردہ اوراق کو قبول کرے گا اور نہ ان کی تفویض میں اپنا روپیہ دے گا۔ چونکہ زر کاغذی کے تداول کی بنا ساکھ پر ہے، اس واسطے ظاہر ہے کہ ہر بنک کے پاس زر نقد کی ایک کافی مقدار موجود ہونی چاہئے تاکہ جس وقت کوئی شخص کسی بنک کے اوراق کو بنک مذکور سے زر نقد کی صورت میں تبدیل کرانا چاہے فورا کرا سکے۔ اگر ایسا نہ ہوگا تو بنک کی ساکھ جاتی رہے گی۔ لہذا ہر بنک اس خوف کو مدنظر رکھ کر زر مسکوک کی ایک خاص مقدار اپنے پاس رکھتا ہے۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ جس نے زر نقد کسی بنک کے پاس موجود ہے اس سے بہت زیادہ کے اوراق جاری کئے جائیں ورنہ بنک کو کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بات ساکھ یا اعتبار کے بل پر ہی ہوسکتی ہے بصورت دیگر ممکن نہیں۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بنک والے کم شرح سود کے عوض ایک سے روپیہ مستعار لیتے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ہیں اور دوسرے کو زیادہ شرح سود کے عوض مستعار دے کر فائدہ اٹھاتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ بنک کبھی روپیہ قرض نہیں دیتا۔ بلکہ ساکھ کے بل پر اپنی موجودہ زرنقد کی مقدار سے زیادہ کے اوراق جاری کر کے یا اعتبار کی اور صورتیں پیدا کر کے فائدہ اٹھاتا ہے۔ بالفاظ دیگر یوں کہو کہ بنک ایک قسم کی دکان ہے جہاں اعتبار بکتا ہے۔ لوگ اپنا روپیہ، تجارتی ہنڈیاں اور حقوق کی دیگر صورتیں لاتے ہیں اور بنک ان کے عوض میں گویا اپنے اعتبار کی ایک مساوی مقدار دیتا ہے یا یوں کہو کہ وہ اپنے گاہکوں کو یہ حق دیتا ہے کہ جب چاہیں، اپنا روپیہ وصول کر لیں۔ یا یہ حق وصولی کسی اور کو تفویض کر دیں اور بصورت عدم ادائیگی اس پر نالش کر کے وصول کر لیں۔

چونکہ وہ حقوق جو بنک اپنے گاہکوں کو دیتا ہے غیر مادّی ہونے کی وجہ سے قابلیت انتقال نہیں رکھتے۔ اس واسطے ضرور ہے کہ اس غرض کے لیے ان کو کاغذ پر تحریر کیا جائے۔ لہذا بنک یا تو اپنے اوراق جاری کرتا ہے جس کے یہ معنے ہیں کہ گاہک کو یا ورقہ بنک کے قابض کو کوئی خاص رقم عندالطلب ادا کر دی جائیگی یا گاہک بنک کو اپنا دستی رقعہ لکھ سکتا ہے کہ کوئی خاص رقم عندالطلب فلاں شخص کو ادا کر دی جائے۔ اس قسم کے رقعہ کو چک کہتے ہیں۔ لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ جو روپیہ بنک اپنے اعتبار کے عوض میں اوروں سے وصول کرتا ہے وہ امانت نہیں ہے بلکہ بنک کی ملکیت ہے، جس کو بنک تجارتی اغراض میں لگا کر فائدہ اٹھاتا ہے۔ اس روپے کے بل پر وہ اعتبار کے عوض دیگر حقوق خرید کرتا ہے اور اس کے اعتبار کی مقدار جس کے عوض میں وہ دیگر حقوق خرید کرتا ہے روپے کی اس مقدار سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہے جو اس کے پاس موجود ہوتی ہے۔ اعتبار کی اس قدر توسیع ہی اس کے فائدہ کی بنیاد ہے۔ لہذا جو شخص یہ کہتا ہے کہ میرا اس قدر روپیہ بنک میں موجود ہے، وہ اگرچہ محاورۂ متعارف کی رو سے صحیح الفاظ استعمال کرتا ہے تاہم اصول بنک کے لحاظ سے یہ استعمال صحیح نہیں ہے، کیونکہ بنک میں جس قدر روپیہ ہے وہ بنک کی ملکیت ہے، نہ ان اشخاص کی جن سے وہ روپیہ لیا گیا ہے۔ البتہ یہ اشخاص ایک مجرّد حق کے مالک ہیں یعنی ان کو یہ حق حاصل ہے کہ جب چاہیں، جہاں چاہیں اپنا روپیہ وصول کر لیں۔ پس ظاہر ہے کہ بنک کا سرمایہ اس کا اعتبار ہے۔ وہ اس اعتبار کی وساطت سے روپیہ تجارتی قرضے، حقوق نالش اور دیگر اقسام کے مجرد حقوق بعینہ اس طرح خرید کرتا ہے جس طرح کوئی شے روپے کی وساطت سے خریدی جائے اور اپنے اعتبار کی قیمت بھی اسی طرح وصول کرتا ہے۔ جیسے یہ حقیقت میں زرنقد ہے۔ جس طرح سوداگر اپنی اشیاء کو کم قیمت پر خرید کرتا ہے اور زیادہ قیمت پر بیچ کر فائدہ اٹھاتا ہے۔ اسی طرح بنک بھی اپنی اشیاء یعنی اعتبارات، قرضے اور حقوق نالشی وغیرہ کو ایک شخص یعنی اپنے گاہک سے خرید کرتا

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ہےاوران کو قیمت پراورشخص یعنی مقروض کے پاس فروخت کرتا ہے۔ کیونکہ جس قرض کو بنک خرید کرتا ہےاس کی قیمت دن بدن بڑھ رہی ہےاور بڑھتی رہے گی جب تک کہ وہ ادا نہ ہو جائے چونکہ اس خرید وفروخت سے جس کی بنااس کے ذاتی اعتبار پر ہے بنک کومنافع ہوتا ہےلہذا بنک کا ذاتی اعتباراس کا سرمایہ ہے جو بنک کیموجدہ زرنقد کی مقدار سے زیادہ ہونے کے باعث ملک کے سرمائے کو بہت زیادہ کر دیتا ہے۔

بعض محققین کی یہ رائے ہے کہ اگر زر بنک کو زرنقد کی صورت میں تبدیل کرانے میں ہر طرح کی آسانی ہوتو ہر حالت میں ایسا ہی ہوگا جیسا سونے چاندی کے سکے جن کو یہ تعبیر کرتا ہے۔ گویا زرنقد کی ان دونوں صورتوں کے درمیان کوئی فرق نہ ہوگا۔مگراس غرض کے لیے کہ زر بنک ہر حالت میں ایسا ہی رہے جیسا کہ سونے چاندی کے سکّے جن کو یہ تعبیر کرتا ہے،ضروری ہے کہ بنکوں کا انتظام نہایت صحیح اصول کے مطابق ہو۔اس رائے کوعلم اقتصاد کی اصطلاح میں اصول بنک کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔بعض حکما اس رائے کے مخالف ہیں۔ان کا یہ خیال ہے کہ اگر ملک کے تمام بنکوں کو یہ اختیار ہو کہ اپنے اپنے سودوزیاں کوملحوظ رکھ کر جس قدر چاہیں اوراق جاری کریں تو ضروریات ملکی سے زیادہ اوراق جاری ہو جانے کا اندیشہ ہوگا۔لہذا یہ ضروری ہے کہ بنکوں کے اجرائے اوراق پر قانونی قیود ہوں۔ یہ اصول جس کوعلم الاقتصاد کی اصطلاح میں اصول تداول سے موسوم کرتے ہیں۔اوّل اوّل ملک چین میں وضع کیا گیا تھا۔اسی اصول پر انگلستان میں ۱۸۴۴ء میں بنک ایکٹ پاس ہوا جس کے شرائط مندرجہ ذیل ہیں: اُ

۱۔ بنک انگلستان کو ایک کروڑ پچاس لاکھ پونڈ سے زیادہ کے اوراق جاری کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔رقم مذکور سے زیادہ کے اوراق جاری کرنے کے لیےاس کے پاس زرمسکوک کی مقدار موجود ہونی چاہئے۔

۲۔ بنک مذکورہ کا محکمہ اجرائے اوراق اورمحکمۂ بنک الگ الگ ہوں گے۔

۳۔لندن کا کوئی اور بنک یا کوئی ایسا بنک جس کی میعاد ۱۸۴۴ء سے شروع ہوتی ہے اوراق نہیں جاری کر سکے گا۔۱۸۴۴ء سے پہلے کے بنک اپنی اوراق کی تعداداس تعداد سے زیادہ نہیں کرسکیں گے جوسن مذکور میں تھی۔

مذکورہ بالا ہر دوراؤں کے مویدوں کے درمیان ایک طول طویل بحث بڑی سرگرمی کے ساتھ جاری ہے اور چونکہ جانبین کے دلائل ہماری رائے میں ہم وزن معلوم ہوتے ہیں۔اس

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

واسطے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ دونوں میں کون سی رائے قابل ترجیح ہے۔

باب:٦

اعتبار کی ماہیت ومقاصد
اوراس کا اثر اشیا کی قیمتوں پر

جب کوئی شخص یہ حق رکھتا ہے کہ کسی دوسرے شخص سے عندالطلب یا ایک مقررہ میعاد کے بعد کوئی رقم وصول کرے یا اس سے کوئی خدمت لے تو اس حق کو حق اعتبار[1] کہتے ہیں۔ مثلاً فرض کرو کہ میں کسی سوداگر سے کوئی شے اس معاہدے پر خریدتا ہوں کہ کسی خاص میعاد کے بعد اس شے کے عوض میں اس قدر رقم ادا کروں تو اسے اختیار ہے کہ قانونی چارہ جوئی کر کے وہ رقم وصول کرے۔ علیٰ ہذا القیاس اگر میں کسی ڈاکخانے سے کوئی ٹکٹ والا لفافہ خریدکروں تو اس کے یہ معنے ہیں کہ مجھے ڈاکخانے پر اعتبار ہے کہ میرا خط فلاں مقام پر پہنچ جائے گا۔ اگر مجھے یہ اعتبار نہ ہوتا تو میں اس لفافے کو ہرگز نہ خریدتا۔ گویا میں نے اپنے پیسوں کے عوض ڈاکخانے نے اپنے اعتبار کے عوض میرے پیسے خرید کئے ہیں۔

ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ زمانہ حال کے مہذّب ممالک میں اعتبار اور دیگر حقوق بھی بطور سرمایہ مستعمل ہو کر ملک کے سرمائے کو بہت زیادہ کرتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو بڑے بڑے رفاہ عام کے کام مثلاً ریلوے اور آب رسانی وغیرہ انجام پذیر نہ ہو سکتے کیونکہ ایسے کاموں کے لیے کثیر سرمائے کی ضرورت ہوتی ہے، جو بالعموم فرد واحد مہیا نہیں کر سکتا۔ بلکہ چند آدمی مل کر اپنے اعتبار پر اوروں سے روپیہ حاصل کرتے ہیں اور اس مجموعی کوشش سے بڑے بڑے عظیم الشان اور منفعت خیز کام کر کے مزید دولت پیدا کرتے ہیں۔

بعض حکماء اس بات پر مصر ہیں کہ کسی شخص کا ذاتی اعتبار اس شخص کی دولت میں داخل نہیں۔ لیکن یہ رائے صریحاً غلط ہے۔ ہر شے جو قوت خرید رکھتی ہے، دولت ہے۔ اور چونکہ اعتبار کی وساطت سے بھی اشیاء اس طرح خریدی جا سکتی ہیں جس طرح نقد روپے کی وساطت سے یعنی اعتبار بھی قوت خرید رکھتا ہے۔ اس واسطے صریح نتیجہ یہ ہے کہ اعتبار دولت ہے۔ یہ ایک ایسا قیاس ہے جس سے کسی کو گریز نہیں ہو سکتا۔[1]

اعتبار کی غرض وغایت یا مقصد تجارت کے دائرہ کو وسیع کرنا ہے۔ مثلاً فرض کرو کہ میں ایک کتاب کا حق تصنیف خرید کرتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ جو روپیہ میں نے حق مذکور کے عوض میں

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

دیا ہے وہ اس توقع پر دیا ہے کہ مجھے اس حق کے قبضے سے آئندہ منافع ہوگا۔ اگر یہ توقع نہ ہوتی تو میں ہرگز نہ خرید کرتا۔ بالفاظ دیگر یوں کہو کہ جو روپیہ میں نے دیا ہے وہ اس منافع کی قیمت نقد ہے جو مجھے اس حق کے قبضے سے آئندہ حاصل کرنے کی توقع ہے۔ پس اس توقع یا اعتبار کی بدولت اس منافع کی قیمت نقد بھی تجارت یا خرید وفروخت کے دائرہ میں آ گئی جو ابھی حاصل ہونا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس جب میں کسی کمپنی کا حصص خریدتا ہوں تو میری غرض یہی ہوتی ہے کہ مجھے کمپنی مذکور کے حصص کی خرید سے آئندہ منافع کی توقع نہ ہو یا یوں کہو کہ کمپنی مذکور پر اعتبار نہ ہو تو میں کبھی ان حصص کا خریدار نہ ہوں گا۔ پس کمپنی کے اعتبار کی وساطت سے حصص کے آئندہ منافع کی قیمت نقد (یعنی جو روپیہ میں نے حصص کے عوض اب ادا کر دیا ہے) بھی تجارت کے دائرہ آ گئی۔ لہذا اعتبار کا مقصد منافع مستقبلہ کی قیمت نقد کو تجارت کے دائرہ میں لانا ہے۔ کسی فرانسیسی مصنّف نے کیا خوب کہا ہے۔

''کہ انسان مکان کو تجارت کے ذریعہ اور زمان کو اعتبار کے ذریعے فتح کرتا ہے۔''

چونکہ اعتبار اور اس کی مختلف صورتیں یعنی تجارتی ہنڈیاں، چک اور اوراق بنک وغیرہ زرنقد کے قائم مقام ہیں، اس واسطے تھوک فروشی کی صورت میں ان کا استعمال بالخصوص مفید ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک ہی ہنڈی کئی سوداگروں کے ہاتھوں میں پھر جاتی ہے اور ان کی تجارتی ضروریات کو اس طرح رفع کرتی ہے جس طرح زرنقد۔ مثلاً فرض کرو کہ ب نے اسے ہزار روپے کی ہنڈی لی ہے۔ ب اس ہنڈی کی پشت پر دستخط کر کے ج سے ہزار روپے کی اشیاء خرید کر سکتا ہے۔ اور اسی طرح ج اس کی پشت پر دستخط کر کے د سے اشیاء خرید کر سکتا ہے۔ اور یہ عمل متواتر کئی بار ہو سکتا ہے۔ اس مثال سے واضح ہوتا ہے کہ ہنڈی مذکور میں زرنقد کی سی قوت خرید ہے اور اس کا اثر خرید وفروخت پر ایسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ زرنقد کا۔ پس جب تک یہ ہنڈی متداول رہے گی ہزار روپے کی قائم مقام تصوّر کی جائے گی۔ کیونکہ اگر ہنڈیاں اور اعتبار کی دیگر صورتیں استعمال میں نہ آتیں تو صاف ظاہر ہے کہ خرید وفروخت میں زرنقد کی ضرورت پڑتی۔ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ اشیاء کی قیمتیں زرنقد متداول کی مقدار پر منحصر ہیں۔ اگر اشیاء تجارت کی تعداد وہی رہے اور زرنقد کی مقدار بڑھ جائے تو ظاہر ہے کہ اشیاء کی قیمتیں بڑھ جائیں گی۔ کیوں کہ زرنقد کی مقدار کی کمی کے باعث اس کی قدر زیادہ ہو جائے گی۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ اس کے عوض بہت سی اشیاء مل سکیں گی۔ جوں جوں کسی ملک میں اشیاء تجارت کی تعداد بڑھتی جاتی ہے یا یوں کہو کہ خرید و فروخت کے نئے نئے موقعے نکلتے آتے ہیں توں توں زرنقد متداول کی مقدار بڑھانے کی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ضرورت محسوس ہوتی جاتی ہے جن ممالک میں اسلامی جان و مال ہر طرح سے محفوظ ہیں وہاں اس ضرورت کو پورا کرنے کی خاطر اعتبار کی مختلف صورتیں استعمال میں لائی جاتی ہیں۔ کیوں کہ ان سے بھی وہی کام نکلتا ہے جو زرِ نقد کے استعمال سے۔ یا اگر تجارتی ہنڈیاں یا اعتبار کی دیگر صورتیں دائرہ تجارت میں نہ آتیں تو زرِ نقد متداول کی مقدار بڑھانے کی ضرورت پڑتی، ورنہ اشیاء کی قیمتیں بسبب زرِ نقد کی قدر کے زیادہ ہو جانے کے کم ہو جاتیں۔ پس ظاہر ہے کہ وہ خرید و فروخت جواب ہنڈیوں یا دیگر اعتبار کی صورتوں کی وساطت سے ہوتی ہے، زرِ نقد کی وساطت سے ہوتی، تو دو نتیجوں میں سے ایک نتیجہ ضرور پیدا ہوتا یا زرِ نقد کی زیادہ مقدار متداول کرنی پڑتی یا اشیاء کی قیمتیں کم ہو جاتیں۔ لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ ہنڈیوں کا اثر جو اشیاء کی قیمتوں پر پڑتا ہے، اس کا باعث یہ نہیں کہ ہنڈی میں کوئی خاص قسم کی خصوصیت ہے۔ ہنڈی یا اعتبار کی اور صورت بذات خود کوئی اثر اشیاء کی قیمتوں پر نہیں ڈال سکتی۔ بلکہ یہ اثر اس اعتبار کا نتیجہ ہے جس کا کہ ہنڈی مذکور محض ایک تحریری ثبوت یا شہادت ہے۔ سوداگروں کی بہیوں میں جو خریداروں کا حساب درج ہوتا ہے۔ وہ بھی اشیاء کی قیمتوں میں ویسا ہی اثر ڈال سکتا ہے۔ کیونکہ یہ بھی اعتبار ہی کی ایک شکل ہے۔ ہاں اس قدر فرق ضرور ہے کہ ہنڈی کی طرح یہی کا حساب دست بدست منتقل نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے اس میں یہ قابلیت نہیں ہے کہ اسی کی وساطت سے تجارتی اشیاء خرید کی جا سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ اشیاء کی قیمتوں پر حساب مذکور کا اثر محدود ہوتا ہے۔

اعتبار کا ایک اور اثر یہ ہے کہ اس کا استعمال کسی خاص فرد یا ملک کی قوت خرید کو بہت زیادہ کر دیتا ہے۔ اگر خرید و فروخت میں اعتبار سے کام نہ لیا جاتا تو اشیاء کی طلب موجودہ صورت سے بہت کم ہوتی۔ یہ سب اسی کا ظہور ہے کہ بعض دفعہ کسی شے کی مانگ غیر محدود طور پر بڑھ جاتی ہے۔ ۱۸۲۹ء میں جب ہماری سرکار کا ملک چین سے تنازعہ ہوا تو اکثر لوگوں کا خیال تھا کہ چائے کی رسد کم ہو جائے گی اور اس واسطے اس کی قیمت بہت بڑھ جائے گی۔ لہٰذا اکثر دکاندار اس اثر کے خواہشمند تھے کہ شے مذکورہ کا ذخیرہ جمع کر لیں اور ضرورت کے موقع پر فائدہ اٹھائیں۔ ایک دکاندار کے پاس صرف ۱۲۰۰ پونڈ کا سرمایہ تھا جو اس کے تجارتی کاروبار میں لگا ہوا تھا لیکن اس نے یہ تدبیر کی کہ جن سوداگروں کے ساتھ اس کی مدّت سے ساکھ چلی آتی تھی ان سے اپنے نام کی سہ ماہی ہنڈیاں دے کر چائے کی ایک کثیر مقدار خرید کر لی۔ ہنڈیوں کی میعاد ختم ہونے سے پیشتر ہی چائے کی قیمت بہت بڑھ گئی اور دکاندار مذکور نے بے انتہا فائدہ اٹھایا۔ اگر اعتبار نہ ہوتا تو دکاندار مذکور میں یہ قوت خرید نہ ہوتی جو اس کے لیے اس قدر سودمند ثابت ہوئی۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

حوالہ جات

حصّہ سوم

ا۔تجارت اور تبادلے میں امتیاز:

تجارت سے مراد ہے اپنی تیار کی ہوئی مصنوعات یا دیگر اشیاء بعوض 'زر نقد' فروخت کرنا۔ یعنی اشیاء اور زر نقد کا تبادلہ یا لین دین۔اسے معاشی اصطلاح میں 'Trade' کہا جاتا ہے۔

تبادلے سے مراد ہے اپنی تیار کی ہوئی ایک شے کے عوض دوسرے کی تیار کی ہوئی دوسری شے حاصل کرنا یعنی اشیاء کا باہم تبادلہ اسے معاشی اصطلاح میں 'Baster System' کہتے ہیں۔

قدر اور قیمت Value and Price

قدر: کسی شے کی قدر سے عام طور پر دو مختلف مفاہیم مراد لیے جاتے ہیں بقول آدم سمتھ ۔۔۔''قدر سے مراد ایک تو کسی شے کا افادہ ہے اور دوسرا اس کی قوت خرید''۔۔۔لیکن دور جدید میں قدر سے مراد ہے۔۔۔

"Value of a commodity simply means what other commodities can be got in exchange for it."

قدر ایک 'Relative Term' ہے۔کسی شے کی قدر کا تذکرہ ہم حاصل شدہ اشیاء کی تعداد ظاہر کیے بغیر نہیں کر سکتے۔

قیمت: کسی شے کی قیمت سے مراد وہ رقم ہے جس کے بدلے میں مذکورہ شے حاصل کی جا سکے۔کسی شے کی قیمت کا اندازہ عام طور پر اس افادہ سے لگایا جاتا ہے جو اس شے سے حاصل کیا جا سکے۔''قیمت منجانب فروشندہ براہ راست مصارف مختتم کے مساوی ہوتی ہے اور اصطلاحا اس کو قیمت کہتے ہیں۔۲

Hewett کے نظریئے کے مطابق:

"Each good has a price attached to it, which measures what is worth (it value) in relation to other

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

goods. A Pound of platinum is worth thousands of dollers, while a pound of rice is worth only a few cents."

قدر اور قیمت کا تقابلی مطالعہ:

قدر کے مفہوم میں مقابلے کا عنصر پایا جاتا ہے۔ تمام اشیا کی قدر بیک وقت کم یا زیادہ نہیں ہوسکتی۔ ایک شے کی قدر کی زیادتی اور دوسری شے کی قدر کی کمی لازم وملزوم ہے جبکہ قیمت بھی قدر یہی کی ایک خاص صورت کا نام ہے۔ جب کسی شے کی قدر کا تخمینہ سکہ رائج الوقت کی خاص شرح سے متعین کیا جائے تو کہا جاتا ہے کہ اس شے کی قیمت معلوم ہوگئی ہے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ لاگت یعنی 'Cost' اور قیمت یعنی 'Price' دو الگ الگ اصطلاحات ہیں۔

..."When value of a commodity is expressed in term of money, it is called price."4

اس تعریف کو ذہن میں رکھ کر مندرجہ ذیل سطور کا مطالعہ کیجئے۔۔۔

..."Do 'Prices' (of finished goods) determine 'costs' (of production) or do 'costs' determine prices & you can see now that neither is true that costs adn prices ineract and are mutally determining.5

ان سطور کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ 'cost' اور 'Price' اگرچہ دو الگ الگ اصطلاحات ہیں لیکن دونوں باہم مل کر اثر انداز ہوئی ہیں۔ 'Cost' کا مفہوم 'پیداوار' سے منسوب ہوتا ہے اور 'Price' کا اشیا سے۔

افادہ Utility

ہر شخص روزمرہ زندگی میں اشیائے صرف خریدتا ہے۔ کوئی شے زیادہ مقدار میں خریدتا ہے کوئی کم مقدار میں اس لیے کہ اسے اپنی خریداری کا فیصلہ اپنی ضرورت کو مدنظر رکھ کر کرنا ہوتا ہے اگر یہ بنیادی اصول نہ ہو تو ہر شخص بغیر ضرورت اشیاء خریدتا چلا جائے۔ وہ اشیاء کی وہی مقدار خریدتا ہے جو اسے زیادہ سے زیادہ تسکین پہنچا سکے اور وہ اپنی رقم سے زیادہ سے زیادہ افادہ حاصل کر سکے۔۔۔ ''کسی شے کی وہ صلاحیت جس کی بدولت انسان کی کوئی احتیاج پوری ہوتی ہو افادہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کہلاتی ہے۔۔۔''۶

"Anything which satistics a human ward directly or indirectly, is said to posses utility."7

افادہ اصل ہی وہ تسکین یا اطمینان ہے جو'صارف' کسی شے کو'صرف' کرنے کے بعد محسوس کرتا ہے۔ پروفیسر فرگوسن افادہ کی تعریف یوں کرتے ہیں۔۔۔''افادہ سے مراد وہ صفت ہے جس کے باعث کسی شے کی آرزو کی جاتی ہے یہ خالصتا ایک باطنی کیفیت کا نام ہے کیونکہ ہر شخص کی طبعی اور نفسیاتی تشکیل دوسرے سے مختلف ہوتی ہے۔

زیادہ افادہ حاصل کرنے کے لیے ضروری نہیں کہ زیادہ رقم خرچ کی جائے۔

ہیگو کے الفاظ میں۔۔۔۔

"The relation between satisfaction and money is not direct, but is mediated through desires, the intensity of which need not always been the same propartion to the setisfaction that their fulfilment yields."9

دقت حصول:

(Scarcity) کوئی معاشی مسئلہ پیدا ہی اس وقت ہوتا ہے۔ جب خواہشات کی کثرت اور ذرائع کی قلت سے سابقہ درپیش ہو۔ دنیا میں کہیں بھی ایسی صورت حال نہیں ہے کہ انسان بلا روک ٹوک اور بغیر کسی دقت کے اپنی ہر خواہش پوری کر لے۔ خواہشات پوری کرنے کے لیے دولت کا حصول ضروری ہے اور ذہانت کی دو خصوصیات بہت نمایاں ہیں۔۔۔

۱۔افادہ ۲۔دقت حصول

"Limitation or Scareity is an essential attribute of wealth."10

دولت کے کمیاب ہونے کی وجہ سے ہی معاشی مسائل پیدا ہوتے ہیں اس لیے معاشیات میں اس اصطلاح کی اہمیت واضح ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

افادات انتہائی یا مختتم افادہ: Marginal Utility

اقبال نے مختتم افادہ کی اصطلاح کو دانا ذات انتہائی کی اصطلاح سے پیش کیا ہے۔ افادہ کی تعریف ص پر بیان کی جا چکی ہے۔ اب دیکھتے ہیں کہ مختتم افادہ کیا ہے؟۔۔۔ ''مختتم افادہ سے مراد کسی شے کی صرف کی جانے والی آخری اکائی سے حاصل ہونے والا افادہ ہے مثلاً کوئی صارف اگر کسی وقت کل تین سیب کھائے تو تیسرے سیب کا افادہ، مختتم افادہ کہلائے گا۔''

"Marzinal Utility is the change in totel utility that results from a one unit change in consumption of the commodity per unit of time."12

جب ہم ایک ہی چیز بار بار ایک ہی وقت میں استعمال کرتے جائیں تو افادہ مختتم کم ہونا شروع ہو جاتا ہے لیکن مجموعی افادہ بڑھتا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ افادہ زیرہ کی سطح پر آ جاتا ہے تو مجموعی افادہ کا گراف بلند ترین سطح پر پہنچ جاتا ہے۔ اس کے بعد بھی اگر مذکورہ شے متواتر استعمال کرتے جائیں تو افادہ منفی شکل اختیار کر جائے گا۔ مثلاً ایک سیب کھانے والا اگر ضرورت سے زیادہ سیب کھائے تو بجائے صحت مند ہونے کے بیمار ہو جائے گا۔ اسی سطح پر پہنچ کر 'منفی افادہ' کی منزل آ جاتی ہے۔ جے آر ہکس کے نزدیک۔۔۔

"Marzinal Utility of money incceases as a Gonsumer spends more and moer of his income.13"

افادات محنتِ ابتدائی

(مصارف پیدائش Cast of Production)

اقبال نے مصارف پیدائش کی اصطلاح کو دانا دات محنت ابتدائی' کے الفاظ بھی پیش کیا ہے۔ یہ اصطلاح بھی افادات انتہائی کی طرح اقبال کی طبع زاد اصطلاح ہے۔ افادات محنت ابتدائی کے بارے میں اقبال لکھتے ہیں۔۔۔ ''پس معلوم ہوا کہ اشیاء کی قیمت یا قدر (کیونکہ قیمت بھی قدر ہی کی ایک صورت ہے) افادات محنت ابتدائی یا ان مصارف پر جو ان کی از سر نو تیاری کرنے میں عائد ہوں۔ منحصر نہیں ہے۔''۱۴۔۔۔ کیا یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ اشیاء کی قدر اس محنت پر منحصر ہے جو ابتدا ان کی تیاری میں صرف ہوئی ہو؟ یہ محض ایک مفروضہ اس شے کے از سر نو تیار کرنے میں جو مصارف ہونگے وہ اصل میں اس کی قیمت ہوگی سومل، سمتھ اور ریکارڈ کی یہ 'statemet'

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

درست نہیں ہے کہ۔۔۔۔''بعض اشیا کی قدر تو ان کی طلب و رسد کی درمیانی نسبت پر انحصار رکھتی ہے اور بعض کی ان کے مصارف پیدائش پر''۔۔۔۔

مورگن اس حقیقت کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے۔۔۔

"Suppose that you are considering producing one unit of product per day more from your plant than you here been producing. If you get ten addition dollers from producing one more unit of product and it cast you eight additional dollars to produce that unit then you add two additional dollar to your profit through production of the unit."15

مثال سے ثابت ہوتا ہے کہ اس یونٹ کی از سر نو تیاری پر جو مصارف ہوں گے وہی اس کی قیمت کا تعین کریں گے بشرطیکہ مقابلہ پورے طور پر اپنا عمل کر رہا ہو۔ اگر مکمل مقابلہ ہو تو کسی شے کی قیمت ہمیشہ اس کے 'مصارف پیدائش' کے قریب ہوگی۔

ا۔ قانون طلب:

عام طور پر لوگ ایسی شے زیادہ خریدتے ہیں جس کی قیمت کم ہو جائے اور جس شے کی قیمت پہلے سے بڑھ جائے وہ شے کم خریدتے ہیں۔ پہلی صورت میں اشیاء کی طلب بڑھ جاتی ہے اور دوسری صورت میں اشیاء کی طلب کم ہو جاتی ہے۔ اس کو ماہرین معاشیات قانون طلب کا نام دیتے ہیں۔۔۔

..."other things remaining the same, The quantity demanded increases with every fall in the Price and decreases with every rise in the price."16

کسی شے کی طلب ہمیشہ اس شے کی قیمت سے وابستہ ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وقت کا تعین بھی ضروری چیز ہے مثلاً اگر دس روپے لٹر کے حساب سے پانچ لٹر دودھ کی طلب کی جائے تو لازماً یہ سوال پیدا ہوگا کہ پانچ لٹر دودھ پانچ دن میں درکار ہے یا ایک دن؟ اس کے بغیر طلب نامکمل رہے گی۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

قانون طلب کے مفروضات: قانون طلب کے ساتھ کچھ مفروضات وابستہ ہیں مثلا تمام اکائیاں یکساں قسم کی ہوں۔ صارفین کی آمدنی نہ بدلے۔ صارفین کی پسند نہ بدلے۔ متبادل اشیاء کی قیمتیں نہ بدلیں، روپے کی قدر میں کمی بیشی نہ ہو۔ قیمت میں مزید تغیرات کا امکان نہ ہو وغیرہ وغیرہ۔۔۔

طلب کی اقسام:

..."Three kinds of demands may be distinguished...

A: Price demand B: Income Demand

C: Cross demand

رسد اور قانون رسد: ''رسد سے مراد اشیاء کی وہ مقدار ہے جو ایک خاص قیمت پر منڈی میں فروخت کرنے کے لیے پیش کی جاتی ہے۔''۱۸

..."Supply is of the scarce goods. It is the amount of a commodity that sellers are able and willing to offer for sale for different prices per unit of time."19

یعنی جس طرح طلب قیمت کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے اسی طرح رسد بھی قیمت کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے۔ قیمت کا ذکر کیے بغیر رسد کا ذکر بالکل بے معنی ہوتا ہے مثلاً لٹھ کی قیمت دس روپے میٹر ہو اور اس قیمت پر لٹھے کا کاروبار کرنے والے تاجر پچاس ہزار میٹر لٹھا مارکیٹ میں فروخت کرنے کے لیے پیش کریں تو لٹھے کی رسد پچاس میٹر ہوگی۔ علاوہ ازیں رسد کا ذکر کرتے ہوئے قیمت کے علاوہ وقت کا ذکر بھی لازمی ہے۔

ماہر معاشیات Meyers کے الفاظ میں۔۔۔

"Supply is a sohedule of the amount of a good that would be offered for sole at all possible prices at any period of time e.g., a dog, a weak and so on."20

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

قانون رسد:

قانون رسد قانون طلب کے بالکل برعکس ہوتا ہے یعنی جب کسی شے کی قیمت چڑھ جائے تو اس کی رسد بڑھ جاتی ہے۔ قیمت گر جائے تو رسد کم ہو جاتی ہے یعنی قیمت اور رسد میں نسبت مستقیم ہوئی ہے۔۔۔۔

..."Other things remaining the same, as the price of a commodity rises, its supply is extended, as the price falls its supply is contracted."21

قوانین حرکت: (قدیم حکماء)

جب کوئی جسم دوسرے جسم کے لحاظ سے اپنی جگہ بدلے تو کہا جاتا ہے کہ وہ جسم حرکت میں ہے۔ مثلاً کسی متحرک گاڑی کا مسافر اگرچہ گاڑی کے لحاظ سے ساکن ہے لیکن زمین کے لحاظ سے متحرک ہے۔ زمین ہر ساکن اجسام سورج، اجرام فلکی اور سیاروں کے لحاظ سے متحرک ہیں کیونکہ زمین فضا میں حرکت کرتی ہے۔ قوانین حرکت کے سلسلے میں جن قدیم حکماء کا نام لیا جاتا ہے ان میں ارسطو پہلا شخص تھا جس نے اس سلسلے میں ایک جامع نظریہ پیش کیا۔ اس نے کائنات کو دو 'ایجن' میں تقسیم کیا اور کہا کہ۔۔۔

..."The Earther is moving in circles around the eath, and carrying the stars with it and each element had its naturalplace and motion."22

ارسطو کے یہ قوانین نیوٹن کے دور تک مسدقہ رہے۔ ارسطو کے بعد آرشمیدس نے اس موضوع پر کام کیا اور یہ انکشاف کیا کہ زمین سورج کے گرد گردش کرتے ہوئے اپنے محور پر بھی گردش کرتیہے۔ قدیم حکماء میں ارسطو، آرشمیدس، روجر بیکن شامل ہیں۔

جدید حکماء:

گلیلیو گیلی سے ماڈرن سائنس کا دور شروع ہوتا ہے اس نے قدیم حکماء کی مخالفت کی اس کے بعد نیوٹن نے کلیات حرکت وضع کیے اور یہ قانون حرکت اور ہمہ گیر تجاذب کا کلیہ علم حرکت کے بنیادی اصول تصور ہوتے رہے حتیٰ کہ آئن سٹائن کا نظریۂ اضافیت وضع ہوا۔۲۳

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

۱۔ طلب اور خواہش:

طلب: معاشیات کی اصطلاح میں طلب اس ارادے یا خواہش کو کہتے ہیں جسے پورا کرنے کے لیے انسان کے پاس قوت خرید بھی ہو یعنی وہ اتنی رقم بھی رکھتا ہو جو اس شے کی خرید کے لیے مطلوب ہو۔۔۔'' کسی شے کی طلب ہمیشہ کسی خاص قیمت کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے کیونکہ دونوں کے درمیان ایک تفاعلی رشتہ موجود ہے یعنی طلب کی مقدار کا دارومدار قیمت کے معیار پر ہوتا ہے۔ قیمت کا ذکر کیئے بغیر طلب بالکل بے معنی ہے۔''۲۴

خواہش حصول:

طلب کے برعکس خواہش حصول کے لیے کوئی پابندی نہیں کہ قیمت بھی ضرور موجود ہو۔ کوئی بھی اصول کسی کی خواہش پر پابندی عائد نہیں کرسکتا۔ خواہش حصول کوئی غلط بات نہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ خریدنے کی طاقت نہ ہو تو خواہش ہمیشہ خواہش ہی رہتی ہے۔ طلب نہیں بن سکتی۔ البتہ خواہش کا پیدا ہونا ہی اس بات کا محرک بن جاتا ہے کہ اس کے لیے قوت خرید فراہم کر کے خواہش کو طلب بنالیا جائے۔ جب تک قوت خرید یعنی روپیہ نہ ہو کار یا کوٹھی خریدنے کی خواہش ہرگز طلب نہیں کہلاسکتی۔

..."When the person desiring is willing and able to pay for what he desire, the desire is changed into demand."25

مرادف متردک لفظ ہے اب مترادف مستعمل ہے۔

۱۔ قیمت صحیحہ: (Equilibrium Price)

اشیاء کی طلب اور رسد میں مساوات پیدا ہونے کے بعد قیمت کا تعین ہو جائے تو اسے اشیاء کی قیمت صحیحہ کہتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں اسے قیمت عبیار ضرورت بھی کہا جاسکتا ہے۔ مکمل مقابلے کی وجہ سے اشیاء کی قیمت اس کے مصارف پیدائش کے قریب آجاتی ہے۔ مکمل مقابلے کے تحت جب طلب اور رسد برابر ہو جائیں تو جو قیمت مقرر ہوتی ہے اسی کو قیمت صحیحہ کہتے ہیں۔

پروفیسر سٹوفیر اینڈ ہیگ کے الفاظ میں۔۔۔

...."The price at which demand and supply are equal is known as an equilibrium price."26

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

جس مقام پر طلب اور رسد کی قوتیں متوازن ہو جاتی ہیں تو جو قیمت مقرر ہو وہی قیمت صحیحہ ہے۔۔۔''طلب اور رسد میں تبدیلی سے قیمت صحیحہ میں بھی تبدیلی واقع ہو جاتی ہے۔''۲۷

مقابلہ یا مسابقت:

'مقابلہ یا مسابقہ' کی صورت حال اس صورتحال کو کہتے ہیں جب کسی شے کے بہت سے فروخت کنندہ ہوں اور بہت سے خریدار ہوں اور پیداواری شے بھی ایک ہی معیار کی یا ایک جیسی ہوں

..."The Type of market in which the firms in an industry may be operating,defends on the degree of Competitionprerailing in the market."28

مقابلے کی دو اقسام ہیں:ا۔مکمل مقابلہ ۲۔نامکمل مقابلہ

مقابلے کی کیفیت کو ایک اور اصطلاح خالص مقابلے سے بھی ظاہر کیا جاتا ہے۔جدید سائنس دان خالص مقابلے اور مکمل مقابلے کو الگ الگ طور پر define کرتے ہیں مکمل مقابلے کے چھ لازمی عنصر ہوتے ہیں۔

مکمل مقابلہ:مکمل مقابلے کی صورتحال کو بیان کرتے ہوئے کے کے ڈیوٹ لکھتا ہے۔

..."Perfect Competition is wider than pur competition. Perfect competition is that the purchasers and sellers should be fully awarce of the Prices that are being offered and accepted and there should be no restrictions on entry into or exit from the industry and good should be homogenors."29

نامکمل مقابلہ:نامکمل مقابلے کے بارے میں یہی ماہر معاشیات لکھتا ہے۔۔۔

..."Inperfect Competition refers to conditions which are quite opposit of those that prevail under perfect competition. It is of three main types."30

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

نامکمل مقابلے کی تین اقسام قابل ذکر ہیں۔اجارہ دارانہ مقابلہ۔چند شخص اجارہ اور مکمل اجارہ داری۔

ا۔منڈی (Market)

''منڈی سے مراد وہ تمام افراد ہیں جن کی طلب یا رسد کسی خاص مقام میں کسی خاص شے کی قیمت پر اثر کرے۔۳۱

..."The place where, the process of buying and selling of commodities on the floor of an organized exchange is maintained, that is called a 'Market'".32

ان منڈیوں کا کاروبار بروکرز کا رہون منت ہوتا ہے جن کو عام اصطلاح میں دلال بھی کہتے ہیں۔بعض اوقات یہ اپنے لیے بھی اشیاء خریدتے اور بیچتے ہیں لیکن اکثر اوقات ان کا کام صرف بولی لگانا ہوتا ہے اور دوسروں کے لیے کمیشن پر کام کرتے ہیں۔Hewett اس سلسلے میں آگے چل کر لکھتا ہے۔۔۔

"The exchange furnishes its members with useful information such as the condition of corps, prevailing prices and the stole of demand."33

کئی شہروں میں ایسی منڈیاں کام کر رہی ہیں جن میں عام طور پر خاص خاص لوکل مضوعات کا کاروبار ہوتا ہے۔جیسے پنجاب میں نارنگ منڈی، کھڑ منڈی، وغیرہ خاص مضوعات کے لیے مشہور ہیں۔

منڈی کے لوازمات: ہر منڈی میں کچھ ایسے عناصر موجود ہوتے ہیں جن کے بغیر منڈی کا مفہوم ادا نہیں ہوتا۔۔۔

1. A Well defined Commodity which is bought and sold
2. Presence of buyers and sellers
3. A Place where commodity is to be sold
4. Direct Competition between buyers and

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

seller."34

قیمت متعارف:

(Market Price - Face Value - Current Price)

قیمت متعارف سے مراد وہ قیمت ہے جس پر بیچنے کے لیے کسی شے کو پیش کیا جائے۔ مقابلہ چونکہ کبھی پورے طور پر عمل نہیں کرتا اس لیے مارکیٹ میں ہر تجارتی شے کی قیمت متعارف، قیمت صحیحہ سے مختلف ہوتی ہے۔ قیمت متعارف سے بالعموم کسی شے کے مصارف پیدائش کا اندازہ نہیں ہوتا۔ ویسے بھی قیمت متعارف لمبے عرصے کے لیے نہیں ہوتی نیز ذخیرہ اشیاء کی کمی بیشی اور ذخیرہ کیے جانے اور نہ کئے جانے کی قابلیت شے کی قیمت متعارف پر اثر انداز ہوتی ہے۔

..."Market Price is determined by the equilibrium between demand and supply in a market very shoot run. The Market period may be an hour, a day, or few days or even few weaks, depending upon the nature of the product."35

مذکورہ بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ ذخیرہ نہ کر سکنے والی اشیاء مثلاً مچھلی وغیرہ کے سلسلے میں قیمت متعارف متاثر ہوتی ہے۔

ذخیرہ اور رسد: (Stock and Supply)

رسد کی تعریف تو صفحات گزشتہ میں بیان کی جا چکی ہے۔

اب ذخیرہ کی تعریف بیان کرنے کے ساتھ رسد اور ذخیرہ کا فرق بیان کیا جا رہا ہے۔

رسد: اشیاء کی وہ مقدار ہے جو ایک خاص قیمت پر منڈی میں فروخت کرنے کے لیے پیش کی جاتی ہے۔

ذخیرہ: اشیاء کی وہ مقدار ہے جو ایک خاص وقت پر منڈی میں موجود ہو۔

ذخیرہ اور رسد میں فرق:

ذخیرہ اور رسد کے فرق کو ذہن نشین کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہمیں معلوم ہو کہ۔۔۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

..."Stock is the total volume of a commotily which can be brought into the market for sale at a short notice...and...Supply means the quartity which is actually brought in the market for sale."36

ہاں البتہ خراب ہونے والی اشیاء مثلاً دودھ اور مچھلی وغیرہ کی 'رسد' اور 'ذخیرہ' ایک ہی ہوتا ہے کیونکہ جو سٹاک موجود ہو اسے لازماً فروخت ہونا چاہیے ورنہ ضائع ہونے کا خدشہ ہے۔

مقدار معہودہ: وہ مقدار جس کو ادا کرنے کا وعدہ کیا گیا ہو یا جس کے بارے میں معاہدہ کیا گیا ہو۔

ا۔ کلوں:

کلوں سے مراد 'مشینوں' ہے۔کل پرانا لفظ ہے آج کل اس کی جگہ 'مشین' رائج ہے۔

ا۔خوردہ فروشی

فارسی لفظ یعنی پرچون فروشی۔

ا۔تجارت بین الاقوام: (International Trade)

جب کسی ایک ملک کے دو ضلعوں میں تجارت ہوتی ہے تو اسے تجارت بین الاضلاع اور صوبوں کے درمیان تجارت بیان الصوبجات یا پھر (Inter-regional) تجارت کہتے ہیں جبکہ دو ممالک کے درمیان تجارت ہو تو اسے تجارت بین الاقوام کا نام دیا جاتا ہے۔

مورگن کہتا ہے۔۔۔۔

..."Trade between Countries is oftern spoken of as if were 'Barler'. Meat is supplied for non cails, Coffee for refrigerator, wheat for wine. So, in the main it is."37

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

بین الاقوامی تجارت میں قیمتوں کی ادائیگی کا طریق کار:

سیموئیل سن اپنی کتاب میں بزنس ریویو، فیڈرل ریزرو بنیک اور فلاڈلفیا کی رپورٹ بعنوان بزنس ریویو جولائی ۱۹۶۲ء کے حوالے سے لکھتا ہے۔۔۔

..."What is the quote on canadion dollors? do you think the cate with hold?...This type of conversation is repeated every day in the foreign dept. of a commercial bank.

...Payment in International transactions involve exchanging one country's currancy for that of another... Foreign exchange markets provide the facilities for such exchanges - for the sale and purchase of foriegn currencies."38

بین الاقوامی تجارت میں ادائیگوں کا توازن کا ذکر کرتے ہوئے Hewett کہتا ہے۔۔۔

..."In the balance of International payments, loans and investments appear as invisible items, to be counted in with the visible items. If a nations total loibilities in its capital account with the rest of the world exceed its capital assets, it is said to be debtor nation...otherwise it is said to be a creditor nation."39

دور حاضر میں تجارت بیان الاقوام ایک لازمی چیز بن گئی ہے جس کے بغیر بہتر زندگی گزارنا ممکن نہیں۔

تجارت بین الاقوام کا ملکی معیشت میں کردار:

..."There is no country in the world today which produces all the cammodities it needs. Every country

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

tries to produce there commodities in which it has conglaraive advantage. It exchanges part of those commdities with those commodities produced by other countries relatively more efficiently."40

..."By

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

حصہ چہارم

پیداوار دولت کے حصّہ دار

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

لگان

سود

منافع

اجرت

مقابلہ نامکمّل

مالگزاری

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

باب اوّل

لگان

تمدّن انسانی کی ابتدائی صورتوں میں حق ملکیت یا جائیداد شخصی کا وجود مطلق نہ تھا۔ محنت کی پیداوار میں حسب ضرورت ہر شخص کا حصّہ تھا۔ ہر شے ہر شخص کی گویا ملکیت تھی اور کوئی خاص فرد یہ دعویٰ نہیں کرسکتا تھا کہ یہ خاص شے میری ملکیت ہے اور یہ کسی اور کی۔ نہ کہیں افلاس کی شکایت تھی نہ چوری کا کھٹکا تھا۔ قبائلی انسانی مل کر گزران کرتے تھے اور امن وصلح کاری کے ساتھ اپنے دن کاٹتے تھے۔ یہ مشارکت جو اس ابتدائی تمدّن میں انسان کا اصول معاشرت تھی ہمارے ملک کے اکثر دیہات میں اس وقت بھی کسی نہ کسی صورت میں مروج ہے۔ زمانہ حال کے بعض فلسفی اس بات پر مصر ہیں کہ تمدّن کی یہی صورت سب سے اعلیٰ اور افضل ہے۔ نظام قدرت میں نوع انسانی کے تمام افراد مساوی حقوق رکھتے ہیں۔ کوئی کسی کا دبیل نہیں ہے اور تمام تمدّنی امتیازات مثلاً سرمایہ دار اور محنتی، آقا وملازم وغیرہ بالکل بے معنی ہیں۔ جائیداد شخصی تمام برائیوں کا سرچشمہ ہے۔ لہذا اقوام دنیا کی بہبودی اسی میں ہے کہ ان بے جا امتیازات کو یک قلم موقوف کرکے قدیمی اور قدرتی اصول مشارکت فی الاشیاء کو مروّج کیا جائے۔ اور کچھ نہیں تو کم از کم ملکیت زمین کی صورت میں ہی اس اصول پر عمل درآمد کیا جائے۔ کیونکہ یہ شے کسی خاص فرد یا قوم کی محنت کا نتیجہ نہیں ہے، بلکہ قدرت کا ایک مشترکہ عطیہ ہے جس پر قوم کے ہر فرد کو مساوی حق ملکیت حاصل ہے۔ حال کی علمی بحثوں میں یہ بحث بڑی دلچسپ اور نتیجہ خیز ہے۔ لیکن ہم اس کا مفصّل ذکر اس ابتدائی کتاب میں نہیں کرنا چاہتے۔ یہاں صرف اس قدر یاد رکھنا چاہئے کہ نظام تمدّن کی موجودہ صورت میں جائیداد شخصی ایک ضروری جزو ہے اور پیداوار محنت یعنی دولت کی تقسیم اسی کی رو سے ہوتی ہے۔ کتاب کے اس حصّے میں ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ وہ کون کون سے اسباب ہیں جن کے عمل سے دولت اپنے پیدا کرنے والوں کے درمیان تقسیم ہوتی ہے۔

یاد رکھنا چاہئے کہ تمام ممالک میں جہاں دستکاری ایک مرتب ومنظّم صورت میں ہے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

دولت چار حصوں میں تقسیم ہوتی ہے یعنی

۱۔ زمین دار کا حصّہ یا لگان

۲۔ سرمایہ دار کا حصّہ یا سود

۳۔ مالک یا کارخانہ دار کا حصہ یا منافع

۴۔ محنتی کا حصّہ یا اجرت

مفتوح ممالک میں دولت کا ایک پانچواں حصّہ دار بھی ہوتا ہے یعنی حکمران جس کے حصّے کو مالگذاری کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ باب ہذا میں ہم صرف لگان[۲] کی نسبت کچھ کہنا چاہتے ہیں۔

لگان وہ معاوضہ نقد یا جنس ہے جو زمین کے استعمال کے عوض میں مالک زمین کو ادا کیا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ معاوضہ بالعموم نقدی یا جنس کی صورت میں ادا کیا جاتا ہے۔ تاہم خدمت کی صورت میں بھی ادا ہوسکتا ہے، جیسے ہندوستان کے بعض دیہات[۲] میں مالکان وہ امام مسجد کو ایک خاص قطعہ زمین کاشت کے لیے دے دیتے ہیں اور اس سے کوئی لگان وصول نہیں کرتے۔ گویا اس کی مذہبی خدمت ہی لگان تصور کی جاتی ہے۔ یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ زمین جس کے استعمال کے عوض میں لگان ادا کرتا ہے مزروعہ ہی ہو بلکہ لگان ایک وسیع لفظ ہے جس کا اطلاق کانوں، چراگاہوں اور حقوق آب پاشی وغیرہ کی صورت میں بھی ہوتا ہے۔

اس مقام پر تم قدرتاً یہ سوال کرو گے کہ لگان کی مقدار کس طرح متعین ہوتی ہے یا وہ کون سے اسباب ہیں جو اس مقدار کی تعیین میں اثر رکھتے ہیں؟ تم اس کتاب کے کسی گزشتہ باب میں پڑھ آئے ہو کہ قانون طلب و رسد ایک ایسا اقتصادی قانون ہے جس کے عمل سے ہر شے کی قیمت متعین ہوتی ہے۔ لگان کی مقدار بھی اس وسیع قانون کے عمل سے آزاد نہیں ہے البتہ بعض ممالک میں اختلاف حالات کے سبب سے اس قانون کا عمل کامل طور پر نہیں ہوسکتا۔ ریاست ہائے[۳] متحدہ امریکہ میں اور اعلیٰ ہذا القیاس کینیڈا اور آسٹریلیا میں چونکہ زمینداروں اور کاشتکاروں کے درمیان ایک بلا قید اور آزاد مقابلہ ہے، اس واسطے وہاں کے لگان اسی قانون کے عمل سے متعیّن ہوتے ہیں۔ انگلستان میں چونکہ کاشتکاروں کے ساتھ بسا اوقات ہمدردی کی جاتی ہے اس واسطے قانون مذکور پورطور پر اپنا عمل نہیں کرسکتا۔ کیونکہ زمیندار کاشتکاروں کو کئی طرح کی رعایات دے دینے کے باعث اقتصادی معنوں میں پوری مقدار لگان کی حاصل نہیں کرسکتے۔ آئرلینڈ میں زمینداروں اور کاشتکاروں کے قومی اور مذہبی اختلافات اور کاشتکاروں کی آبادی کے بڑھ جانے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کے باعث مقابلہ کی کوئی انتہا نہیں رہی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ بے چارے کاشتکار اندازے سے زیادہ لگان ادا کرنے پر مجبور ہو جانے کے سبب سے ہمیشہ زمینداروں کے مقروض رہتے ہیں اور روز بروز مفلس ہوتے جاتے ہیں۔ ہندوستان میں مزارعین کی کئی اقسام ہیں، یعنی تابع مرضی میعادی یا غیر معیادی اور مزارعین موروثی جن کو اس زمین پر جس کو وہ کاشت کرتے ہیں ایک خاص قسم کا حق ملکیت حاصل ہوتا ہے۔ مقدام الذکر مزارعین کی صورت میں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کے لگان کی تعیین قانون طلب و رسد کے عمل پر انحصار رکھتی ہے، مگر موخر الذکر قسم کے مزارعین کے لگان کی مقدار قانونا مقرر ہے اور بعض خاص صورتوں کے سوائے اس مقرر مقدار میں کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ نظری لحاظ سے ہندوستان میں سرکار خود زمیندار ہے اور ہمیشہ اس امر میں ساعی رہتی ہے کہ مزارعین کی حقیقت اراضی ہر طرح سے محفوظ ہو۔

یاد رکھنا چاہئے کہ زمین کی قیمت اور اس کے لگان کے درمیان ایک ضروری تعلق ہے۔ زمین کی قیمت صرف اسی وجہ سے ہے کہ اس سے لگان ملتا ہے۔ اگر لگان نہ ہوتا تو قیمت بھی نہ ہوتی۔ لیکن اگرچہ یہ تعلق بڑا ضروری ہے بلکہ ایک طرح سے وہی تعلق ہے جو علّت و معلول کے درمیان ہوتا ہے۔ تاہم قیمت زمین اور لگان کی درمیانی نسبت مختلف ممالک میں مختلف ہوتی ہے۔ بعض ممالک میں جہاں سرمائے کی مقدار بہت ہے اور انسانی حقوق ہر طرح محفوظ ہیں اور زمین کی ملکیت سے ایک تمدّنی امتیاز حاصل ہوتا ہے، وہاں زمین کی قیمت اس کے سالانہ لگان سے بیس پچیس بلکہ تیس گنا بھی ہوتی ہے کیونکہ ان ممالک میں خریدار زمین کو صرف لگان ہی کا خیال نہیں ہوتا بلکہ وہ اعزاز و امتیاز بھی اس کے مدّ نظر ہوتا ہے جو خرید زمین کا ضروری نتیجہ ہوا کرتا ہے۔

لگان کے متعلق ایک اور ضروری مسئلہ یاد رکھنا بھی لازم ہے اور وہ یہ ہے کہ لگان زرعی پیداوار کی قیمت کا کوئی جزو نہیں ہے یا بالفاظ دیگر یوں کہو کہ اگر لگان معاف کر دیئے جائیں تو زرعی پیداوار کی قیمت میں کوئی فرق نہ آئے گا۔ اس کتاب کے کسی گزشتہ باب میں ہم دو اقتصادی اصول بیان کر آئے ہیں:

۱۔ ایک ہی منڈی میں ایک ہی وقت پر ایک ہی قسم کی اشیاء کی قیمت ایک ہی ہوا کرتی ہے۔

۲۔ کسی شے کی معمولی قیمت اس شے کی رسد کے اس حصّے کے مصارف پیدائش سے متعین ہوتی ہے جو نہایت نامساعد حالات میں پیدا کیا گیا ہو۔

ان ہر دو اصول کو ملحوظ خاطر رکھ کر مندرجہ بالا مسئلے کے سمجھنے کی کوشش کرو۔ تمہیں معلوم ہے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کہ انگلستان کو جس قدر غلے کی ضرورت ہوتی ہے وہ سارے کا سارا انگلستان کی زمینوں میں ہی پیدا نہیں کیا جاتا، بلکہ بعید المقام ممالک سے لایا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ انگلستان کو اخراجات انتقال بار برداری کے علاوہ اس غلّے کے مصارف پیدائش بھی ادا کرنے پڑتے ہیں۔ پس ہر دو مندرجہ بالا اصول کی رو سے ضرور ہے کہ انگلستانی غلے کی قیمت اس غلّے کی قیمت کے برابر ہو جو دیگر مقامات سے لایا جاتا ہے۔ کیونکہ ایک ہی منڈی میں ایک ہی شے کی دو مختلف قیمتیں نہیں ہو سکتیں۔ بشرطیکہ ان کے خواص میں کوئی نمایاں فرق نہ ہو۔ لہٰذا صاف ظاہر ہے کہ جو شخص انگلستان میں ان غیر ممالک کی نسبت جو انگلستان کو غلہ مہیا کرتے ہیں، کم مصارف غلّہ پیدا کر سکتا ہے، وہ فائدے میں رہتا ہے۔ کیونکہ انگلستانی غلّے کی قیمت اس غلے کی قیمت کے مساوی ہوگی جو دیگر ممالک سے لایا جاتا ہے۔ یہ فائدہ یا تو مالک زمین کا حق ہے یا کاشتکار کا۔ محنتی اور خریدار غلّہ کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ فرضاً اگر کوئی مالک زمین نصف لگان معاف کر دے تو اس کا مزارع یا کاشتکار غلّے کو کم قیمت پر فروخت نہیں کریں گے۔ کیونکہ وہ غلّہ مذکور کو قیمت متعارف پر فروخت کر سکتے ہیں۔ مزید برآں یہ بھی کوئی ضروری نہیں کہ مزارع مذکور اپنے کھیتوں کے مزدوروں کو زیادہ اجرت ادا کریں۔ کیونکہ اس بات کی کوئی وجہ نہیں کہ مزدور مذکور اپنی پہلی اجرت کے عوض کام کرنے پر رضامند نہ ہوں گے۔ پس لگان پیداوار کا وہ حصّہ ہے جو زرخیزی کے لحاظ سے ادنیٰ ترین زمین کے اخراجات زراعت نکال کر باقی رہتا ہے۔ اس کا تعلق صرف زمیندار اور کاشتکار سے ہے اور کسی کو اس سے کچھ واسطہ نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ زمیندار اپنا لگان مزارع کو دے دے مگر اس صورت میں یہ کاشتکار یعنی مزارع اسے اپنے قبضے میں رکھے گا۔ اور اسے قیمت متعارف پر فروخت کرنے سے خود فائدہ اٹھائے گا۔ جب وہ اسے قیمت متعارف پر فروخت کر کے خود فائدہ اٹھا سکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ وہ اپنے کھیت کے مزدوروں کو زیادہ اجرت دے کر یا لگان مذکور کو کم قیمت پر فروخت کر کے عام دستکاروں یا غلّے کے خریداروں کو فائدہ پہنچائے۔

ہم معلوم کر چکے ہیں کہ جائیداد شخصی کی صورت میں لگان خود بخود پیدا ہوتا ہے اور نیز ایک خاص اصول ہے جس کی رو سے اس کی مقدار متعین ہوتی ہے۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ لگان جائیداد شخصی کی صورت میں مالک زمین کا حق ہے اور مزارع کو صرف اسی صورت میں مل سکتا ہے کہ مالک زمین اپنی مرضی سے ان کو عطا نہ کرے۔ مزید برآں یہ امر بھی ظاہر ہے کہ جوں جوں آبادی بڑھتی ہے ضرورت ان زمینوں کو کاشت میں لانے پر مجبور کرتی ہے جو اس سے پہلے غیر مزروعہ پڑی تھیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو زمینیں افزائش آبادی سے پیشتر کاشت کی جاتی تھیں ان کا

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

لگان بڑھ جاتا ہے۔ زمیندار روز بروز دولتمند ہوتے جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ مزید دولت جوان کو ملتی ہے نہ اسکی ذاتی کوششوں اور نہ ان کی زمینوں کے محاصل کی مقدار بڑھنے کا نتیجہ ہوتی ہے۔ بلکہ صرف آبادی کی زیادتی سے پیدا ہوتی ہے۔ ان کی ذاتی کوششیں اور ان کی زمینوں کے محاصل کی مقدار میں کوئی فرق نہیں آتا۔ پھر ان کا کوئی حق نہیں کہ وہ دولت مند ہوتے جائیں۔ کوئی وجہ نہیں کہ آبادی کی زیادتی سے قوم کے خاص افراد کو فائدہ پہنچے۔ اور باقی قوم اس سے محروم رہے۔ اگر یہ فائدہ ان کی ذاتی کوششوں یا ان کی زمینوں کے محاصل کے بڑھ جانے کا نتیجہ ہوتا تو ایک بات تھی لیکن جب ان کی دولت مندی کے یہ اسباب نہیں ہیں، تو صرف ظاہر ہے کہ ان کی امیری صریحا اصول انصاف کے خلاف ہے۔ ان نتائج کو ملحوظ رکھ کر بعض محققین نے بڑے زور شور سے ثابت کیا ہے کہ یہ سب ناانصافی جائداد شخصی سے پیدا ہوتی ہے جس کا وجود قومی بہبودی کے لیے انتہا درجے کا مضرت رساں ہے۔ پس حکما کے اس فریق کے نزدیک زمین کسی خاص فرد کی ملکیت ہونی چاہئے۔ یا بالفاظ دیگر یوں کہو کہ لگان کی یہ زائد مقدار جو آبادی کی زیادتی کے سبب سے پیدا ہوتی ہے سرکار یا قوم کا حق ہے نہ کہ زمینداروں کا۔ یہ ایک بڑی دلچسپ بحث ہے۔ لیکن چونکہ یہ ابتدائی کتاب اس کے لیے موزوں نہیں، اس واسطے ہم اسے نظر انداز کرتے ہیں۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

باب۲

ساہوکار کا حصّہ یا سود

حصّہ دوم میں معلوم ہو چکا ہے کہ سرمایہ بچت کا نتیجہ ہے اور زمین کے فطری قویٰ، ہوا، پانی وغیرہ اس میں داخل نہیں۔ ظاہر ہے کہ دولت کی پیداوار کا کچھ حصّہ یا بہت زیادہ حصّہ دستکاروں، سرمایہ داروں اور زمینداروں کی ضروریات پر صرف ہوتا ہے۔ اور کوئی وجہ نہیں کہ پیداوار دولت کی تمام و کمال مقدار اسی طرح صرف نہ ہو جائے، جب تک کہ کوئی ایسی چیز نہ ہو جو دولت کو جذبات نفسانی کے نتیجہ سے چھوڑا کر کسی قوم کے افراد کو جمع کرنے کی ترغیب و تحریص دے۔ مہذب ممالک میں تجارت کی وسعت کے ساتھ جمع کرنے کی خواہش کو بہت حریک ہوتی ہے۔ کیونکہ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ میرے پاس سرمایہ ہو، جس کو خود کسی کام پر لگا کر نفع اٹھاؤں یا کسی اور کو مستعار دے کر اس کے معاوضے میں سود لوں۔ یہ نفع یا سود جو استعمال سرمایہ کے عوض میں ادا کیا جاتا ہے جمع کرنے کا ایک زبردست محرک ہے۔ تاہم اقوام دنیا کے مختلف افراد پر اس کا اثر مختلف ہوتا ہے۔ عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ سود زر نقد یا روپے کے استعمال کے عوض میں ادا کیا جاتا ہے۔ مگر حقیقت میں یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ اصل مطلب زر نقد نہیں ہے بلکہ وہ اشیاء ہیں جو زر نقد مستعار کی وساطت سے حاصل کی جاتی ہیں اور جن کو بطور سرمایہ استعمال کیا جاتا ہے۔ مزید برآں زمانہ حال میں تجارت کے اکثر کاروبار ساکھ یا اعتبار کے بل پر چلتے ہیں۔ اسوواسطے خرید و فروخت میں زر نقد کی کبھی کبھی ضرورت پڑتی ہے۔ پس سود استعمال زر نقد کے عوض میں نہیں بلکہ استعمال سرمایہ کے معاوضے میں ادا کیا جاتا ہے۔ لہٰذا اس کی مستقل شرح اس نسبت پر منحصر ہے جو کسی ملک میں قرضوں کی مانگ اور سرمائے کی اس مقدار کے درمیان ہو جو سود پر دی جا سکتی ہو۔ شرح سود کی زیادتی کمی سرمایہ پر دلالت کرتی ہے۔ اور اس کی کمی زیادتی سرمایہ پر۔ جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ شرح سود کی زیادتی اقتصادی لحاظ سے غیر مفید نہیں۔ کیونکہ سرمایہ بچت کا نتیجہ ہے اور شرح سود اس بچت کا انعام ہے۔ لہٰذا جس قدر شرح سود زیادہ ہوگی اسی قدر لوگوں کو جمع کرنے کی تحریک ہوگی اور سرمائے کی مقدار بڑھتی جائے گی۔

پس صاف ظاہر ہے کہ کسی ملک میں ایسے قوانین کا وضع ہونا جن کا منشا شرح سود کو کم کرنا یا

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اس کی زیادتی کو روکنا ہو، گویا ان اسباب کے عمل کو روکنا ہے، جن کی وساطت سے سرمائے کی رسد بڑھتی ہے۔ مگر برعکس اس کے یہ نہ سمجھ لینا کہ کسی ملک میں شرح سود کی کمی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہاں کی تمدّنی حالت ہر طرح سے محمود ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں شرح سود کی کمی سرمائے کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے لیکن اس سے یہ نتیجہ بھی نکل سکتا ہے کہ سرمائے کی مقدار اس سرعت اور تیزی کے ساتھ بڑھتی ہے کہ اب اس کے بارآور استعمال کی کوئی مزید صورت رہی ہی نہیں اور نظام تمدن کا شیرازہ ایسا بگڑ گیا ہے اور لوگ اس قدر کاہل و آرام طلب ہو گئے ہیں کہ نئے نئے تجارتی اور صنعتی مشاغل کا بار اٹھانے کی تکلیف گوارا نہیں کر سکتے۔

شرح سود کی زیادتی کے کئی اسباب ہیں۔ لوگ ممالک غیر میں اپنا سرمایہ سود پر نہیں دیتے جب تک کہ زیادہ شرح سود نہ ملے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر ممالک میں شرح سود کی مقدار اس منافع پر بھی انحصار رکھتی ہے جو سرمائے کے استعمال سے حاصل ہو۔ ملک آسٹریلیا کے کسانوں کو زراعت سے بیس فیصد منافع حاصل ہوتا ہے۔ اس واسطے وہ لوگ سرمایہ مستعار کے عوض میں شرح سود کی ایک بہت زیادہ مقدر دے سکتے ہیں، یہ نسبت ان ممالک کے جہاں زراعت سے اس قدر منافع حاصل نہیں ہوتا۔ علیٰ ہذا القیاس اشیاء خوردنی کی ارزانی مصارف محنت کو کم کر کے منافع کی مقدار کو زیادہ کرتی ہے جس سے شرح سود کی مقدار بھی بڑھتی ہے۔ برخلاف اس کے سونے چاندی کی نئی نئی کانوں کا دریافت ہو جانا سرمائے کی رسد کو زیادہ کرتا ہے۔ اس واسطے شرح سود کی مقدار کم ہو جاتی ہے۔ اور نیز کسی ملک کے مختلف بنکوں کا باہمی مقابلہ بھی جو ہمیشہ اپنے اپنے سرمائے کو لگانے کی فکر میں رہتے ہیں، شرح سود کی مقدار کو کم کرتا ہے۔ زمانہ حال میں مندرجہ ذیل اسباب کے اثر سے شرح سود زیادہ ہوتی گئی ہے۔

۱۔ وسائل آمد و رفت کی سہولت سے لوگوں کو غیر ممالک میں سرمایہ منتقل کرنا آسان ہو گیا ہے۔ جس ملک سے سرمایہ منتقل ہو وہاں اس کی رسد کم ہوتی جائے گی۔ لہذا اس ملک میں شرح سود بڑھے گی۔

۲۔ مختلف ممالک کے ارکان سلطنت اخراجات جنگ اور دیگر رفاہ عام کے کاموں میں روپیہ صرف کرنے کے لیے رعایا سے قرض اٹھاتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا، تو سرمائے کی مقدار ملک میں عام طور پر مستعار دی جا سکتی جس سے شرح سود کی مقدار بسبب زیادتی رسد سرمایہ کم ہو جاتی۔

۳۔ دیگر ممالک سے اشیاء خوردنی وغیرہ کا خرید کرنا کسی ملک کے سرمائے کی مقدار کو کم کرتا ہے جس سے ایک ملک میں شرح سود کی مقدار بڑھ جاتی ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

۴۔ چونکہ مشترک سرمائے والی کمپنیاں اِ قانونا جائز تصوّر کی گئی ہیں۔ اس واسطے ساہوکاروں میں سے اکثر لوگوں نے متفق ہوکر تجارتی کمپنیاں قائم کر لی ہیں۔ لہٰذا سرمائے کی وہ مقدار جو پہلے سود پر اوروں کو دی جاسکتی تھی تجارت کی مختلف شاخوں میں لگ گئی ہے جس سے اس سرمائے کی مقدار کم ہوگئی ہے جو مستعار دیا جاسکے۔ لہذا شرح سود بڑھ گئی ہے۔

تم شاید یہ سمجھو گے کہ شرح سود اور لگان دونوں ایک ہی جنس کی نوعیں ہیں، مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ جوں جوں آبادی زیادہ ہوتی ہے تہذیب وتمدّن ترقی کرتے ہیں اور دولت کی پیداوار بڑھتی ہے توں توں جیسا کہ ہم باب گزشتہ میں کہہ آئے ہیں، لگان کی مقدار بڑھتی جاتی ہے۔ لیکن شرح سود ان حالات میں بوجہ افزائش سرمایہ کم ہوتے جانے کا میلان رکھتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس لگان اور سود میں ایک یہ بھی ضروری فرق ہے کہ مقدّم الذکر، جیسا کہ ہم ثابت کر آئے ہیں، اشیاء کی قیمتوں کا کوئی جزو نہیں ہے لیکن مؤخر الذکر ان کی قیمتوں کا جزو ہے۔ کیونکہ شرح سود کی کمی بیشی اس منافع کی کمی بیشی پر انحصار رکھتی ہے جو تجارت کی کسی شاخ پر سرمایہ لگانے سے حاصل ہوتی ہے اور منافع کی کمی بیشی اشیاء کی قیمتوں کی کمی بیشی پر منحصر ہے۔ اکثر صورتوں میں ساہوکاروں کو اپنے قرضداروں پر پورا اطمینان نہیں ہوتا، بلکہ بعض صورتوں میں ان کو سرمائے کی عدم ادائیگی یا کسی اور مسم کے نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس واسطے وہ اپنے قرضداروں کو شرح سود کی ایک غیر معمولی مقدار پر سرمایہ قرض دیتے ہیں اس غیر معمولی شرح سود کو جو احتمال عدم ادائیگی یا نقصان کے اندیشے کی وجہ سے حاصل کی جاتی ہے اصطلاح اقتصاد میں سود کا ذب اِ کہتے ہیں۔ کیونکہ شرح سود کی اصلی اور صحیح مقدار وہی ہے جس کی تعیین میں کسی قسم کے اندیشے سے ونقصان کو دخل نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات ایک تجارتی مرکز میں شرح سود کی مقدار کہیں کچھ اور کہیں کچھ ہوتی ہے۔ قیمت اشیاء کے متعلق تم اقتصادی اصول پڑھ چکے ہو کہ ایک ہی منڈی میں ایک ہی وقت ایک ہی قسم کی اشیاء کی قیمت ایک ہی ہوتی ہے۔ مگر یاد رکھنا چاہئے کہ یہ اصول شرح سود یا بالفاظ دیگر اس قیمت کے متعلق صحیح نہیں ہے جو استعمال سرمائے کے عوض دی جاتی ہے۔ یہ وجہ ہے کہ شرح سود کی تعیین میں بسا اوقات احتمال نقصان کو بھی بڑا دخل ہوتا ہے۔ جہاں روپے کے ضائع ہوجانے کا احتمال ہو وہاں ساہوکار زیادہ شرح سود لے لیتے ہیں۔ اور جہاں نقصان کا احتمال کم ہو یا بالکل نہ ہو یا بالفاظ دیگر یوں کہو کہ جہاں ان کو روپے کے واپس مل جانے اور سود کے باقاعدہ ادا ہوتے رہنے کا پورا یقین ہو، وہاں کم شرح سود پر رضامند ہوجاتے ہیں۔ اس کے علاوہ چونکہ لوگ بالعموم اس بات سے ڈرتے ہیں کہ دنیا میں ان کا بھرم نہ نکل جائے۔ اس واسطے حتی المقدور مستعار سرمایہ لینے کو اوروں

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

سے چھپاتے ہیں اور اس بات کی کوشش نہیں کرتے کہ مختلف ساہوکاروں کے درمیان ایک قسم کی تجارتی ضد یا مقابلہ پیدا کر دیں جس سے شرح سود کی مقدار کم ہو جائے اور ان کو فائدہ پہنچے۔ لہذا مستعار سرمایہ لینے والوں کو حالات کا پورا علم نہیں ہوتا اور ساہوکاروں کے درمیان باہمی کامل طور پر اپنا اثر نہیں دکھا سکتا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مختلف ساہوکار شرح سود کی مختلف مقداروں پر روپیہ قرض دیتے ہیں۔

علیٰ ہذا القیاس دنیا کی مختلف تجارت گاہوں میں بھی شرح سود کے اختلاف کے اسباب یہی ہیں جو بیان ہوئے۔ مگر اس خاص صورت میں اختلاف کا ایک اور باعث بھی ہے۔ یعنی ساہوکار عموماً اپنا سرمایہ غیر ممالک کے لوگوں کو مستعار نہیں دیتے جس سے شرح سود میں مقامی اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ان کو اور باتوں کے علاوہ یہ خیال بھی دامن گیر ہوتا ہے کہ اگر کسی سبب سے سرمایہ مستعار کی وصولی وغیرہ کے لیے عدالت تک نوبت پہنچی تو اجنبیوں کے ساتھ جھگڑا رگڑا کرنے میں خواہ مخواہ کی دقت ہوگی۔ بسا اوقات اقوام کا باہمی تعصب اور بدظنی اور قابل اعتماد دلالوں کا دستیاب نہ ہو سکنا بھی ساہوکار کو غیر ممالک میں روپیہ لگانے سے روکتا ہے۔ مزید برآں ان کو فطرتاً یہ خیال بھی ہوتا ہے کہ اپنے وطن میں شرح سود کی تھوڑی سی مقدار پر اکتفا کرنا اچھا ہے بجائے اس کے کہ سرمایہ دیگر ممالک میں منتقل کریں، جہاں کے حالات کا کافی علم نہ ہونے کی وجہ سے نقصان کا احتمال ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

باب۳

مالک یا کارخانہ کا حصّہ یا منافع

پیداوار دولت کا تیسرا حصّہ دار مالک یا کارخانہ دار ہے جو صنعت کی مختلف شاخوں کو مرتب ومنظّم کرتا ہے اور جس کا فرض علاوہ دیگر فرائض کے ایک اس امر کا فیصلہ کرنا بھی ہوتا ہے کہ کون کونسی اشیاء کس کس مقدار میں تیار کی جائیں گی اور کس قیمت پر فروخت کی جائیں گی۔ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ تمدن انسانی کے ابتدائی مراحل میں میں مالک یا کارخانہ دار کا وجود ضروری نہیں ہوتا۔ لیکن پیدائش دولت کی مختلف صورتوں کا پیچیدہ ہوتے جانا، کلوں کی ایجاد اور تجارت کی وسعت اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ کوئی فرد ایسا بھی ہو، جو دست کاری کے کاروان کے لیے قافلہ سالار کا کام دے اور جس کا ذاتی تجربہ، انتظامی قوت اور تجارت کے نشیب وفراز سے واقف ہونا صنعت کی روز افزوں پیچیدگیوں کو سلجھاتا رہے۔ تم جانتے ہو تمدن کی اعلیٰ صورتوں میں جب کہ صنعت انتہا درجے کی ترقی کر جاتی ہے یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص جس کے پاس سرمایہ موجود ہو مالک یا کارخانہ دار کا کام بھی دے سکے۔ کیونکہ کارخانہ داری کے لیے دیگر اوصاف کے علاوہ ایک خاص قسم کی انتظامی قوت، عاقبت بینی اور ذمہ داریوں کا بار اٹھا سکنے کی قابلیت لازم ہے جس سے بالعموم ہر سرمایہ دار متصف نہیں ہوتا۔ لہذا جس طرح سرمایہ مہیا کرنے کے عوض میں ساہوکار یا سرمایہ دار کو ایک خاص معاوضہ ملتا ہے جو سرح سود کہلاتا ہے، اسی طرح پیدائش دولت کے سلسلے میں کارخانہ دار کو بعض فرائض کی انجام دہی کے لیے ایک خاص معاوضہ ملتا ہے جس کو منافع کہتے ہیں۔ اکثر محققین اقتصاد نے کارخانہ دار اور سرمایہ دار یا ساہوکار یا یوں کہو کہ منافع اور سود میں کوئی امتیاز نہیں کیا۔ اس واسطے وہ منافع کو استعمال سرمایہ کا معاوضہ سمجھتے ہیں اور اس کے علاوہ جو کچھ کارخانہ دار کو ملتا ہے اسے محض اجرت انتظام ونگرانی وغیرہ تصور کرتے ہیں۔ لیکن صاف ظاہر ہے کہ پیدائش کے سلسلے میں سرمایہ دار اور کارخانہ دار مختلف اقسام کے فرائض ادا کرتے ہیں اور موخر الذکر کا حصّہ ایسا بے حقیقت نہیں ہے کہ اسے نظر انداز کر دیا جائے بلکہ اقتصادی لحاظ سے اسے اجرت کے نام سے موسوم کرنا ہی غلط ہے جیسا کہ ابھی واضح ہوگا کہ ہر کارخانہ دار جس میں کارخانہ داری کے اوصاف موجود ہیں سرمایہ دار بھی ہوسکتا ہے کیونکہ اوروں سے کسی خاص شرح سود پر سرمایہ حاصل کرسکتا ہے۔ خصوصا اس زمانہ میں جب کہ تجارتی کاروبار کا زیادہ تر حصّہ اعتبار پر چلتا ہے۔ مگر ہر سرمایہ دار یا ساہوکار کارخانہ دار نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ اوصاف جو کارخانہ داری کے لیے ضروری ہوتے ہیں ہر سرمایہ دار

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

میں موجود نہیں ہوتے ہاں اگر کسی سرمایہ دار یا ساہوکار میں کارخانہ داری کے اوصاف موجود ہوں تو وہ دونوں کے فرائض کو انجام دے کر دگنا فائدہ اٹھا سکتا ہے۔تم جانتے ہو کسی شے کے مصارف پیدائش سے مراد ان اخراجات کی ہے، جو اس شے کی تیاری اور اس کو خرید و فروخت کے مقام وغیرہ پر لانے میں صرف ہوتے ہیں۔کارخان دار کی خواہش اور امید یہ ہوتی ہے کہ اس شے کی قیمت فروخت یا قدر اس کے مصارف پیدائش سے بڑھ جائے۔لہذا منافع اس فرق کے برابر ہوتا ہے جو کسی شے کی قیمت فروخت اور اس کے مصارف پیدائش کے درمیان ہو۔بشرطیکہ مقدم الذکر سے مقدار میں زیادہ ہو۔کیونکہ اگر قیمت فروخت مصارف پیدائش سے کم ہوگی تو اس سے کارخانہ دار کو منافع نہیں ہوگا بلکہ گھاٹا ہوگا۔تجارت اشیاء میں یہ نفع جو کارخانہ دار کو ہوتا ہے منافع کہلاتا ہے۔اور قوضوں کی تجارت کی صورت میں اس نفع کو منافع کے نام سے نہیں بلکہ سود یا متی کاٹے کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔وسیع معنوں میں منافعہ کا مفہوم یہی ہے جو بیان ہوا۔مگر یاد رکھنا چاہئے کہ منافع کی حقیقت پ ربحث کرنے والوں میں سے بعض ن یا یک بڑی غلطی کھائی ہے۔جس طرح شرع سود سے مراد یک خاص مقدار کی ہے جو سرمائے کو ایک خاص مدت تک استعمال کرنے کے عوض میں ادا کی جاتی ہے۔اسی طرح شرح منافعسے مراد منافع کی ایک خاص مقدار ہے جو ایک خاص مدّت میں حاصل ہو۔مگر بعض محققین غلطی سے یہ سمجھتے ہیں شرح منافع کی تعیین میں مدّت کو کوئی دخل ہیں ہے۔اور شرح منافع صرف مقادیر منافع اور سرمائے کی درمیان نسبت پر منحصر ہے۔ مگر یہ رائے صریحا غلط ہے۔فرضا اگر میں تجارت کی کسی شرح پر سو روپیہ سرمایہ لگاؤں اور مجھے پانچ روپے یومیہ منافع ہو تو صاف ظاہر ہے کہ شرح منافع فی ماہ ۱۵۰ روپے فی صد ہے۔لیکن اگر اس قدر منافع دو ماہ کی میعاد میں حاصل ہو تو شرح منافع ۷۵ روپے فی صد فی ماہ ہوگی نہ ۱۵۰ فی صد۔ لہذا شرح منافع کی مقدار نہ صرف سرمائے کی مقدار پر منحصر ہے بلکہ اس مدّت پر بھی انحصار رکھتی ہے جس میں منافع کا کل مقدار حاصل ہو۔جس قدر کسی شے کی قیمت فروخت اس کے مصارف پیدائش سے زیادہ ہوگی اسی قدر شرح منافع مقدار بھی زیادہ ہوگی اور جس قدر قیمت فروخت کم ہوگی اسی قدر شرح منافع کی مقدار بھی کم ہوگی۔علیٰ ہذا القیاس اگر اس مدّت کی مقدار جس میں کل منافع حاصل ہوا ہے کم ہوگی تو شرح منافع کی مقدار زیادہ ہوگی اور اگر مقدام الذکر کی مقدار زیادہ ہوگی تو موخر الذکر کی مقدار کم ہوگی۔مثلا اگر سرمائے کی کسی خاص مقدار کے عوض دو ماہ میں پچاس روپے منافع ہو،تو شرح منافع فی ماہ پچیس روپیہ ہوگی۔لیکن اگر یہ پچاس روپیہ منافع پانچ ماہ میں حاصل ہو تو ظاہر ہے کہ شرح منافع فی ماہ دس روپیہ ہوگی۔لہذا شرح منافع کے کے متعلق یہ ضروری

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اصول قائم ہوا کہ ''شرح منافع مصارف پیدائش اور اس مدّت کے ساتھ جس مین منافع کی کل مقدار حاصل ہو نسبت معکوس رکھتی ہے۔'' اس ذرا سی بات کو نہ سمجھنے کے باعث بعض محققین نے بڑی بڑی غلطیان کھائی ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ منافع کی مقدار صرف اسی صورت میں زیادہ ہوسکتی ہے جب کہ اجرت کی مقدار کم ہو۔ اور اسی صورت میں کم ہوسکتی ہے جب کہ اجرت کی مقدار زیادہ ہو۔ لہٰذا ان حکما کے نزدیک کارخانہ داروں اور محنتیوں کے سود و زیاں کے درمیانا یک قسم کا ضروری تناقض ہے یا یوں کہو کہ ایک کا نفع اور دوسرے کا نقصان ہے لیکن جیسا کہ ہم نے اوپر ثابت کیا ہے شرح منافع کی تعیین میں مدت کو بھی بڑا دخل ہے۔ یعنی اگر سرمائے اور منافع کی مقادیر میں کوئی تغیر پیدا نہ ہو ہو تو جس مدت کو بھی بڑا دخل ہے۔ یعنی اگر سرمائے اور منافع کی مقادیر میں کوئی تغیر پیدا نہ ہو تو جس مدّت میں منافع کی ایک خاص مقدار حاصل ہوتی ہے اس مدّت کے کم ہو جانے یا یوں کہو کہ اشیاء تجارتی کے بہت جلد فروخت ہو جانے سے شرح منافع بڑھ جاتی ہے اور اس مدّت کی زیادتی سے شرح منافع کم ہو جاتی ہے خواہ اجرت کی مقدار مین فرق پیدا ہو یا نہ ہو۔ علیٰ ہذا القیاس یہ بھی ممکن ہے کہ اجرت کی مقدار بڑھ جائے اور منافع کی مقدار کم ہو جائے۔ مگر باوجود اس کے شرح منافع زیادہ ہو جائے۔ مثلاً فرض کرو کہ سرمایہ ایک سو پونڈ کے برابر ہے۔ اور منافع سالانہ بیس پونڈ ہے۔ اگر بیس پونڈ منافع ایک ماہ میں حاصل ہو تو ظاہر ہے کہ شرح منافع کی مقدار ۲۴۰ پونڈ سالانہ فی صد ہوگی۔ فرض کرو کہ شرح منافع میں اس قدر زیادتی ہو جانے سے سرمایہ دار پانچ پونڈ بطور اجرت ادا کرتا ہے۔ اس صرت میں مصارف پیدائش ۱۰۵ پونڈ ہوئے اور منافع ماہانہ ۱۴۰۳ یا قریبا ۱۵ پونڈ فی صد ہوا۔ لہذا شرح منافع ۱۶۷ پونڈ ہوئے اور منافع کی مقدار بجائے بیس پونڈ فی یوم ہو گئی یا یوں کہو کہ شرح منافع ۳۰۰ ۷ پونڈ سالانہ فی صد ہے۔ اگر شرح منافع میں اس قدر زیادتی ہو جانے سے ۱۰ پونڈ یومیہ منافع ہوگا۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ شرح منافع فی یوم ۴ فیصد سے زیادہ یا ۳۳۱۸ سالانہ فی صد سے زیادہ ہے۔ اس مثال سے ظاہر ہے کہ اس مدت کی کمی سے جس سے منافع کی کوئی خاص مقدار حاصل ہوتی ہے اجرت اور شرح منافع ایک ساتھ بڑھ سکتے ہیں۔ اگرچہ منافع مجموعی طور پر کم ہی کیوں نہ ہوتا جائے۔ لہذا دستکاروں و خریداروں اور کارخانہ داروں کے نفع و نقصان کے درمیان کوئی تناقض نہیں ہے اور شرح منافع مختصر امندرجہ ذیل اسباب پر منحصر ہے۔

۱۔ وہ تمام اسباب جو اشیاء تجارتی کے مصارف پیدائش کو کم کرتے ہیں۔ منافع کی کل مقدار کو زیادہ کرتے ہیں۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ شرح منافع بھی اسی نسبت سے زیادہ ہوتی ہے۔ مگر مصارف پیدائش صرف اسی صورت میں کم ہو سکتے ہیں کہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

۱۔ دستکار کی کارکردگی بڑھ جائے اور اس کی اجرت بدستور وہی رہے۔
۲۔ اجرت کم ہو جائے اگرچہ محنت کی کارکردگی اور اشیاء خوردنی وغیرہ کی قیمت خرید بدستور ہی رہے۔
۳۔ اشیا خوردنی وغیرہ ارزاں ہو جائیں مگر دستکار کو ان کی اس قدر مقدار مل سکے جو پیشتر ملا کرتی تھی۔ برخلاف اس کے اگر کمی تعلیم یا سرمایہ قائم مثلاً کلوں وغیرہ کے تلف ہو جانے یا دستکار کی جسمانی قوت میں زوال آ جانے کے باعث محنت کی کارکردگی کم ہو جائے یا دستکار کی اجرت بڑھ جائے، مگر اشیاء خوردنی ارزاں نہ ہوں یا اجرت بدستور ہی رہے اور اشیاء خوردنی وغیرہ گراں ہو جائیں، تو منافع کی مقدار کم ہوگی۔ جس کے یہ معنی ہیں شرح منافع کی مقدار بھی اسی نسبت سے کم ہوگی بشرطیکہ اس مدّت میں کوئی تغیر نہ ہو جس میں کل منافع کی مقدار حاصل ہوتی ہے۔
ب۔ شرح منافع کی تعیّن میں چونکہ مدّت کو بھی دخل ہے لہٰذا اگر وہ مدّت جس میں منافع کی کوئی خاص مقدار حاصل ہوتی ہے، کم ہو جائے تو شرح منافع زیادہ ہوگی۔
منافع کی زیادتی کا نتیجہ یہ ہوتا ہیکہ وہ مصالحہ جس سے تجارتی اشیاء تیار ہوتی ہیں، مانگ کے بڑھ جانے کی وجہ سے گراں ہو جاتا ہے اور لوگ تجارت کی دیگر شاخوں سے اپنا سرمایہ نکال کر اس شاخ میں لگانا شروع کر دیتے ہیں جہاں شرح منافع نسبتاً زیادہ ہے۔ مگر یہ حالت دیر تک نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ سرمائے کی زیادتی سے اشیا کی رسد ان کی مانگ سے بڑھ جاتی ہے۔ لہٰذا قیمتیں کم ہو جاتی ہیں اور شرح منافع اپنی پہلی حالت پر عود کر آتی ہے بلکہ بسا اوقات معمول سے کم بھی ہو جاتی ہے۔
ماہیت منافع کی مزید توضیح کے لیی محقق واکر لکھتا ہے کہ اگرچہ لگان اور سود ان کا فرق پہلے واضح ہو چکا ہے) میں بڑا فرق ہے۔ تاہم منافع اور لگان ایک ہی جنس کی دو نوعیں ہیں جس طرح لگان کی مقدار بسبب زمین کی غیر معمولی زرخیزی اور اس کا کسی خاص مناسب مقام پر واقع ہونا ہے۔ اسی طرح منافع کی مقدار بھی کارخانہ دار کی ذاتی قابلیت اور اس کی غیر معمولی انتظامی قوت و عاقبت اندیشی پر انحصار رکھتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس جس طرح مقدم الذکر کی تعیین میں مختلف زمینوں کے لگانوں کا باہمی مقابلہ بڑا دخل رکھتا ہے۔ اسی طرح مختلف کارخانہ داروں کے منافع کی مقدار کے معین کرنے میں بھی ان کے اوصاف کا باہمی مقابلہ بڑا دخل رکھتا ہے۔ جس طرح بعض ایسی زمینیں ہیں جو کم لگان ادا کرتی ہیں، اسی طرح بعض ایسے کارخانہ دار بھی ہیں جو کم منافع حاصل کرتے ہیں ہر ملک میں سینکڑوں ایسے یا کارخانہ دار ہیں جو حقیقت میں ان اوصاف سے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

بے بہرہ ہیں جو کارخانہ داروں کے لیے ضروری ہیں اور جن کا منافع بمشکل ان کے گزارہ کے لیے کافی ہوتا ہے۔ پس اقتصادی استدلال کے لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس قسم کے کارخانہ داروں کو منافع کچھ نہیں ہوتا۔ اس توضیح سے حقیقت منافع کے متعلق دو نہایت اہم نتائج نکلتے ہیں جن کا ذہن نشین کر لینا نہایت ضروری ہے۔

۱۔ منافع اشیاء صنعتی کی قیمت کا کوئی جزو نہیں ہے بلکہ یہ اس دولت کا ایک حصہ ہے جو کارخانہ دار کی ذاتی قابلیت اور اس کی غیر معمولی قوت انتظام کی وساطت سے پیدا ہوتی ہے۔ تمہیں معلوم ہوگا کہ لگان زرعی پیداوار کی قیمت کا کوئی جزو نہیں ہے بلکہ اس دولت کا ایک حصّہ ہے جو زمین کی غیر معمولی زرخیزی اور اس کے کسی خاص مقام پر واقع ہونے سے پیدا ہوتی ہے۔ جس استدلال کی بنا پر یہ بات لگان کے متعلق صحیح ثابت کی گئی تھی اسی استدلال کی رو سے یہ بھی ثابت ہوسکتا ہے کہ منافع اشیاء صنعتی کی قیمت کا کوئی جزو نہیں ہے۔ صنعتی اشیاء کی قیمت اشیاء مذکور کے اس حصہ کے مصارف پیدائش سے متعین ہوتی ہے جو نہایت نامساعد حالات میں پیدا کیا گیا ہو۔ لیکن چونکہ اقتصادی اصولوں کی رو سے ایک ہی منڈی میں ایک ہی قسم کی اشیاء کی قیمت ایک وقت پر ایک ہو ہوتی ہے، لہٰذا صاف ظاہر ہے کہ جو کارخانہ داران کارخانہ داروں کی نسبت جو نہایت نامساعد حالات میں کام کرتے ہیں کم مصارف پر اشیاء صنعتی تیار کر سکتے ہیں زیادہ منافع حاصل کریں گے۔ کیونکہ قیمت اشیاء دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے اور مصارف پیدائش ایک صورت میں کم اور دوسری میں زیادہ ہیں۔

۲۔ علیٰ ہذا القیاس یہ صحیح نہیں ہے کہ کارخانہ دار کا منافع صرف اسی صورت میں بڑھ سکتا ہے جب کہ اجرت کم ہو۔ کیونکہ اجرت کی جو مقدار ان کارخانہ داروں کو ادا کرنی پڑتی ہے جو اوصاف کارخانہ داری سے مزین ہونے کے باعث نافع حاصل کرتے ہیں، وہی مقدار اوروں کو بھی ادا کرنا پڑتی ہے جو ان اوصاف سے معرا ہونے کے باعث اقتصادی لحاظ سے کوئی منافع حاصل نہین کرتے یا صرف برائے نام منافع حاصل کرتے ہیں۔ اجرت کی مقدار دونوں میں مساوی ہے۔ مگر ایک صورت میں منافع ہوتا ہے، دوسرے میں کوئی منافع نہیں ہوتا یا صرف برائے نام منافع ہوتا ہے۔ جس کے یہ معنے ہیں کہ حصول منافع کارخانہ دار کی ذاتی قابلیت کا نتیجہ ہے۔

جس طرح عمدہ زمینوں کا لگان بری زمینوں کے لگان سے مقدار میں زیادہ ہوتا ہے اسطرح ہشیار اور معاملہ فہم کارخانہ داروں کا منافع ان کارخانہ داروں کے منافع سے زیادہ ہوتا ہے جو اوصاف کارخانہ داری سے معرا ہوتے ہیں۔ آبادی و تہذیب و تمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ ادنی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

درجے کی زمینیں کاشت میں لانی پڑتی ہیں اور زرخیز قطعات زمین کا لگان بڑھتا جاتا ہے۔علیٰ ہذا القیاس جوں جوں ایسے کارخانہ داروں کی تعداد بڑھتی ہے جو اوصاف کارخانہ داری سے معرا ہیں، توں توں ان کارخانہ داروں کا منافع بڑھتا ہے جو ان اوصاف سے بہرہ ور ہیں۔ کیونکہ کارخانہ دار کی نا قابلیت کی وجہ سے مصارف پیدائش بڑھ جاتے ہیں۔

اس ضمن میں یہ یاد رکھنا بھی ضروری ہے کہ کسی ملک کا تہذیب وتمدن میں ترقی کرنا اس امر کا مقتضی ہے کہ وہاں شرح منافع روز بروز کم ہوتی جانے کا میلان رکھے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسے ملک میں نا قابل کارخانہ داروں کی تعداد روز بروز کم ہوتی جاتی ہے۔لہٰذا ان کارخانہ داروں کا منافع روز بروز کم ہوتا جاتا ہے جو ذاتی قابلیت کا جوہر رکھتے ہیں۔ کیونکہ ان کے منافعکی زیادتی نا قابل کارخانہ داروں کی تعداد پر منحصر ہے۔ علاوہ اس کے ایسے ملک میں عام لوگ دور اندیش ہوجاتے ہیں، جس سے سرمایہ زیادہ سے زیادہ جمع ہوجاتا ہے۔لہٰذا اس کی رسد بڑھتی جاتی ہے اور شرح منافع کم ہوتی جاتی ہے، کیونکہ شرح منافع کی زیادتی کا ایک باعث یہ بھی ہے کہ سرمایہ کیرسد کم ہو۔ مزید برآں تہذیب وتمدّن کی ترقی سے آبادی بڑھتی ہے۔ جس سے ادنی درجے کی زرخیز زمینیں کاشت میں لانی پڑتی ہیں۔لہذا مصارف پیدائش اور اشیاءخوردنی کی قیمت بڑھ جاتی ہے جس سے شرح منافع کی مقدار بھی کم ہوجاتی ہے۔مگر تم کہوگے کہ اگر یہ صحیح ہے، تو انگلستان میں تہذیب وتمدّن کی ترقی کے ساتھ شرح منافع کیوں بڑا اثر نہیں ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انگلستان کے سرمائے کا بہت سا حصّہ غیر ممالک میں لگا ہوا ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ خود انگلتسان میں سرمائے کی رسد کم ہے۔ انگلستان میں دستکاری کی ترقی اور اشیاءخوردنی کی ارزانی کے باعث جو دیگر ممالک سے آتی ہیں مصارف محنت کی مقدار زیادہ نہی ہوتی، لہذا اس ملک میں شرح منافع میں نہایت خفیف کمی واقع ہوئی ہے۔

چونکہ دستکار بالعموم کارخانہ دار کے نفع کو رشک ی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔اس واسطے بعض محققین اقتصاد دستکاروں کے فائدے کو مدنظر رکھ کر یہ تجویز پیش کرتے ہیں کہ اگر دستکار خود ہی محنتی ہو اور خود ہی کارخانہ دار ہو تو دستکاری کے موجودہ انتظام میں کارخانہ دار کا وجود ضروری نہ ہوگا۔اور وہ منافع جو موجودہ صورت مین کارخانہ دار کی جیب میں جاتا ہے دستکار کو ملے گا۔ یہ طریق اصول معاونت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

باب۴

محنتی کا حصّہ یا اجرت

پیداوار دولت کا چوتھا حصہ دار دستکار یا محنتی ہے جس کا معاوضہ محنت اجرت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ مگر پیشتر اس کے کہ ہم وہ اصول معلوم کریں جس کے عمل پر اجرت کی کمی بیشی کا انحصار ہے، دو ضروری امتیاز ذہن نشین کرنے کے قابل ہیں تا کہ مضمون زیر بحث کے سمجھنے میں آسانی ہو۔

ا۔ ظاہری اجرت[۲] سے زر نقد کی وہ مقدار مراد ہے جو بطور معاوضہ محنت کے ادا کی ہے جو اس زر نقد کی وساطت سے دستکار کو میسر ہو سکیں۔ ممکن ہے کہ مختلف ممالک اور دستکاری کی مختلف شاخوں میں ظاہری اجرت کے مقادیر مساوی ہوں اور حقیقی آجرت کے مقادیر مندرجہ ذیل اسباب کے عمل سے مختلف ہوں۔

ا۔ مختلف ممالک میں زر نقد کی قوت خرید مختلف ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ ہمارے ملک میں چار آنے کے ایک سیر چاول بکتے ہوں، لیکن کسی اور ملک میں اس سکے کے عوض دو سیر چاول مل سکتے ہوں۔ لہذا اگر دونوں ملکوں میں کسی دستکار کی اجرت چار آنے یومیہ ہو تو صاف ظاہر ہے کہ جس ملک مین چار آنے کی قوت خرید زیادہ ہے، وہاں کے دستکاروں کی حقیقی اجرت بھی زیادہ ہے، اگر چہ ظاہری اجرت کی مقداریں دونوں ملکوں میں مساوی ہیں۔

ب۔ مختلف ممالک میں ادائیگی اجرت کی مختلف صورتیں ہیں۔ بعض مقامات میں دستکار کے مکان کا کرایہ اس کی خورد و نوش کی چیزیں یا مرغزار میں مویشی چارنے یا ایندھن کی کوئی خاص مقدار لے لینے کا حق بھی اس کی ظاہری اجرت پر اضافہ ہوتا ہے اس واسطے ممکن ہے کہ دو ملکوں میں کسی خاص قسم کے پیشہ وروں کی ظاہری اجرت مساوی ہو لیکن ان کی ادائیگی اجرت کے مختلف دستور مروج ہونے کی وجہ سے ایک میں حقیقی اجرت کی مقدار زیادہ ہو اور دوسرے میں کم۔ اکثر مغربی ممالک میں خاص خاص پیشہ وروں کو حق اجرت کے علاوہ بعض دیگر حقوق بھی حاصل ہیں۔ جن کو ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے۔ خصوصا جب کہ مختلف ممالک کی مقادیر اجرت کا مقابلہ کرنا مقصود

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ہو۔

ج۔بعض پیشوں میں دستکار کی بی بی اور اس کے بال بچوں کو بھی ہاتھ بٹانے کا موقع مل جاتا ہے۔ بلکہ اکثر صورتوں میں بی بی کی کمائی میاں کے مساوی ہو جاتی ہے۔مثلاً بافندگی میں ایسا ہوسکتا ہے لیکن بڑھئیا ور کسان کا پیشہ اس قسم کا ہے کہ بی بی اور بال بچے ان کے کام میں حصّہ نہیں لے سکتے۔

د۔بعض پیشے قدرتاً اس قسم کے ہوتے ہیں کہ ان میں دستکار اپنے کام کو بالتواتر جاری نہیں رکھ سکتا۔لہذا ان پیشوں میں دیگر پیشوں کی طرح ایسا نہیں ہوتا کہ دستکار کو بالترتیب روزمرہ محنت کرنی پڑے۔اس عدم تواتر کے کئی وجود ہیں۔

۱۔خاص خاص پیشوں کی قدرتی ضروریات

۲۔موسم کا اثر

۳۔بعض تمدّنی اسباب

۴۔بعض اسباب جو خود دستکاروں کے طرز عمل سے پیدا ہوتے ہیں مثلاً جب وہ کارخانہ داروں سے زیادہ اجرت لینے کی خاطر کاروبار چھوڑ دیتے ہیں اور کئی کئی دنوں تک بیکار بیٹھے رہتے ہیں۔فن زراعت میں اجرت کی شرح مختلف موسموں میں مختلف ہوتی ہے۔ بسا اوقات سال کی تیسری سہ ماہی میں پہلی سہ ماہی کی نسبت اجرت کی شرح اوّل دو اسباب کے عمل سے دگنی ہو جاتی ہے۔مگر اس اختلاف کا باعث صرف موسموں کا تغیر ہی نہیں ہے بلکہ فن زراعت کی قدرتی ضروریات بھی کچھ ایسی ہی واقع ہوئی ہیں۔مثلاً یہ پیشہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ کسان بیج بونے کے بعد اس کے اگنے تک انتظار کریں۔علیٰ ہذا القیاس بعض پیشوں میں اختلاف اجرت صرف اختلاف موسم کا نتیجہ ہوتا ہے مثلاً اینٹیں بنانا اور مکانوں پر نقش و نگار کرنا ایسے کام ہیں کہ ان کی ضرورت ہر روز اور ہر موسم میں نہیں پڑتی۔ان تمدّنی اسباب میں جو مختلف ممالک میں پیشوں کے تواتر محنت پر اپنا اثر کرتے ہیں ایک یہ بھی ہے کہ بعض ممالک میں بعض تیوہار اور مذہبی رسومات کئی کئی دن تک رہتے ہیں۔ بلکہ اکثر ممالک مین تیوہار کی تعداد سال میں سو دن سے بھی زیادہ ہوتی ہے پس یہ تمام اسباب مختلف ممالک اور مختلف پیشوں میں دستکاری کی حقیقی اجرت میں اختلاف پیدا کرتے ہیں، خاوہ ان کی ظاہری اجرت کی شرح مساوی ہی کیوں نہ ہو۔

ر۔بعض ممالک اور بعض پیشوں میں دستکار بہ نسبت دیگر ممالک اور دیگر پیشوں کے زیادہ عمر تک زندہ رہتے ہیں۔صاف ظاہر ہے کہ اگر دو دستکار ایک ہی عمر میں اور ظاہری اجرت کی ایک

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ہی مقدار کے عوض میں بارآ ور طور پر محنت کرنا شروع کریں تو وہ دستکار جو زیادہ عمر تک زندہ رہے گا، حقیقی اجرت کی زیادہ مقدار حاصل کرے گا۔

۲۔ دوسرا امتیاز جس کا ذہن نشین کرنا لازم ہے۔ اجرت یا ظاہری مصارف محنت اور حقیقی مصارف محنت کے درمیان ہے۔ ظاہری مصارف محنت سے مراد اجرت کی وہ مقدار ہے جو کارخانہ داروں کو ادا کرنا پڑتی ہے اور اس کی کمی بیشی ضروریات زندگی یا اشیاء تن آسانی وغیرہ کی اس مقدار کی کمی بیشی پر منحصر ہے جو دستکار کو اپنی اجرت کے عوض میں میسر ہو سکے۔ لیکن حقیقی مصارف محنت یا اجرت کی مقدار جو وہ اپنے دستکاروں کو ادا کرتا ہے، کم ہو یا زیادہ۔

ممکن ہے کہ کارخانہ دار کو ظاہری مصارف محنت یا اجرت کی ایک بہت بڑی مقدار ادا کرنی پڑے، مگر حقیقی مصارف محنت دستکار کی ہنرمندی اور اس کی محنت کی کارکردگی وغیرہ کی وجہ سے کم ہوں۔ برخلاف اس کے یہ بھی ممکن ہے کہ کارخانہ دار اجرت کی ایک ایسی قلیل مقدار ادا کرے جو بمشکل دستکاروں کے گزارے کے لیے کافی ہو۔ مگر سستی، غفلت، بے ہنری، اور بھدا کام کرنے کے باعث انکی تیار کردہ اشیاء کی فروخت سے اجرت کی وہ مقدار بھی کارخانہ دار کے پلّے نہ پڑے، جو اس نے ادا کی ہے۔ کاری گر کفش دوز دوز جو زیادہ اجرت لیتا ہے، چمڑے کی کتر بیونت اس ذکاوت سے کرتا ہے کہ ایک گز کے چار جوڑے بوٹ بنالیتا ہے۔ مگر بے ہنر کفش دوز اسی قدر چمڑے کے تین جوڑے بھی مشکل سے بنا سکتا ہے۔ لہٰذا مقدم الذکر کو کام پر لگانے سے کارخانہ دار کو منافع ہوگا اور مؤخر الذکر کو کام پر لگانے سے نقصان یا یوں کہو کہ پہلی صورت میں کارخانہ دار کے حقیقی مصارف محنت کم ہوں گے اور دوسری صورت میں زیادہ۔ فرض کرو کہ دو کفش دوز ہیں جن میں سے ایک کی یومیہ اجرت ایک روپیہ ہے مگر پہلے کا بنایا ہوا بوٹ جس پر لاگت ایک روپیہ آتی ہے اس کی کاریگری کی وجہ سے چار روپیہ قیمت پاتا ہے۔ اور دوسرے کا بنایا ہوا بوٹ جس پر اس کے کم درجے کا کاریگر ہونے کی وجہ سے ایک روپیہ چار آنے لاگت آتی ہے تین روپیہ قیمت پاتا ہے صاف ظاہر ہے کہ پہلی صورت میں ایک روپیہ اجرت ادا کرنے کا معاوضہ دستکار کے بھدا کام کرنے کے باعث صرف بارہ آنے ہے۔ ظاہری مصارف محنت دونوں صورتوں میں مساوی ہیں۔ تاہم پہلی صورت میں دستکار کی ہنرمندی کی وجہ سے حقیقی مصارف کم ہیں اور دوسری صورت میں دستکار کے کم درجہ کاری گر ہونے کے باعث زیادہ ہیں۔ کیونکہ پہلی صورت میں ایک روپیہ اجرت دینے کا معاوضہ دو روپے ملتا ہے اور دوسری صورت میں صرف بارہ آنے۔ غالباً یہ صحیح ہے کہ زیادہ سے زیادہ اجرت پانے والے دستکار وہی ہوتے ہیں جن کو محنت سے کارخانہ دار کو حقیقی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

مصارف محنت کی کم سے کم مقدار ادا کرنی پڑے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب کارخانہ دار اپنے دستکاروں کی تعداد کو کم کرنا چاہتے ہیں تو وہ پہلے بالعموم انہی دستکاروں کو چھٹی دیتے ہیں۔ جن کی اجرت سب سے کم ہو۔ کیونکہ ان کی محنت سے حقیقی مصارف محنت کی مقدار بڑھتی ہے۔ اس کے علاوہ جن قوموں میں حقیقی اجرت کی شرح نہایت قلیل ہوتی ہے بالعموم وہی قومیں اس بات پر مجبور ہوتی ہیں کہ دیگر ممالک کی تیار شدہ اشیاء پر جہاں اجرت کی مقدار بہت زیادہ ہے اس قدر محصول لگائیں کہ وہ ان کے ملک میں بک نہ سکیں۔ ہندوستان میں روئی کاتنے والی کی اجرت بوجہ اس کے بھدا کام کرنے کے ایک روپیہ چار آنے فی ہفتہ ہے، مگر انگلستان میں ایسے دستکار کی اجرت بوجہ اس کی کاریگری کے فی ہفتہ پندرہ روپے ہے۔ اس واسطے مؤخرالذکر ملک میں مقدار اجرت کے زیادہ ہونے کے باعث حقیق مصارف محنت کی مقدار بہت کم ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ وہاں کے کارخانہ دار اپنی تیار کردہ اشیاء کو دیگر ممالک میں کم قیمت پر بیچ کر بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انگلستانی کپڑے کی کثیر مقدار آتے رہنے کے باعث ہمارے دیسی کپڑے کی تجارت معدوم ہوگئی ہے۔ کیونکہ ہمارے ملک میں بسبب کمی اجرت حقیقی مصارف محنت کی مقدار بہت زیادہ ہے۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ ہمارے کارخانہ دار انگریزی کارخانہ داروں کی طرح کم قیمت پر کپڑا بیچ کر فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ اس واسطے مجبوراً اس شاخ کو ہی چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ لہٰذا ہندوستان کی موجودہ اقتصادی حالت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ انگلستان کے کپڑے پر محصول لگایا جائے تاکہ ہمارے ملک کی اپنی صنعت کو ترقی ہو۔ انگلستان کا کپڑا نفیس بھی ہوتا ہے اور سستا بھی۔ اس واسطے یہ کس طرح ممکن ہوسکتا ہے کہ ایسے کپڑے کے سامنے ہندوستان میں کپڑے کی صنعت چمک سکے، جہاں کے دستکار بھدا کام کرنے والے ہیں اور جہاں کے کارخانہ داروں کو حقیقی مصارف محنت کی زیادہ سے زیادہ مقدار ادا کرنا پڑتی ہے۔

اس توضیح کے بعد ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ مقدار اجرت کی کمی بیشی کس بات پر منحصر ہے۔ اکثر انگریزی محققین اس بات پر متفق ہیں کہ کل سرمائے کا کچھ حصّہ ادائیگی اجرت کے لیے علیحدہ نکال کر رکھ لیا جاتا ہے۔ جس کی مقدار ہر ملک میں اقتصادی اسباب کے عمل سے قدرتاً متعین ہوجاتی ہے۔ سرمایہ کی یہ معین مقدار سرمایہ اجرت کہلاتی ہے۔ اور مختلف دستکاروں پر مقابلے کے اثر منقسم ہوتی ہے۔ اگر ایک دستکار کو زیادہ اجرت ملتی ہے تو ضرور ہے کہ دوسرے کو کم ملے اور اس واسطے ہر دستکار کی اجرت بحساب اوسط سرمایہ اجرت کی مقدار اور تعداد دستکاروں کی درمیانی نسبت سے متعین ہوتی ہے۔ یعنی اگر سرمایہ اجرت کی مقدار زیادہ یا ور دستکاروں کی تعداد کم

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

تو دستکاروں کو زیادہ اجرت مل گی اور اگر سرمایہ اجرت کی مقدار کم ہے اور دستکاروں کی تعداد زیادہ تو ان کی اجرت کم ہوگی۔ پس ان حکماء کے نزدیک سرمایہ اجرت کی مقدار دستکاروں کی تعداد زیادہ تو ان کی اجرت کم ہوگی۔ پس ان حکماء کے نزدیک سرمایہ اجرت کی مقدار دستکاروں کی تعداد سے بالکل متاثر نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ ایک ایسی مقدار ہے جو اقتصادی اسباب کے عمل سے ہر ملک میں خود بخود معین ہو جاتی ہے اور یہ کوئی ضرور نہیں کہ اگر کسی ملک میں دستکاروں کی تعداد بڑھ گئی ہے تو سرمایہ اجرت کی مقدار بھی بڑھ جائے۔ غرض کہ یہ حکما لگان اور اجرت کو نکال کر پیداوار دولت کے باقی حصّے کو اس شخص کا حق قرار دیتے ہیں جو ساہوکار بھی ہو اور کارخانہ دار بھی۔

مگر امریکہ کے مشہور محقق واکر اس مسئلہ کی نہایت زور سے تردید کرتے ہیں اور انگریزی محققین کی تحریروں پر مندرجہ ذیل اعتراض کرتے ہیں۔

۱۔ یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ اجرت ہر حالت میں سرمائے کی مقدار میں سے ادا کی جائے جو کارخانہ دار کے پاس پہلے سے جمع ہو۔ انگریزی محققین کا یہ مسئلہ صرف انگلستان کے حالات اقتصادی کے مشاہدے کا نتیجہ ہے، جہاں سرمائے کی بہت سی مقدار پہلے سے جمع تھی اور جہاں دستکاروں کی اجرت گزشتہ سالوں میں اس قدر خفیف رہی ہے کہ ان کو روز مرّہ کی ضروریات زندگی کے لیے مجبوراً اپنے کارخانہ دار کا منہ تکنا پڑتا تھا۔ کیونکہ وہ بسبب کم استطاعتی اپنی تیار کردہ اشیاء کی فروخت تک انتظار نہ کر سکتے تھے۔ صوبجات متحدہ امریکہ میں چونکہ دستکاروں کی مالی حالت اچھی ہے اس واسطے کارخانہ دار اشیاء کی فروخت کے بعد اجرت ادا کرتے ہیں۔ اگرچہ وہاں کے دستکار اپنی اپنی ضروریات کے مطاب اشیاء سے پہلے بھی اپنی اجرت کا کچھ حصّہ لے سکتے ہیں۔

۲۔ اگر کارخانہ دار اپنے دستکاروں کو روز اجرت دے بھی دیا کریں، تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اجرت کی مقدار سرمایہ اجرت کی مقدار معین ہوتی ہے۔ کیونکہ کارخانہ دار اپنا موجودہ سرمایہ خرچ کرنے کی غرض سے نہیں بلکہ مزید دولت پیدا کرنے کے غرض سے لگاتا ہے۔ جس سے اس کو منافع کی توقع ہوتی ہے۔ یہ دولت جو دستکاروں کی محنت سے پیدا ہوئیے زیادہ ہو تو کارخانہ دار مذکور اجرت بھی زیادہ ادا کر سکے گا۔ اور اگر اس کی مقدار کم ہو تو ہو اپنے نفع کے خیال سے اجرت بھی کم ادا کر سکے گا۔ لہذا اجرت کی مقدار دستکاروں کی پیداوار محنت کی قدر پر منحصر ہے۔ جس قدر اس کی پیداوار محنت کی قدر زیادہ ہوگی یا یوں کہو کہ جس قدر دستکار اپنی محنت کی کارکردگی اور ہنر مندی کی وجہ سے مزید دولت پیدا کرے گا، اسی قدر اس کی اجرت بھی زیادہ ہوگی۔ پس اجرت حقیقت میں دستکار کی پیداوار محنت سے ادا کی جاتی ہے نہ کہ سرمایہ اجرت میں سے جو کارخانہ دار

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کے پاس موجود ہو۔

۳۔ چونکہ دلیل مندرجہ بالا کے مطابق اجرت کی مقدار دستکاروں کی پیداوار محنت کی مقدار سے متعیّن ہوتی ہے۔ اس واسطے ظاہر ہے کہ اگر پیداوار محنت کی مقدار زیادہ ہو گی تو دستکاروں کی اجرت بھی زیادہ ہوگی۔ اور اگر اس کی مقدار کم ہوگی تو اجرت بھی کم ہوگی۔ لہذا اجت کی مقدار دستکاروں کی تعداد کے ساتھ ایک ضروری تعلق رکھتی ہے۔ مثلاً اگر زرعی دستکاروں کی تعداد بڑھ جائے اور زمین کی کاشت ابھی نقطۂ تقلیل تک نہ پہنچی ہو، تو صاف ظاہر ہے کہ انقسام محنت کی وجہ سے پیداوار محنت کی مقدار بہت زیادہ ہو جائے گی (یہ کوئی ضرور نہیں کہ پیداوار محنت کی مقدار میں اسی نسبت سے زیادتی ہو جس نسبت سے کہ دستکاروں کی تعداد میں زیادتی ہوئی ہے بلکہ جب زمین کی کاشت نقطہ تقلیل تک نہ پہنچی ہو تو دستکاروں کی تعداد میں زیادتی ہو جانے کے باعث انقسام محنت زیادہ مکمل طور پر عمل کرتا ہے۔ اس واسطے پیداوار محنت کی مقدار اس نسبت سے بہت زیادہ ہو سکتی ہے) اس صورت میں چونکہ پیداوار محنت کی مقدار بڑھ گئی ہے۔ اس واسطے ممکن ہے کہ دستکاروں کی اجرت بھی بڑھے اور سرمائے کی مقدار میں کوئی اضافہ نہ ہو۔ علیٰ القیاس اگر زمین کی کاشت نقطۂ تقلیل تک پہنچ گئی ہے تو صاف ظاہر ہے کہ دستکاروں کی زیادتی سے پیداوار محنت فی کس کم ہو جائے گی۔ لہٰذا اجرت فی دستکار بھی کم ہوگی، خواہ سرمائے کی مقدار میں زیادتی ہی کیوں نہ ہو۔

مندرجہ بالا وجوہ سے محقق موصوف (انگریزی حکماء کی رائے کو تسلیم نہیں کرتا اور اس بات پر بار بار زور دیتا ہے کہ ان کے خیال کو صحیح سمجھنا اور یہ تسلیم کر لینا کہ دستکاروں کی اجرت سرمایۂ اجرت میں سے ادا کی جاتی ہے گویا اس بات کو تسلیم کرنا ہے کہ دستکاروں کا ہنرمندی، دیانتداری اور دیگر اوصاف میں ترقی کرنا اگرچہ ان کی پیداوار محنت کو زیادہ کرتا ہے تاہم ان کی ذات کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔

کیونکہ ان کی اجرت سرمائے کی ایک معیّن مقدار سے ادا کی جاتی ہے۔ اور اجرت کی کمی بیشی اس مقدار کی کمی بیشی پر انحصار رکھتی ہے۔ انگریزی حکماء یہ سمجھتے ہیں کہ پیداوار دولت میں لگان اور اجرت کو نکال کر باقی جو کچھ بچتا ہے وہ اس شخص کا حق ہے، جو سا ہوکار بھی ہو اور کارخانہ دار بھی۔ مگر محقق واکر کے نزدیک اجرت کی بحث لگان، سود اور منافع کے بحث کے بعد آتی ہے۔ کیونکہ اجرت پیداوار دولت کی اس مقدار کے برابر ہے جو تینوں مذکورہ حصّوں کو نکال کر باقی بچے۔ لگان کی کمی بیشی، اشیاء کی قیمتوں پر کوئی اثر نہیں کرتی۔ اور نہ لگان کی مقدار دستکاروں کی اجرت میں

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

سے نکالی جاتی ہے۔اس واسطے دستکار لگان کے کسی حصّے کا حق دار نہیں ہے۔علیٰ القیاس سود چونکہ استعمال سرمایہ کا معاوضہ ہے اور اس کی کمی بیشی ان لوگوں پر اثر کرتی ہے جو دولت کے جمع کرنے والے ہوں۔لہذا دستکار کو بحیثیت دستکار ہونے کے شراح سود سے کوئی تعلق نہیں ہے۔منافع بھی لگان کی طرح اشیاء کی قیمتوں پر کوئی اثر نہیں کرتا۔اور نہ اس کی مقدار دستکاروں کی اجرت میں سے نکالی جاتی ہے۔لہذا یہ تینوں حصّے ،لگان،سوداور منافع دستکاروں کی اجرت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتا۔اور یہ ضروری ہے کہ اجرت دستکاراں کا اندازہ لگانے کے لیے پیداوار دولت کی کل مقدار میں سے پہلے ان کو وضع کر لیا جائے۔اگر اشیاء کی قیمتوں پر ان کا اثر ہوتا تو صاف ظاہر ہے کہ دستکار کی اجرت بھی ان سے متاثر ہوت۔کیونکہ حقیقی اجرت سے مراد ناضروریات زندگی یا دیگر اشیاء سے ہے جن کو دستکار زر نقد کی وساطت سے خرید کر سکیں۔مگر چونکہ اجرت پر ان کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔اس واسطے محقق مذکور کے نزدیک تینوں حصّوں یعنی لگان،سوداور منافع کو نکال کر دولت کی پیداوار میں سے جو کچھ باقی بچے وہ دستکار کا حق ہے۔کیونکہ ہر سبب جو پیداوار محنت کی مقدار کو زیادہ کرتا ہے حقیقت میں دستکار کے حصّے کو زیادہ کرتا ہے۔تم شاید کہو گے کہ پیداوار محنت کی زیادتی سے زمیندار،ساہوکار اور کارخانہ دار کا حصہ کیوں نہیں بڑھتا۔اس سوال کے جواب کے لیے فرض کرو کہ دستکار اپنے کام میں نسبتا زیادہ چست اور کاریگر ہو گئے ہیں،جس سے پیداوار محنت کی مقدار بھی زیادہ ہو گئی ہے اور وہ مصالحہ بھی کم خرچ ہوتا ہے جس سے اشیاء تجارتی تیار ہوتی ہیں۔

سوال یہ ہیکہ پیداوار محنت کی یہ زیادتی کس کا حق ہے؟ زمیندار کا؟ نہیں ہرگز نہیں! کیونکہ اس مصالحہ میں کوئی ویادتی نہیں ہوئی جس کو زمین سے نکالک راشیا تجارتی کی تیار میں صرف کیا جاتا تھا۔اس کی مقدار وہی ہے جو پہلے صرف ہوا کرتی تھی، بلکہ دستکاروں کی کفایت شعاری کی وجہ سے نسبتا کم ہو گئی ہے۔لہذا مصالحہ مذکور کی مانگ میں کوئی تغیر نہ آنے کی وجہ سے ادنیٰ درجہ کی زمینوں کو کاشت میں نہیں لانا پڑتا جس سے لگان یعنی زمیندار کے حصّے کی مقدار میں اضافہ ہو جائے۔علیٰ ہذا القیاس یہ زیادتی ساہوکار کا بھی حق نہیں ہے کیونکہ سرمائے کی مانگ بدستور وہی ہے، جو پہلے تھی۔کوئی وجہ نہیں کہ شرح سود یعنی ساہوکار کا حصّہ نسبتا بڑھ جائے جبکہ سرمائے کی مانگ میں کوئی اضافہ نہ ہو۔بلکہ دستکاروں کا کاری گری میں ترقی کرنا ساہوکار کے حصّے کو الٹا کم کرتا ہے۔ کیونکہ کاریگر دستکار کو بالعموم اشیاء تجارت کی تیاری کے لیے اس قدر اوزاروں کی ضرورت نہیں ہوتی جس قدر کہ بھدا کام کرنے والے بے ہنر دستکار کو۔کاریگر تھوڑے اوزاروں کی مدد سے بھی اپنا کام بخوبی کر سکتا ہے۔لہذا وہ مجموعی طور پر سرمائے کی مانگ کو کم کرتا ہے۔یا بالفاظ دیگر شرح سود

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کو کم کرتا ہے۔ کیونکہ وہ اس مقدار کو استعمال میں لائے جانے سے بچاتا ہے جو بصورت دیگر اوزاروں کے بنانے میں صرف کرنی پڑتی۔ اسی استدلال کی بنا پر یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ پیداوار محنت کی یہ زیادتی کارخانہ دار کا حق بھی نہیں ہے۔ کیونکہ کارخانہ دار کا حصّہ یا منافع صرف اسی صورت میں زیادہ ہوسکتا ہے جب کہ کارخانہ والوں کی تعداد میں زیادتی ہو (یہ بات پہلے ثابت ہوچکی ہے) اور یہ کوئی ضرور نہیں کہ دستکاروں کا کاریگری میں ترقی کرنا کارخانہ داروں کی زیادتی تعداد کا مستلزم ہو۔ بلکہ دستکاروں کے ہنر اور کاری گری میں ترقی کرنے سے لیاقت انتظامی کا معیار بڑھ جاتا ہے، جس سے ناقابل کارخانہ داروں کا وجود معطل ہوجاتا ہے اور وہ دائرہ تجارت سے روز بروز خارج ہوتے جانے کا میلان رکھتے ہیں۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ کارخانہ داروں کی تعداد کم ہوجانے کے باعث ہشیار اور قابل کارخانہ داروں کا منافع کم ہوجاتا ہے لہذا ثابت ہوا کہ پیداوار محنت کی؟ زیادتی جو دستکاروں کی ذاتی ترقی سے پیدا ہوتی ہے خود دستکاروں کا حق ہے۔ زمینداروں، ساہوکاروں اور کارخانہ داروں کو اس سے کوئی واسطہ نہیں۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

باب ۵

مقابلہ دستکاروں کی حالت پر کیا اثر کرتا ہے

اگر چہ موجودہ تمدن میں دستکار نظری لحاظ سے پیداوار دولت کی اس تمام مقدار کا مالک ہے جو زمیندار، ک سا ہوکار اور کارخانہ دار کا حصّہ نکال کر باقی رہتی ہے۔ تاہم بعض اسباب کے عمل سے دستکاروں کو انتہا درجے کا نقصان پہنچ جاتا ہے اور وہ اپنا پورا حصہ حاصل کرنے سے محروم رہتے ہیں۔

۱۔ بسا اوقات دستکاروں میں شادیوں کی تعداد اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ چند سالوں میں ان کی آبادی دگنی ہوجاتی ہے جسے سے پیداوار جس سے پیداوار محنت کی مقدار فی کس کم ہوجاتا ی ہے کیونکہ افزائش آبادی کے باعث روز بروز ادنیٰ درجے کی زمینوں کو مجبورا کاشت میں لانا پڑتا ہے۔ فرضا اگر پہلے بیس دستکاروں کی پیداوار محنت چالیس من غلہ ہو، تو ان کا حصّہ فی کس دو من ہوگا۔ لیکن اگر دستکاروں کی تعداد چالیس ہوجاوے تو صاف ظاہر ہے کہ ان کا حصّہ فی کس صرف ایک من رہ جائے گا۔

۲۔ علیٰ ہذا القیاس اصول مقابلہ کے کامل طور پر عمل نہ کرنے کے باعث بھی دستکار نقصان اٹھاتے ہیں۔ بالعموم دستکار نقل مکانی کی تکلیف گوارا کر کے ایسے مقامات میں جانا نہیں پسند کرتے جہاں شرح اجرت کی مقدار زیادہ ہو بلکہ جس جگہ حالات نے اِلا پھینکا وہیں پڑے رہتے ہیں۔ ایک مصنّف لکھتا ہے کہ تمام اشیاء نقل مکان کر سکتی ہیں۔ مگر انسان ایک ایسی چیز ہے کہ بڑی مشکل سے ایک مقام سے دوسرے مقام تک حرکت کرتا ہے البتہ بعض ممالک میں جہاں کے لوگ قدرتا چست اور اپنی حالت کو سنوارنے کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ دستکار آزادی سے نقل مکان کرتے ہیں۔ جس سے مختلف جگہوں اور مقاموں کے دستکاروں کے درمیان اصول مقابلہ پورے طور پر عمل کرتا ہے اور اجرت کے مقادیر میں کوئی اختلاف پیدا نہیں ہوسکتا۔ علاوہ بریں دستکار اپنے پیشوں کو تبدیل کرنے سے بھی بالعموم گھبراتے ہیں۔ اس غفلت یا کاہلی کی وجہ سے انہیں بسا اوقات ایسے پیشوں میں روزگار تلاش کرنا پڑتا ہے جہاں دستکاروں کی مفلسی کے اور اسباب کے علاوہ ایک یہ بھی ہے کہ تبدیل پیشہ ایک قسم کا طعن تصوّر کیا جاتا ہے۔ اگر کسی درزی سے کہو کہ اپنے بیٹے کو کفش

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

دوزی یا آہن گری کا کام سکھلائے کیونکہ اس کام میں بوجہ قلّت افراد دستکاروں کی اجرت کی مقدار زیادہ ہے تو اس بات سے وہ گھبراتا ہے کہ آہن گری یا کفش دوزی کو اپنی ذات کے خلاف سمجھتا ہے۔ مگر مقام شکر ہے کہ انگریزی تعلیم کے اثر سے یہ تمدنی نقص اب روز بروز دور ہو رہا ہے۔

اگر مقابلہ ہر طرح سے کامل ہو اور پورے طور اپنا عمل کر رہا ہو، تو صاف ظاہر ہے کہ اس کے اثر سے ہر دستکار اپنے ہنر کے مطابق اجرت پائے گا۔ جو شخص جس کام کی قابلیت قدرتاً رکھتا ہوگا وہی کام اس سے لیا جائے گا اور نظام تمدّن میں ہر فرد کے فرائض وہی ہوں گے جو ہونے چاہئیں۔ دستکاروں کی حالت میں ایک قسم کی مساوات قائم ہو جائے گی اور وہ تمام نقصان جو مقابلہ ناکامل کی صورت میں دستکاروں کو پہنچتے تھے دور ہو جائیں گے۔ ہم پہلے اشارۃً بیان کر آئے ہیں کہ مقابلے سے مراد اس تجارتی رقابت کی ہے جو انسان کی فطری خودغرضی کی وجہ سے کسی شے کے خریدنے اور بیچنے والوں کے درمیان پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ بات ناگوار سی معلوم ہوتی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ جس طرح کشش ثقل کی وجہ سے اجرام فلکی کے درمیان ایک قسم کا نظم قائم ہے، اسی طرح مقابلہ بھی ایک قسم کی کشش ہے جس کے عمل سے صنعت و حرفت کے عالم میں نظام قائم ہو جاتا ہے۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ مقابلے کے اثر سے ہر دستکار تجارت کی اسی شاخ میں کام کرے گا، جہاں اسے اجرت کی زیادہ سے زیادہ مقدار ملتی ہے، تو اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اس کا فائدہ صرف اس کی ذات تک محدود ہے، بلکہ اگر دوسرے پہلو سے دیکھو تو اس کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ مقابلے کے اثر سے ہر دستکار تجرات کی اس شاخ میں پہنچ جائے گا جہاں اس کی ضرورت زیادہ ہے۔ اگر تجارت کی کسی ایک شاخ میں کام کرنے سے کسی دستکار کی تیار کردہ شے بہ نسبت دیگر شاخوں کے زیادہ قیمت پاتی ہے، تو صاف ظاہر ہے کہ تجارت کی اس خاص شاخ میں بہ نسبت دیگر شاخوں کے اس دستکار کی مانگ زیادہ ہے۔ اگر وہ اس شاخ کو چھوڑ کر کسی اور شاخ میں چلا جائے، تو نہ صرف نقصان اٹھائے گا بلکہ اس کی حرکت سے اوروں کو بھی نقصان پہنچے گا۔ علاوہ بریں مقابلہ کامل کے عمل سے قدرتی اور دیگر حوادث (مثلاً قومی سرمایہ کا عظیم الشان جنگوں میں صرف ہو جنا، فصل نہ ہونا، آتش زدگی، طوفان وغیرہ) کا اثر دستکاروں پر مساوی طور پر منقسم ہوتا ہے۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ مقابلہ کامل دستکار کا محافظ ہے اور ان کو بحیثیت مجموعی اس بربادی اور تباہی سے بچاتا ہے جو اس قسم کے حوادث کا لازمی نتیجہ ہوتی ہے۔ مثلاً فرض کرو کہ تم جو کے ایک ڈھیر پر زور سے ایک پتھر مارتے ہو۔ ظاہر ہے کہ تم اس صدمہ سے جو کے ایک منفرد دانے کو بھی نہیں کچل سکتے۔ کیونکہ دانے اِدھر اُدھر ہو جائیں گے اور پتھر ڈھیر کے اندر گھس جائے گا۔ برخلاف اس کے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کے اگر تم ڈھیر میں سے ایک جو کرو لے کر اس کے اوپر پتھر مارو، تو یہ دانہ ریزہ ریزہ ہو جائے گا۔ یہی سوال دستکاروں کا ہے۔ اگر ڈھیر کے دانوں کی طرح ان کی حرکت بھی آزاد نہ ہو اور یہ ایک مقام سے دوسرے مقام اور ایک پیشہ سے دوسرے پیشہ میں بلا قید منتقل ہو سکتے ہوں، تو حوادث کا اثر چونکہ سب پر مساوی تقسیم ہو جائے گا، اس واسطے کسی فرد واحد کو چنداں محسوس نہ ہوگا وار سب کے سب افراد محفوظ رہیں گے اور مزید برآں ایسے اسباب فی الفور اپنا عمل شروع کر دیں گے جن کے اثر سے وہ کمی پوری ہو جائے گی جو ان ناگہانی حوادث سے پیدا ہوئی ہو۔ غرض کہ مقابلہ کامل اور دیگر اقتصادی اسباب کا عمل دستکاروں کی تمدّنی حیثیات کے درمیان ایک قسم کی ایسی مساوات اور ایک طرح کی ایسی یگانگت، ہم آہنگی اور اتحاد پیدا کرنے کی طرف میلان رکھتا ہے جس کے ساتھ تجارت کی ہر شاخ کی ترقی اور توسیع وابستہ ہے۔

لیکن چونکہ نفس الامر میں ایک قسم کا کامل مقابلہ کسی ملک کے دستکاروں کے درمیان نہیں ہے، اس واسطے نظام تمدّن کی موجودہ صورت میں دستکاروں کی حالت بالعموم اچھی نہیں ہے۔ موجودہ ناکامل حالت اس امر کا مقتضی ہے کہ اقتصادی اسباب کا اثر دستکاروں کا موید نہ ہو، بلکہ مخالف ہو، جو مصیبت کا مارا زندگی کی دوڑ میں ایک دفعہ منہ کے گر گیا وہ پھر اٹھ نہیں سکتا اور موجودہ حالت میں ایسے اسباب بھی موجود نہیں جن کا عمل اس بدقسمت کو سہارا دے کر اپنے پاؤں پر کھڑا کر دے۔ جب کوئی دستکار بے روزگار ہو کر مفلس ہو جاتا ہے تو بالعموم اِفطری خودداری اور ہم چشموں کی نگاہوں میں وقعت پیدا کرنے کی آرزو اس پر کوئی اثر نہیں کر سکتی۔ جو قدرتاً انسان کو اوروں سے آگے بڑھ جانے کی ایک زبردست تحریک دیتی ہے۔ مفلسی کا آزار انسان کی روحانی قویٰ کا دشمن ہے اور وہ مایوسی، فکر اور غفلت شعاری، کاہلی اور فلاکت کی اور صورتیں جو اس بلائے بے درمان کے ساتھ آتی ہیں۔ دستکار کی ذاتی قابلیت اور اس کی محنت کی کارکردگی پر ایسا برا اثر کرتی ہیں کہ اس کے کام کی وہ کیفیت اور کمیت نہیں رہتی جو پہلے ہوا کرتی تھی۔ ایک دفعہ کی شکست بیچارے دستکار کو ہمیشہ کے لیے کارزار زندگی کے ناقابل کر دیتی ہے۔ اور پھر یہ نہیں کہ اس شکست کا کچھ علاج ہو جائے بلکہ جدید اقتصادی اسباب کا عمل (مثلاً تجارت کی توسیع، محنت کی نئی شاخوں کا کھلنا اور ملک کی روز افزوں اقبال مندی) اس بے چارے کی حالت کو سدھار نہیں سکتا لہذا موجودہ مقابلہ ناکامل کی صورت میں اقتصادی اسباب کا عمل اس طرف میلان رکھتا ہے کہ نظام صنعت میں افراد کا موجودہ اختلاف مدارج روز بروز بڑھتا جائے اور جس فرد یا جماعت کو کسی سبب سے آغاز ہی کوئی مصیبت دامن گیر ہو گئی اس کی حالت بدستور وہی رہے بلکہ روز بروز ابتر ہوتی جائے۔ تمدّن کی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ایسی حالت میں ایک نہایت ضروری سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر نظام صنعت مقابلۂ کامل کی برکات سے خالی ہو تو اجرت کی مقدار کو بڑھانے اور دستکار کی تمدنی حالت کو سنوارنے کے واسطے کیا وسائل اختیار کرنے چاہئیں۔

حکما کا ایک طبقہ جس کو حکمائے متوکلین کے نام سے موسوم کرنا چاہئے، کہتا ہے کہ موجودہ نظام صنعت میں قوانین وغیرہ کی مدد سے کوئی دست اندازی نہیں کرنی چاہئے۔ بلکہ اس کو تمام قانونی اور دیگر قیود سے آزاد کر کے اس بات پر اعتماد کرنا چاہئے کہ بالآخر جو کچھ ہوگا نوع انسان کے لیے اچھا ہوگا۔ یہ حکماء اپنے دعویٰ کے ثبوت میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ قانون کی مدد سے دستکاروں کی اجرت کا زیادہ کرنا برے نتائج پیدا کرتا ہے۔ مثلاً فرض کرو کہ کسی ملک کے ارکان سلطنت نے یہ قانون وضع کیا ہے کہ اجرت کی مقدار بیس فیصد کے حساب سے زیادہ کر دینی چاہئے۔ اگر پیداوار محنت کی مقدار میں کوئی زیادتی نہیں ہوئی تو صاف ظاہر ہے کہ کارخانہ داروں کو نقصان پہنچے گا اور وہ اپنا سرمایہ دیگر ممالک میں لگا دیں گے، جہاں اس قسم کا کوئی قانون مروّج نہیں ہے علیٰ ہذا القیاس اگر سرکار یہ قانون وضع کر دے کہ ہر دستکار آٹھ گھنٹہ یومیہ سے زیادہ کام نہ کرے گا تو ایک صریح ناانصافی ہوگی۔ کیونکہ بعض پیشوں میں آٹھ گھنٹہ کام کرنا کوبات نہیں۔ مگر بعض پیشوں میں اتنے گھنٹہ یومیہ کام کرنا جسمانی صحت کے بالکل مخالف ہے۔ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ہر بے روزگار دستکار کا حق ہے کہ سرکار اسے روزگار دے۔ بالفرض اگر ایسا ہو تو سرکار کو تنخواہ یا اجرت کی ادائیگی کے واسطے رعایا سے قرض اٹھانا پڑے گا اور مداخل ملکی میں کسی نہ کسی طرح زیادتی کرنی ہوگی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کچھ عرصے کے لیے یہ طریق عمل مفید ہوگا۔ مگر اس کو مستقل طور پر اختیار کرنا انتہا درجے کا مضرت رساں ہے کیونکہ آبادی کی روز افزوں ترقی کو کوئی نہیں روک سکتا۔ لہٰذا ان حکماء کے نزدیک تمام قانونی قیود محض بے سود ہیں۔ مگر یاد رکھنا چاہئے کہ حقیقی آزادی قیود کے دور کرنے سے حاصل نہیں ہوتی، بلکہ بعض قیود ایسے ہوتے ہیں جن سے انسان کی آزادی کا دائرہ اور زیادہ وسیع ہو جاتا ہے۔ مثلاً اگر کسی تماشا گاہ میں آگ لگ جائے اور ہر شخص اپنے بچاؤ کے لیے وہاں سے بھاگے تو صاف ظاہر ہے کہ دیوانہ وار ادھر ادھر بھاگنے کی نسبت اگر تماشائی کسی خاص ترتیب کے پابند ہو کر وہاں سے نکلیں تو یہ طریق عمل زیادہ محفوظ ہوگا۔ علیٰ ہذا القیاس ہر قسم کے انتقال زمین کے لیے ایک خاص تحریر اور پھر اس تحریر میں خاص خاص قانونی اصطلاحوں کا استعمال ضروری ہے۔ جو بظاہر ایک قسم کی قید ہے۔ مگر حقیقت میں آزادی انتقال کو زیادہ کرتی ہے۔ کیونکہ اس قسم کی قیود سے انتقال کنندہ کو ہر طرح کا اطمینان ہو جاتا ہے۔ اور اسی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

قسم کا شک وشبہ نہیں رہتا۔ جس کا بصورت عدم تحریر وغیرہ اس کے دل میں پیدا ہونا ممکن تھا۔ لہذا دستکاروں اور کارخانہ داروں کے درمیان ہمدردی پیدا کی جائے اور یہ بات ان کے ذہن نشین کی جائے کہ قوم کی بہبودی تمام افراد کی بہبودی سے وابستہ ہے اور ایک رشتے کے ضعیف اور کمزور ہوجانے سے تمام قوم کا شیرازہ بگڑ جانے کا اندیشہ ہے۔ بعض لوگوں کے نزدیک طریق معاونت پر عمل کرنا بھی دستکاروں کے لیے مفیدہ۔ کیونکہ اس طریق سے وہ منافع جو کارخانہ داروں کی جیب میں جاتا ہے دستکاروں کے قبضے میں آتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس دیگر ممالک میں جا کر آباد ہونا بھی دستکاروں کی بہبودی پر ایک نمایاں اثر کرتا ہے۔ کیونکہ اس کی وساطت سے کسی ایک ملک میں ان کی تعداد کم ہوجاتی ہے۔ مثلاً ہمارے ملک میں سے قریباً بارہ لاکھ دستکار اس وقت جزائر میں آباد ہیں، جہاں ان کی حالت بہت اچھی ہے۔ لیکن ابھی ہندوستان کے دستکاروں کو نقل مکان کی بہت ضرورت ہے۔ مگر ہمارے نزدیک کمی اجرت کا مفید ترین نسخہ قومی تعلیم ہے۔ یہ وہ چیز ہے جس سے دستکار کا ہنر، اس کی محنت کی کارکردگی اور اس کی ذہانت ترقی کرتی ہے۔ اس کے اخلاق سنورتے ہیں اور وہ اس قابل بنتا ہے کہ اس پر اعتماد کیا جائے۔ تعلیم کی مدد سے دستکار اپنے کام کو سہولت کے ساتھ کر لینے کی راہیں سوچ سکتا ہے اور جدید کلوں کا استعمال جلد سیکھ سکتا ہے اور شراب خوری اور ہر قسم کی غلط کاری سے محفوظ رہتا ہے، جو بالعموم جہالت اور ناعاقبت اندیشی کا نتیجہ ہوا کرتی ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

سرکار کا حصّہ یا مالگزاری

پیداوار دولت کی کچھ مقدار ایسی بھی ہے جو نہ زمیندار اور ساہوکار کے قبضے میں جاتی ہے، نہ کارخانہ دار اور دستکار کے قبضے میں۔ یہ مقدار دو حصّوں پر منقسم کی گئی ہے۔

ا۔ اوّل وہ مقدار جو محصولات و مالگذاری کی صورت میں سرکاری خزانوں میں جاتی ہے حکماء کے درمیان اس امر کے متعلق بڑا اختلاف ہے کہ آیا محصول سرکار کی بحث تقسیم دولت کے باب میں آنی چاہئے یا صرف دولت کے باب میں۔ کیا سرکار کو پیداوار دولت کا پانچواں حصہ دار تصور کرنا چاہئے یا صرف یہ سمجھنا چاہئے کہ زمیندار، ساہوکار کارخانہ دار اور دستکار کے حصّوں میں سے کچھ مقدار انتظام مملکت کے استحکام کے لیے سرکار کو ادا کی جاتی ہے۔ بعض حکماء کا یہ قول ہے کہ سرکار خود دولت پیدا کرتی ہے مثلاً سڑکیں بنواتی ہے، پل تیار کرواتی ہے اور دیگر رفاہ عام کی صورتوں میں سرمایہ صرف کرتی ہے۔ لہذا تقسیم دولت میں ایک خاص حصّے کی حق دار ہے جو محصول کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ برخلاف اس کے بعض حکماء اس بات پر مصر ہیں کہ اکثر صورتوں میں سرکار کا سرمایہ غیر بارآور طور پر صرف ہوتا ہے۔ بڑی بڑی فوجیں وار جنگی جہاز رکھنے کی اصلی غرض یہ نہیں ہوتی کہ ملک میں امن وامان قائم ہو، جس سے قوم کا ہر فرد مطمئن ہو کر اپنے کام میں لگا رہے بلکہ اس ساز وسامان کی مراد یہ ہوتی ہیکہ سلطنت کا دائرہ وسیع ہو اور شاہی خاندان کو استحکام اور قوت حاصل ہو۔ علاوہ بریں ادائیگی محصول کوئی تبادلہ دولت کی قسم سے نہیں ہے کہ اپنی خوشی سے سرکار کو ایک شے دی اور کوئی اور شے اس کے عوض میں حاصل کر لی۔ بلکہ رعایا کو مجبور کیا جاتا ہے کہ محصول کی کچھ نہ کچھ مقدار ادا کرے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ہر فرد فریق راستی پر ہیں کیونکہ محصول سرکار کی بحث ایک اعتبار سے تقسیم اور دوسرے اعتبار سے صرف دولت کے ساتھ وابستہ ہے۔ سڑکوں پلوں اور دیگر عمارات کی تعمیر جدید، تجارتی بندرگاہوں کا افتتاح، محصول لگانے کے مختلف طریق اور اسکے جمع کرنے کے وسائل اور نیز اس امر کا فیصلہ کہ آیا کوئی خاص محصول زمین زمیندار کی ذاتی جیب سے نکلتا ہے یا حقیقت میں اس کے ادا کنندے پیداوار زمین کو استعمال میں لانے والے لوگ ہوتے ہیں۔ یہ تمام اور اس قسم کے دیگر امور تقسیم دولت کی بحث میں آتے ہیں۔ یہ خلاف اس کے سرکاری اخراجات کے نتائج کا نیک و بد ہونا صرف دولت کی بحث میں آتا ہے۔

اگرچہ مال گزاری سرکار کی کئی صورتیں ہیں مگر اس باب میں ہم صرف دو بڑی صورتوں کا

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ذکر کریں گے جن پر غور کرنا ضروری ہے۔

۱۔محصولات زمین

۲۔محصولات آمدنی

قدیم الاّیام سے یہ دستور چلا آیا ہیکہ فاتحین مفتوحوں کی پیداوار زمین میں سے کچھ حصّہ وصول کریں اور مختلف زمانوں میں اس حصّہ سرکار کی مقدار مختلف رہی ہے مگر یہ امر عام طور پر مسلّم ہے کہ سرکار واقعی زمین کی خصوصیات کے لحاظ سے اس پر ایک خاص محصول لگانے کا حق رکھتی ہے۔ ہمارے ہاں ایک خاص میعاد کے بعد جس کی مقدار آج کل دن بدن زیادہ سے زیادہ ہوتے جانے کا میلان رکھتی ہے۔ سرکاری طور پر زمینداروں سے محصول کی ایک خاص مقدار ادا کرتے رہنے کا ایک معاہدہ کیا جاتا ہے جس کو بندوبست کہتے ہیں اور جس کی دو صورتیں ہیں۔

۱۔زمینداری یا تعلق داریٔ اضلاع جہاں زمیندار خود مالگذاری ادا کرتا ہے۔ خواہ زمین کی کاشت خود کرے خواہ اوروں سے کرائے۔

۲۔اضلاع رعیت داری جہاں مزارعین اپنی اپنی مالگذاری خود ادا کریں اور سرکار اور مزارع کے درمیان زمیندار کا واسطہ نہ ہو۔

آج کل ہندوستان میں بعض اہل الرائے مسئلہ مالگذاری پر بڑی گرم جوشی کے ساتھ بحث کررہے ہیں۔ اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ ہندوستان کے موجودہ افلاس وادبار کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہاں سلسلہ بندوبست دوامی کو وسعت نہیں دی جاتی۔

دت صاحب جنہوں نے حال میں سرکار ہند کے ساتھ اس اہم مضمون پر خط وکتابت کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ بنگال میں بندوبست دوامی کے باعث دولت واقبال نے ترقی کی ہے اور عام لوگوں نے خاصہ سرمایہ جمع کرلیا ہے جو مختلف قسم کی صنعتوں میں صرف ہوسکتا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ مذکورہ بالا محقق کا ذاتی تجربہ اور ان کی مسلمہ لیاقت بہت بڑی وقعت رکھتی ہے۔ مگر ہماری رائے میں بنگال کی دولت واقبال کا باعث صرف بندوبست دوامی ہی نہیں ہے، بلکہ اس کے اور بھی اسباب ہیں جن کی طرف صاحب موصوف نے توجہ نہیں مبذول فرمائی۔ مشرقی بنگال کی دولت واقبال کا باعث صرف بندوبست دوامی ہی نہیں ہے، بلکہ اس کے اور بھی اسباب ہیں جن کی طرف صاحب موصوف نے توجہ نہیں مبذول فرمائی۔ مشرقی بنگال خصوصیت سے زرخیز ہے اور ایسا کم اتفاق ہوتا ہے کہ یہاں بارش بالکل ہ ہو، جیسا ہندوستان کے دیگر حصوّں میں ہوتا ہے۔ علاوہ بریں صوبہ بنگال میں سن کی پیداوار ہوتی ہے، جو ہندوستان میں کسی اور جگہ شاذ ہوتی ہے۔ مزید

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

برآں ملک ہندوستان کے اس حصّے میں وسائل آمدورفت بھی بہ نسبت دیگر مقامات کے کامل ہیں۔ باوجود ان باتوں کے ایک سال بارش نہ ہوئی، تو بنگال میں ایک خوفناک قحط نمودار ہوا۔ بلکہ یہاں بندوبست کو دوامی کر دینے کا موذی اثر یہ ہوا کہ زمیندار جتنا چاہتے تھے لگان لیتے تھے اور اس طرح بیچارے کاشت کاروں پر بے جا ظلم وستم ہوتا تھا۔ ان حالات میں سرکار ہند مجبور ہوئی کہ مزارعین کے حقوق کی حفاظت کرے اور ان کو زمینداروں کے ظلم سے بچائے۔ پس اس غرض کے حصول کے لیے سرکار ہند نے کئی قانون وقواعد وضع کئے۔ لہذا ہمارے نزدیک بنگال کی اقبال مندی زیادہ تر اس صوبے کی جغرافی خصوصیات کی وجہ سے ہے اور کچھ ان قواعد کی وجہ سے ہے جو سرکار ہند نے مزارعین کے حقوق کی حفاظت کے لیے وقتاً فوقتاً وضع کئے ہیں۔ صوبہ بہار میں بندوبست دوامی کی وجہ سے لوگوں کو ۸۰ لاکھ روپیہ سالانہ کی رعایت ہے۔ مگر باوجود اس بات کے گزشتہ تیس سال میں وہاں دو دفعہ قحط نمودار ہوا اور لوگ اس قدر رعایت کے ہوتے ہوئے بھی قحط کا مقابلہ نہ کر سکے۔ پس یہ کہنا کلیتہً صحیح نہیں ہے کہ رقم مالگذاری کا دوامی طور پر مقرر کر دیا جانا لوگوں میں قحط کا مقابلہ کر سکنے کی قابلیت پیدا کرتا ہے۔

دوسری بڑی صورت مالگذاری سرکار کی محصولات آمدنی ہے یعنی وہ محصول جو آمدنی پر لگایا جاتا ہے۔

اکثر حکماء نے محصولات آمدنی کے متعلق کئی اصول وضع کئے ہیں مگر چونکہ یہ عملاً کچھ نہیں مفید نہیں ہیں، اس واسطے ہم ان کو نظر انداز کرتے ہیں۔ یہاں صرف اس قدر ذکر کر دینا کافی ہوگا کہ انتظام مملکت کے استحکام کے لیے اس قسم کے محصولات کا ہونا ضروری ہے۔ ہاں محصول آمدنی میں اصولاً ایک یہ نقص ضرور ہے کہ آرام طلب اور سست لوگ جو کچھ نہیں کماتے اس کی ادائیگی سے بچ جاتے ہیں اور اس کا سہارا بار ملک کی آبادی کے اس حصّے پر پڑتا ہے جو محنتی یا تجارت پیشہ ہوتا ہے۔

ب۔ اکثر تجارتی ممالک میں بعض ایسے افراد ہوتے ہیں جن کی باریک بین نگاہ تجارت کی مدوجذر کو خوب پہنچانتی ہے۔ یہ لوگ اصل معنوں میں نہ تاجر ہوتے ہیں نہ کارخانہ دار، نہ خوردہ فروش نہ تھوک فروش۔ بلکہ بسا اوقات ان کے پاس اشیاء فروختنی کے بڑے بڑے ذخیرے بھی نہیں ہوتے۔ صرف اپنی باریک بینی اور تجربے سے معلوم کر جاتے ہیں کہ فلاں شے کی قیمت اپنے عرصے میں کم یا زیادہ ہو جائے گی اور اسی رائے کے بل پر اشیاء کی خرید وفروخت سے بالعموم فائدہ اور بسا اوقات نقصان بھی اٹھا لیتے ہیں۔ مثلاً جب یہ دیکھتے ہیں کہ غلّے کی قیمت کچھ عرصے میں

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

بڑھ جانے کو ہے۔تو جھٹ غلّے کے سوداگروں کے ساتھ سودا کر لیتے ہیں اور پھر گرانی کے موسم میں بسا اوقات عظیم الشان فائدہ اٹھاتے ہیں۔ پیداوار محنت کی ایک بہت بڑی مقدار ہر سال ان لوگوں کے ہاتھوں میں سے گزرتی ہے اور اس وجہ سے قومی دولت کا کچھ حصّہ ان تاجر نما افراد کے قبضے میں جاتا ہے۔لہذا یہ ایک لحاظ سے گویا دولت کے چھٹے حصّہ دار ہیں۔مگر یاد رکھنا چاہئے کہ اس قسم کے تاجروں کا وجود بالکل غیر مفید نہیں ہے کیونکہ جو شخص اپنی باریک بینی اور تجربے کی وساطت سے مثلاً یہ معلوم کر لیتا ہے کہ فرضا چار ماہ کے بعد غلّے کی قیمت بڑھ جائے گی اور اس رائے کی صحت کے بل پر غلّہ خریدنا شروع کر دیتا ہے، وہ ایک طرح سے اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ غلّے کی رسد زیادہ کرنے کے لیے باہر سے زیادہ غلّہ لانا چاہئے اور نیز موجودہ ذخیرے کو زیادہ کفایت شعاری سے برتنا چاہئے۔مختصر یہ ہے کہ اگر تجارت کی یہ صورت مناسب حدود کے اندر رہے، تو اس کی وساطت سے اشیاء کی مانگ اور رسد کے درمیان مساوات پیدا ہوتی ہے اور قیمت اشیاء کے ناگہانی تغیرات کا اثر زیادہ محسوس نہیں ہوتا۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

حصّہ پنجم

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

آبادی

جدید ضرورتوں کا پیدا ہونا

صرف دولت

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

باب ا

آبادی

کسی شے کے صرف سے مراد اس شے کے استعمال سے ہے صرف شے عدم محض کا مستلزم نہیں ہے۔ مثلاً جب اینٹوں کی ایک خاص تعداد کا پل بن جاتا ہے، تو ہم کہتے ہیں کہ اینٹوں کی تعداد صرف ہوگئی ہے۔ اگرچہ اس صرف سے اینٹیں بالکل فنا نہیں ہوجاتیں۔ تاہم لفظ صرف کے مفہوم میں فنا کا مفہوم شامل ہن اور صرف شے کے معنوں میں اس شے کا انعدام اور تبدیل ہئیت دونوں داخل ہیں۔

بعض حکماء یہ سمجھتے ہیں کہ صرف دولت کی بحث مضامین اقتصاد میں داخل نہیں ہے مگر یاد رکھنا چاہئے کہ مؤرخین کے لیے اس عمل کا مطالعہ صرف اسی لحاظ سے مفید ہوسکتا ہے کہ اس کے اصول اور مسائل ان اسباب پر روشنی ڈالیں جن کے عمل سے مختلف اقوام عالم کا عروج وزوال ظہور میں آتا ہے اور اس جذر ومد کے بواعث معلوم نہیں ہوسکتے، جب تک کہ اقوام عالم کی دولت اور اس کے صرف کرنے کے مروج طریق نہ معلوم کئے جائیں۔ علی ہذا القیاس ہم اپنی آئندہ نسلوں کی دولت کا اندازہ نہیں لگا سکتے جب تک ہم کو یہ معلوم نہ ہوک ہ ہم خود کس قدر صرف کرتے ہیں اور کسی طرح صرف کرسکتے ہیں۔ کسی قوم کو آئندہ عظمت کا اندازہ کرنے کے لیے یہ امر ضروری نہیں ہے کہ اس قوم کی موجودہ دولت کا اندازہ کیا جائے بلکہ زیادہ ضروری اس بات کا معلوم کرنا ہے کہ وہ اپنی موجودہ دولت کو کس طرح صرف کرتیہے اور اس کی عادات کس قسم کی ہیں ممکن ہے کہ کوئی قوم اپنی دولت کو اس طرح استعمال کرے کہ اس کے دستکاروں کا ہنر اور ان کی محنت کی کارکردگی روز بروز بڑھتی جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی قوم اپنی دولت کو اس طرح صرف کرے کہ اس کے افراد کی تعداد روز بروز بڑھتی جائے جس سے مفلسی اور بیماری اور دیگر بدنتائج پیدا ہوتے جائیں۔ باوجود ان صریح دلائل کے ہمیں تعجب ہے کہ بعض حکماء اس بحث کو مضامین اقتصاد میں داخل نہیں سمجھتے۔

ا۔ دولت کا پہلا استعمال یہ ہے کہ اس کی وساطت سے دستکار کو سامان معیشت، لباس اور جائے رہائش ملتی ہے۔ تمدن کے ابتدائی مراحل میں دیگر حیوانات کی طرح انسان بھی صرف نباتات اور قدرتی پھل پھول پر گزارہ کرتا تھا۔ مگر انسان کے تمدن کا حقیقی سلسلہ اس دن سے شروع

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ہوتا ہے جب اس نے آگ کے خواص اور اس کے طریق استعمال معلوم کر کے اپنی خوراک پکانا شروع کیا۔ علیٰ ہذا القیاس رفتہ رفتہ تمدنی ترقی اس امر کی مقتضی ہوئی کہ انسان برہنہ پہاڑوں کی غاروں اور درختوں کے پتوں کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہے اور بجائے ان کے لباس، جھونپڑیوں، چمڑے کے خیموں اور مکانوں کا استعمال سیکھے۔

۲۔ دولت کا دوسرا استعمال یہ ہے کہ اس کی وساطت سے دستکار رشتہ ازواج استوار کرتا ہے۔ بی بی کی خواہش ایک فطری خواہش ہے اور یہ بالعموم ان خواہشوں کے پورا ہو چکنے کے بعد پیدا ہوتی ہے، جن کا پورا ہونا انسان کے جسمانی بقا کے واسطے انتہا درجے کا ضروری ہے۔ مگر بی بی انسان کے بعض قدرتی تقاضوں کو ہی پورا نہیں کرتی، بلکہ ابتدائے تمدّن میں خاوند کو اپنے کاروبار میں مدد دیتی ہے اور اس طرح اس کی پیداوار محنت پر بڑا اثر کرتی ہے۔ اکثر قدیم قومیں ایک سے زیادہ بیبیاں کرنا مستحسن تصور کرتی تھیں۔ اس کی وجہ کچھ تو یہ ہے جو اوپر مذکور ہوئی اور کچھ یہ کہ ہر قبیلہ اپنے افراد کی تعداد کو زیادہ کرنا چاہتا تھا تا کہ اسے اس جنگ وجدل میں جو تمدن کے ابتدائی مراحل کا خاصہ ہوتا ہے، دیگر قبائل پر غلبہ رہے۔ تاہم یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ اقتصادی لحاظ سے تعدد ازدواج تمدن کی ہر صورت میں مستحسن ہے۔ کیونکہ اس سے آبادی بہت بڑھتی ہے۔ جو بسا اوقات قوموں کے افلاس کا باعث ہوتی ہے۔

۳۔ صرف دولت کی تیسری صورت دستکار کے بچوں کی پرورش اور ان کی تعلیم و تربیت ہے۔ جس طرح بی بی کا ہونا دستکار کو محنت کی تحریک کرتا ہے۔ اسی طرح بچوں کا پیدا ہونا بھی اس کے لیے ایک مزید محرک ثابت ہوتا ہے۔ بچے کی محبت ایک فطری تقاضا ہے۔ پس باپ کا اپنے بچوں کو پرورش کرنا یا ان کی تعلیم و تربیت پر روپیہ خرچ کرنا کچھ اس خیال سے نہیں ہوتا کہ وہ بڑے ہو کر روپیہ کمائیں گے یا قوم و ملک کی استحکام کا باعث ہوں گے، بلکہ اس کی محبت ایک طبعی جوش ہے جس کو کوئی شے دبا نہیں سکتی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض عورتیں بانجھ ہوتی ہیں اور بعض مرد قوت مردمی سے عاری ہوتے ہیں لیکن چونکہ ان کی تعداد نہایت قلیل ہے اس واسطے اس وقعہ کو نظر انداز کر کے اس صریح اصول کو یاد رکھنا چاہئے کہ جس قدر کسی باپ کے بچوں کی تعداد زیادہ ہوگی اسی قدر اس کے وسائل آمدنی پر اثر پڑے گا۔ اگر کسی شخص کی آمدنی قلیل ہو اور اس کی اولاد بڑھتی جائے، تو صاف ظاہر ہے کہ اس خاندان کی فارغ البالی وہ نہ رہے گی، جو پہلے اسے حاصل تھی۔ موجودہ آمدنی تمام افراد کے گزارے کے لیے کافی نہ ہوگی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خاندان کی جسمانی حالت میں فرق

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

آ جائے گا اور وہ پس انداز بھی جو کسی آڑے وقت کے لیے جمع رکھا ہوگا، خرچ ہو جائے گا۔ بلکہ قلّت معیشت کی وجہ سے خاندان مذکور میں بعض ایسی بیماریاں پیدا ہو جائیں گی جن کا اثر نسلا بعد نسل منتقل ہوتا جائے گا۔ جب کسی قوم میں آبادی مناسب حدود سے زائد ہو جاتی ہے تو قدرت خود بخود وبا اور قحط کے تازیانوں سے اس کا علاج کرتی ہے بچے اور بوڑھے اجل کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جوانوں کی قوت مروجی میں فرق آ جاتا ہے اور قحط بالعموم آبادی کی افزائش کو روکتا ہے۔ مگر محقق واکر کے نزدیک انسانی قبائل کی تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ وبا اور قحط کے وسائل کسی قوم کی آبادی کو مستقل طور پر کم نہیں کر سکتے۔ وسیع معنوں میں زندگی کا قیام ایک کلیہ قانون کی تابع ہے جس کو فلسفی قانون بقائے افراد قویہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

غالبا تمام حکمائے حال اس امر پر متفق ہیں کہ نظام عالم ہر حصہ اس قانون کے عمل سے متاثر ہوتا ہے۔ کیا نباتات کیا حیوانات اور کیا انسان، سب کی فنا و بقا کا اصلی راز اسی قانون کا عمل ہے۔ تو جانتے ہو قیام حیات کے وسائل و اسباب ہمیشہ متغیّر ہوتے رہتے ہیں۔ پس جب یہ اسباب و وسائل دفعتا متغیر ہو جائیں اور جانداروں کے کسی خاص طبقے میں وسائل بقا کے تغیر کے ساتھ ہی ان کے مطابق تبدیلی پیدا کر سکنے کی صلاحیت نہ ہو، تو صاف ظاہر ہے کہ وہ طبقہ فنا ہو جائے گا۔ اور وہی حیوان محفوظ رہیں گے جو ان وسائل متغیر شدہ میں قائم رہنے کی قابلیت رکھتے ہوں گے۔ مثلا فرض کرو کہ کسی ملک کی آب و ہوا میں دفعتا اس قسم کی تبدیلی پیدا ہو گئی ہے جو چار پایوں[1] کے حق میں نہایت مضر ہے۔ اس حالت میں صرف وہی چار پائے زندہ رہ سکیں گے جن کے قویٰ میں تبدیل شدہ آب و ہوا کے متحمل ہو سکنے کی قابلیت ہوگی۔ باقی سب فنا ہو جائیں گے۔ غرض کہ نظام عالم کے ہر حصّے میں جانداروں کے درمیان ایک قسم کی مصاف ہستی شروع ہے جس میں قوی افراد فتح پاتے ہیں اور ضعیف و ناتواں افراد صفحۂ عالم سے معدوم ہوتے جاتے ہیں۔ مگر محقق واکر کہتا ہے کہ انسان کی بقا و فنا کی صورت میں یہ قانون کامل پر عمل نہیں کر سکتا اور وبا و قحط سے جو اس قانون کے عمل کی صورتیں ہیں، انسانوں کی تعداد میں کوئی مستقل کمی پیدا نہیں ہو سکتی۔ ان کے نزدیک انسان اور دیگر حیوانوں میں ایک بڑا فرق ہے، جو انسان کو اس قانون کے عمل سے آزاد کرتا ہے۔ حیوانوں اور دیگر جانداروں میں جب بچہ بڑا ہو جاتا ہے تو اس کو اپنے ماں باپ سے کوئی سروکار نہیں رہتا۔ مگر انسان کی حالت اس سے مختلف ہے۔ نسبی تعلق جو تمدن انسانی میں خاندان کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے ایک ایسا زبردست رشتہ ہے جو ایک فرد کو دوسرے افراد سے جدا نہیں ہونے دیتا۔ جانداروں کے کسی طبقے کا کوئی فرد اگر کسی دکھ درد میں مبتلا ہو جائے، تو باقی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

افراد کو اس کی کوئی پروا نہیں ہوتی، مگر انسانی خاندان کے کسی فرد کو اگر کوئی مرض لاحق ہو جائے تو باقی افراد نہایت خلوص اور محبت سے اس کی حفاظ کرتے ہیں اور اس کو موت کے پنجے سے چھوڑانے کی کوشش کرتے ہیں۔ لہذا وہ مصارف زندگی جو اور حیوانات میں بوجہ اجنبیت و غیریت جاری ہے انسانی قبائل میں بوجہ یگانگت اور تعلقات نسبیہ کے معدوم ہے۔ اس استدلال سے محقق موصوف یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ انسانی زندگی بوجہ اس یگانگت کے جو تعلقات نسبیہ سے پیدا ہوتی ہے مذکورہ بالا قانون کے عمل سے کلی طور پر آزاد ہے مگر ہماری ذاتی رائے حکیم موصوف کے خلاف ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ نسبی تعلقات کی وجہ سے انسان اپنے خاندان کے کمزور اور ناتواں افراد کی حفاظت کرتا ہے اور مختلف افراد انسانی کے درمیان وہ اجنبیت اور غیریت نہیں ہے جو حیوانوں کو قانون افراد قویہ کے تحت میں لاتی ہے۔ تاہم یہ اجنبیت اور غیریت مختلف انسانی خاندانوں اور قوموں کے درمیان ضرور موجود ہے۔ اگرچہ ایک خاناد کے افراد کے درمیان نہیں ہے۔ حکیم موصوف کا خیال اس صورت میں صحیح ہوسکتا ہے۔ جب تمام انسان یہ محسوس کریں کہ وہ ایک ہی خاندان کے افراد ہیں۔ اور نہ صرف یہ محسوس ہی کریں بلکہ علمی طور پر اس کو کر کے بھی دکھا دیں ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ تمدن انسانی کی سب سے اعلیٰ صورت یہی ہے کہ تمام بنی نوع انسان حقیقی بھائیوں کی طرح زندگی بسر کریں۔ مگر چونکہ نفس الامر میں ایسا نہیں۔ اس واسطے وہ اجنبیت اور غیریت جو حیوانوں میں موجود ہے اور جو ان کو مذکورہ بالا قانون سے متاثر کرتی ہے، مختلف انسانی خاندانوں اور قوموں میں بھی موجود ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ حیوانات میں مصاف زندگی افراد کے درمیان جاری ہے، مگر انسانوں میں یہ لڑائی خاندانوں اور قوموں کے درمیان جاری ہے۔ ہر خاندان اور ہر قوم اس مصاف ہستی میں فتح مند ہونے کی خواہش کرتی ہے اور سب کا یہ قدرتی اور فطری تقاضا ہے کہ حریف کو گرا کر تمام روئے زمین کے خود وارث بن جائیں جس طرح اس قانون کے اثر سے حیوانوں کو بعض قدیم قسمیں صفحۂ ہستی سے معدوم ہوگئی ہیں۔ اسی طرح اس قانون کے عمل سے انسانوں کی قدیم قومیں بھی حرف غلط کی طرح کتاب ہستی سے مٹ گئی ہیں۔ اور اب ان کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہا۔ بلکہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ غیر مادی اشیاء مثلاً خیالات و مذاہب کا قیام بھی اسی قانون کے تابع ہے۔ جو خیال یا مذہب انسان کے تمدّنی حالات اور اس کی عقلی ترقی کے ساتھ ساتھ ترقی نہ کر سکے گا۔ ضرور ہے کہ وہ انسان کی جدید روحانی ضروریات کو پورا نہ کر سکنے کے باعث معدوم ہو جائے۔ پس ہماری رائے میں مذکورہ بالا قانون انسانی قبائل کی صورت میں بھی اپنا عمل بدستور کر رہا ہے۔ اور قحط و وباء اور آبادی کو کم کرنے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کے دیگر قدرتی وسائل کو جو اس قانون کے ی صورتیں ہیں۔ اگر اس پہلو سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ چیزیں تمدن انسانی کی ترقی کے لیے نہایت ضروری شرائط ہیں۔

یہاں تک تو ہم نے یہ ثابت کیا ہے کہ آبادی کا مناسب حدود سے باہر نکل جانا افلاس اور دیگر بدنتائج کا سرچشمہ ہے۔ مگر عملی نتائج پر پہنچنے کے لیے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ انسانی موت و پیدائش کے درمیان صحیح نسبت کیا ہے۔ یہ ایک ظاہر واقعہ ہے کہ بعض پیدا ہوتے ہیں بعض مرتے ہیں۔ لیکن مشاہدے اور تجربے کی مدد سے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ معمولی اموات وغیرہ کو نکال کر شرح پیدائش فی زن و مرد کیا ہے۔ حکیم مالتھس اپنے مضمون موسوم بہ ''آبادی'' میں یہ اصول دریافت کرتا ہیکہ باوجود تجرید اور ضعف مرومی کے جو بعض صورتوں میں ہوتا ہے انسان کی شرح پیدائش بحساب اوسط بالعموم چار بچے فی زن و مرد کے حساب سے ہوتی ہے۔ اور اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ آئندہ نسلوں کی قوت تولد و تناسل میں کوئی ضعف نہیں عارض ہوگا۔ تو صاف ظاہر ہے کہ نوع انسان کی آبادی کا شجر مندرجہ ذیل طریق پر شاخ در شاخ ہوکر باآور ہوتا جائے گا۔

۲۔ مرد عورت کا ایک جوڑا جو حکیم مالتھس کے نزدیک بالعموم چار بچے پیدا کرتا ہے یعنی بحساب اوسط ۲ لڑکیاں اور ۲ لڑکے یا بالفاظ دیگر یوں کہو کہ ایک جوڑے سے دو جوڑے پیدا ہوتے ہیں۔

اس سلسلے پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ہندسہ اپنے مقدم سے دگنا ہے پس وہ سلسلہ ہے جو اصلاح ریاضی میں سلسلہ ہندسیہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے لہذا نوع، انسان کی آبادی بشرطیکہ کوئی اختیاری یا غیر اختیاری اسباب مانع نہ ہوں سلسلہ ہندسیہ کے مطابق برابر بڑھے گی۔ مگر برخلاف اس کے تم پیچھے پڑھ آئے ہو کہ پیداوار زمین یعنی خوراک انسانی قانون تقلیل حاصل کے زیر اثر ہے اور اس کی مقدار روز بروز کم ہونے کی طرف میلان رکھتی ہے۔ لہذا اس واقعہ سے حکیم موصوف یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ نوع انسان کی آبادی اس قدر بڑھ جانے کا میلان رکھتی ہے کہ قیام زندگی کے قدرتی وسائل اس کے لیے کفایت نہیں کر سکتے۔ ذرا خیال تو کرو اگر نوع انسان کی آبادی بغیر کسی قید کے بڑھ جائے اور انسان اپنی عقل خداداد کی وساطت سے اپنے وسائل زندگی کو زیادہ کرنے کی راہیں نہ سوچے، تو بنی آدم کا کیا حشر ہوگا۔ فطرتاً انسان اس قسم کی ہستی ہے کہ اس کے قویٰ نظام قدرت کے ان قویٰ کا مقابلہ کر سکتے ہیں جو اس کے قیام زندگی کے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

مخالف ہوں۔قدرت عظیم الشان جنگوں، وباؤں اور قحطوں کی وساطت سے خود بخود آبادی انسان وحیوان کو کم کرتی ہے اور انسان اپنی انجام بینی کی وجہ سے اپنے شہوانی قویٰ پر غلبہ پاسکتا ہے یا افزائش آبادی[۲] کے میلان کو اختیاری طور پر بھی روک سکتا ہے حکیم مالتھس کے نزدیک افلاس وار دیگر برائیوں کا اصل منبع آبادی کا انداز سے زیادہ بڑھ جانا ہے[۳] اکثر ممالک کے مشاہدے سے معلوم ہوا ہے کہ نوح انسان کی آبادی پچیس سال میں دگنی ہو جانے کا میلان رکھتی ہے۔ جب یہ حال ہو، تو جس ملک میں آبادی بلا قید بڑھ رہی ہو، وہاں کے لوگوں کو چاہئے کہ انجام بینی سے کام لیں اور ان وسائل کو اختیار کریں، جو آبادی کی ترقی کو روکتے ہیں۔ انسان کی قوت تولد و تناسل قدرتاً کچھ اس قسم کی ہے کہ اگر اس کے عمل کو اختیاری یا غیر اختیاری اسباب سے روکا نہ جائے تو اس کا وجود مجموعی طور پر بنی آدم کی بربادی اور تباہی کا باعث ہوگا۔ اجرت کی بحث میں بالعموم یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ جب دستکار افزائش آبادی کے بدنتائج کو محسوس کریں گے تو خود بخود ایسے وسائل اختیار کریں گے جن سے آبادی کم ہو۔ مگر تجربہ اس بات کے خلاف ہے۔ چین اور ہندوستان کی موجودہ حالت یہ ظاہر کرتی ہے۔ غریبی اور افلاس کی صورت میں انسان کی قوت تناسل و توالد مزید زور کے ساتھ عمل کرتی ہے جس سے آبادی زیادہ تیزی کے ساتھ بڑھتی اور مفلسی کے درد کی شدت کو اور زیادہ جان فرسا بناتی ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ افزائش آبادی کا قدرتی علاج یعنی قحط ان ممالک کو آئے دن ستاتا رہتا ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

باب۲

جدید ضرورتوں کا پیدا ہونا

نوع انسانی کی آبادی کے متعلق مندرجہ بالا خیالات اوّل اوّل حکیم مالتھس نے ظاہر کئے تھے۔ حکیم موصوف نے تجربے، مشاہدے اور تاریخی شہادت سے اس امر کو ثابت کیا کہ

۱۔ ہر ملک میں آبادی اس قدر بڑھ جانے کا میلان رکھتی ہے کہ قیام زندگی کے قدرتی وسائل یعنی خوراک وغیرہ کی مقدار اس کے لیے کفایت نہیں کر سکتی۔

۲۔ بہت کم قومیں اس افزائش آبادی کو روکنے کے قابل ہوئی ہیں۔

۳۔ اگر آبادی اس قدر بڑھ جائے کہ قیام زندگی کے قدرتی وسائل یعنی خوراک وغیرہ کی مقدار اس کے لیے کفایت نہ کرے تو انسان کی قوت توالد و تناسل بجائے اس کے کہ اس کا عمل کم ہو، مزید زور کے ساتھ عمل کرتی ہے اور آبادی کی مقدار کو اور زیادہ کرتی ہے۔

۴۔ اگر فراغت سے زندگی گزارنے کا خیال افزائش آبادی کو روکنے سے قاصر ہے، تو کوئی وجہ نہیں کہ مفلسی اور احتیاج کا خوف بلکہ حقیقی طور پر افلاس کی بیماری میں مبتلا ہو جانا بھی اس کو روک سکے۔

۵۔ دنیا کی کوئی قوم ان مصائب کے اندیشے سے آزاد نہیں ہے جو افزائش آبادی سے پیدا ہوتے ہیں۔

ان ضروری قضایا کو ثابت کرنے کے بعد حکیم مالتھس ان موانع کا ذکر کرتا ہے جو افزائش آبادی کو روکتے ہیں۔ اگر یہ اسباب نہ ہوتے تو اس میں کچھ شک نہیں کہ دنیا دکھ درد کا ایک ایسا خوفناک نظارہ ہوتی کہ کسی دردمند دل کو اس کے دیکھنے کی تاب بھی نہ ہوتی۔ بلکہ ان اسباب کے ہوتے بھی کثیر التعداد بنی آدم غریبی کے روز افزوں دکھ میں مبتلا ہیں جس کی شدّت سے مجبور ہو کر ان کو ایسے ایسے جرائم کا مرتکب ہونا پڑتا ہے، جو انسان کے لیے ذلّت و شرم کا باعث ہیں اور اس کی صحیح فطرت کے صاف اور روشن آئینہ کو تیرہ و تار کرنے کے لیے کافی ہیں۔ تم جانتے ہو مفلسی تمام جرائم کا منبع ہے۔ اگر ایسی بلائے بے درماں کا قلع قمع ہو جائے تو دنیا جنت کا نمونہ نظر آئے گی اور چوری، قتل، قمار بازی اور دیگر جرائم جو اس دہشت ناک آزار سے پیدا ہوتے ہیں یک قلم معدوم ہو جائیں گے۔ مگر موجودہ حالات کی رو سے اس کالی بلا کے پنجے سے رہائی پانے کی یہی صورت

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ہے کہ نوع انسان کی آبادی کم ہوتا کہ موجودہ سامان معیشت کفایت کر سکے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر نئے نئے جزائر دریافت ہوتے جائیں جہاں انسان جا کر آباد ہو سکے اور قانون تقلیل حاصل کے اثر کا مقابلہ کامل طور سے کیا جا سکے،تو آبادی کی افزائش آسائش انسانی میں خلل انداز نہ ہو سکے گی۔مگر چونکہ زمین کمیت میں محدود ہے اور اس کی پیداوار کچھ نہ کچھ قانون مذکور کے تابع ہے اس واسطے ضرور ہے کہ افزائش آبادی کے خوفناک نتائج ہمارے آرام و آسائش کے مخل ہوں اور ہمیں اس فراغت سے محروم کر دیں جو بصورت کمی آبادی ہم کو حاصل ہوتی۔لہذا ہمارا فرض ہے کہ ہم کمی آبادی کے ان اسباب کو عمل میں لا دیں، جو ہمارے اختیار میں ہیں کہ ان اسباب کا عمل قدرتی اسباب کے عمل سے متحدہ ہو کر آبادی انسان کو کم کرے اور دنیا مفلسی کے دکھ سے آزاد ہو کر عیش و آرام کا ایک دلفریب نظارہ پیش کرے۔حکیم مالتھس کے نزدیک آبادی انسان کی ترقی کو روکنے کے وسائل دو قسم کے ہیں:

۱۔قدرتی یا غیر اختیاری وسائل مثلاً وبا،قحط اور جنگ وغیرہ۔

۲۔اختیاری مثلاً افراد انسانی کا شادی سے باز رہنا اور اپنے تقاضائے نفسانی اور جذبات فطری کو قابو میں رکھنا اور دیر کے بعد شادی کرنا۔اگر ان وسائل کو اس طرح اختیار کیا جائے کہ افزائش آبادی پر ان کا پورا اثر ہو تو قدرتی وسائل یعنی قحطوں اور وباؤں کا تو اثر خود بخود کم ہو جائے گا کیونکہ قحط خوراک کھانے والوں کو کثرت سے پیدا ہوتا ہے اور وبا مفلسوں کی کمی خوراک اور ان کی جائے رہائش ولباس وغیرہ کے غیر مصفا ہونے سے پیدا ہوتی ہے۔

تمدن کے ابتدائی مراحل میں انسانی ضروریات بہت محدود تھیں۔مگر تہذیب کی ترقی کے ساتھ ساتھ انسانی ضروریات کا دائرہ بھی وسیع ہوتا جاتا ہے۔جہاں پہلے صرف خوراک کی خواہش تھی، جب یہ پوری ہوئی تو انسان کو مکانوں کی آراستگی اور ان کے نقش ونگار کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔چونکہ ہر جدید خواہش یہ تقاضا کرتی ہے کہ انسان اپنی کسی اور خواہش کو دبائے رکھے اور اس کو پورا کرے۔لہذا انسان اپنی جدید خواہشوں کے پورا کرنے کی دھن میں اپنی پہلی ضروریات کو محدود کرتا ہے۔یہاں تک کہ بالعموم اپنی قوت توالد وتناسل کو بھی کفایت شعاری سے بدلنے لگتا ہے۔موجودہ زمانے میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ماں باپ اپنے بیٹوں کی شادیاں نہیں کرتے جب تک کہ وہ تعلیم سے فارغ نہ ہو لیں۔بیٹے کی تعلیم کو اس کی شادی پر مقدم سمجھتے ہیں بلکہ بسا اوقات اس خیال کا محرک یہی امر ہوتا ہے کہ بیٹے کی شادی ہو گئی تو اولاد پیدا ہونی شروع ہو جائے گی اور بیٹے کو اپنے بچوں کی پرورش کے خیال سے تعلیم کو خیر باد کہنا پڑے گی۔صاف ظاہر ہے کہ شادی کو

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اسی طرح معرض التوا میں ڈالنا گویا اولاد کی تعداد کو کم کرنا ہے۔ جو بصورت دیگر ایام کتخدائی میں پیدا ہونی ممکن تھی۔ علاوہ بریں تہذیب وتمدّن کی ترقی کے ساتھ انسان کو مختلف اقسام کے خورونوش اور طرح طرح کے اسباب تن آسانی کی بھی خواہش ہوتی ہے، جو اسے محنت کرنے پر آمادہ کرتی ہے اور اس کی قوت تناسل وتوالد پر وہ زبردست اثر کرتی ہے ہے، جو اسے محنت کرنے پر آمادہ کرتی ہے اور اس کی قوت تناسل وتوالد پر وہ زبردست اثر کرتی ہے کہ مفلسی کا خوب بھی وہ اثر نہیں کرسکتا۔ کیونکہ امیرانہ ٹھاٹھ سے گزارہ کرنا انسان کی ایک جبلی خواہش ہے اور بسا اوقات یہ خواہش اس کو اپنی فطرت کے حیوانی تقاضوں کو پورا کرنے سے روکتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس بعض ممالک میں جہاں کی زمین بالعموم چھوٹے چھوٹے مالکان خود کاشت میں منقسم ہے۔ زمیندار زیادہ اولاد سے گھبراتے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ جس قدر اولاد کی تعداد زیادہ ہوگی، اسی قدر ان کی جائیداد زیادہ حصوں میں منقسم ہوگی۔ اور اگر ان کی اولاد کے ہاں بھی اولاد پیدا ہونا شروع ہوگئی تو حصّہ زمین کی وہ قلیل مقدار ان کے گزارے کے لیے کسی طرح کافی نہ ہوگی۔ مگر یاد رکھنا چاہئے کہ افزائش آبادی کو روکنے کی خواہش زیادہ زور کے ساتھ اسی صورت میں عمل کرتی ہے جب کہ زمین کی کاشت نقطۂ تقلیل تک پہنچ گئی ہو یا بالفاظ دیگر جب انسان کو یہ خیال ہو کہ سامان معیشت کی مقدار کافی طور پر مہیا نہ ہوسکے گی ان اصول کی رو سے تم خود اندازہ کرسکتے ہو کہ ہندوستان کی موجودہ حالت کس امر کا تقاضا کرتی ہے۔ ہمارے ملک میں سامان معیشت کم ہے اور آبادی روز بروز بڑھ رہی ہے۔ قدرت قحط اور وبا سے اس کا علاج کرتی ہے۔ مگر ہم کو بھی چاہئے کہ بچپن کی شادی اور تعدد ازواج کے دستور کی پابندیوں سے آزاد ہوجائیں۔ اپنے قلیل سرمائے کو زیادہ دور اندیشی سے صرف کریں۔ صنعت وحرفت کی طرف توجہ کرکے ملک کی شرح اجرت کو زیادہ کریں اور عاقبت بینی کی راہ سے اپنی قوم کے انجام کی فکر کریں تاکہ ہمارا ملک مفلسی کے خوفناک نتائج سے محفوظ ہوکر تہذیب وتمدن کے ان اعلیٰ مدارج تک رسائی حاصل کرے جن کے ساتھ ہماری حقیقی بہبودی وابستہ ہے۔ ان سطور سے تم یہ نہ سمجھ لینا کہ ہم بنی آدم کو کلی طور پر شادی وغیرہ کی لذت اٹھانے سے روکنا چاہتے ہیں۔ ہمارا مقصد صرف اس قدر ہے کہ بچوں کی کم سے کم تعداد پیدا ہو اور بی بی کی خواہش ایک فطری تقاضا ہے اور اس کو بالکل دبائے رکھنا بھی صحت کے خلاف ہے۔ لہٰذا اقتصادی لحاظ سے انسان کی بہبودی اسی میں ہے کہ وہ حتی المقدور اپنی حیوانی خواہشوں کو پورا کرنے سے پرہیز کرے اور جہاں تک ممکن ہو بچوں کی کم سے کم تعداد پیدا کرے۔ یہ مطلب بڑی عمر میں شادی کرنے یا بالفاظ دیگر شرح پیدائش کو کم کرنے اور نفسانی تقاضوں کو بالعموم ضبط کرنے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

سے حاصل ہوسکتا ہے۔

باب ۳

صرف دولت

مضمون گزشتہ کی تصریح کی رو سے جدید ضروریات جو پیدا ہوتی ہیں اس امر کا تقاضا کرتی ہیں کہ انسان اپنی فطرتکے حیوانی تقاضوں کے پورا کرنے کی طرف نسبتاً کم توجہ کرے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آبادی کے سیل رواں کو مسدود کرنے کے لیے کسی زیادہ زبردست روک کا ہونا ضروری ہے۔ تاہم موجودہ حالت میں جدید ضروریات کا پیدا ہوتے جانا کسی اور روک کے نہ ہونے سے اچھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انگریزی محققین کے نزدیک جہاں تک ممکن ہو سامان معیشت ارزاں نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ حکیم مالتھس کے مسائل کی رو سے اشیاء خوردنی کی ارزانی افزائش آبادی کے خوفناک نتائج کی طرف سے انسان کو اندھا کر دیتی ہے اور یہ بےفکری اس کے آئندہ بہبودی کی دشمن ہوتی ہے۔ اگر لوگوں کے روزمرّہ استعمال کی اشیاء ارزاں سے ارزاں ہوں، تو صاف ظاہر ہے کہ ایک سال فصل کے نہ ہونے سے ان کی جان پر آ بنے گی۔ کیونکہ ان کا گزارا پہلے ہی سے ایسی اشیاء پر تھا جو تمام دیگر اشیاء کی نسبت ارزاں تھیں اور اب اس آڑے وقت کے لیے کوئی ارزاں تر شے نہ ہوگی، جس پر وہ اپنا گزارہ کرسکیں، لیکن اگر ان کے استعمال کی چیزیں ذرا گراں قیمت ہوں، تو قحط سالی میں وہ ارزاں اشیاء پر اپنا گزارہ کرسکیں۔ کشمیر میں چاول سب سے ارزاں شے ہوتی ہے اور لوگ بالعموم اسی شے پر گزارہ کرتے ہیں۔ لیکن جس سال چاول نہیں ہوتے ان کو سخت مصیبت کا سامنا ہوتا ہے کیونکہ اس آڑے وقت میں ان کو کوئی ایسی شے دستیاب نہیں ہوسکتی جو چاولوں سے زیادہ ارزاں ہو اور جس پر وہ اپنا گزارہ کریں۔ جو سب سے ارزاں شے تھی وہ پہلے ہی ان کے استعمال میں تھی۔ اب اس سے زیادہ ارزاں شے کہاں سے آئے۔ لہذا اس حکماء کے نزدیک یہ ضروری ہے کہ لوگوں کی شیاء خوردنی ارزاں ترین اشیاء نہ ہوں بلکہ کسی قدر گراں قیمت اشیاء ہوں تا کہ اگر ان گراں قیمت اشیاء کا قحط پڑ جائے تو ان ایام میں وہ سستی اشیاء پر اپنا گزارہ کرسکیں۔ حکیم مالتھس کے مسائل کا یہ نتیجہ صحیح ہے لیکن اگر عوام اپنا نفع نقصان سمجھ کر اپنی رضا و رغبت سے آبادی کو کم رکھنے کی کوشش کریں تو صاف ظاہر ہے کہ سامان معیشت اور اشیائے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

خوردنی کی ارزانی بجائے اس کے کہ برے نتائج پیدا کرے، ان کے حق میں ایک نعمت ہوگی۔ کیونکہ جو روپیہ کھانے پینے سے بوجہ ارزانی کے بچ رہے گا وہ دیگر آرام و آسائش کے سامانوں پر صرف ہو سکے گا یا بطور سرمایہ کام آ سکے گا۔ صرف دولت کی مختلف صورتوں کا معلوم کرنا خصوصا اس حالت میں جب کہ لوگ اپنا نفع نقصان سوچ کر اپنی رضا و رغبت سے آبادی کو کم کرنے کی کوشش کریں، انتہا درجہ ضروری ہے۔ کیونکہ صرف دولت کی کی مختلف صورتیں گویا مختلف اسباب ہیں جو دولت کی آئندہ پیدائش پر اثر کرتے ہیں۔ موجودہ محققین اقتصاد کا سب سے بڑا فرض اس بات کا علم حاصل کرنا ہے کہ دولت کے استعمال کے وہ کون کون سے طریق ہیں جن سے تمدن کا شیرازہ مضبوط ہوتا ہے۔ افراد قوم کی اخلاقی اور جسمانی حالت ترقی کرتی ہے اور بحیثیت مجموعی ملک کے سیاسی اور اقتصادی نظام کے تمام اجزا ہم آہنگ ہو کر قوم کی بہبودی کا باعث ہوتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس یہ دریافت کرنا بھی ضروری ہے کہ صرف دولت کی کون کون سی صورتیں تمدّنی اور اخلاقی لحاظ سے انسان کی فطرت پر برا اثر کرتی ہیں اور پیدائش دولت کے پیچیدہ اسباب کو پورا عمل کرنے سے روکتی ہیں۔ انگلستان میں اس وقت دو ارب ساٹھ کروڑ روپیہ سالانہ صرف شراب پر خرچ ہوتا ہے۔ اگر یہی روپیہ کسی اور مفید صورت میں صرف ہوتا تو ملک کی اقتصادی حالت پر نہایت اچھا اثر کرتا۔ موجودہ زمانے میں ایک ایسے فلسفی کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے، جو مندرجہ بالا امور کی پوری تفتیش اور تحقیق کر کے علم الاقتصاد کے اس حصّہ کو پورا کرے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com